مطالعات قرآنی

شیعہ وسنی مصادر حدیثی کا تعارف

«پہلا سبق»

عمومی مباحث

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

جامع کی تعریف

"جوامع" "جامع" کی جمع ہے اور حدیث کی ان کتابوں کو "جوامع" کہا جاتا ہے جو کسی خاص موضوع پر مشتمل احادیث یا خاص مجموعے سے مخصوص نہ ہو بلکہ تمام یا بہت سے حدیثی ابواب کو اپنے اندر سمیٹی ہوئی ہو کچھ ماہرین حدیث کے کہنے کے مطابق وہ حدیثی ابواب یہ ہیں: ا۔ عقائید کا باب ۲۔ احکام کا باب ۳۔ رقاق کا باب، ۴۔ کھانے پینے کے آداب کا باب ۵۔ تفسیر کا باب ۶۔ تاریخ اور سیرت کا باب ۷۔ سفر اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب کا باب ۸۔ فتن کا باب ۱

کتب حدیثی جن کو جوامع حدیثی کہا جاتا ہے جیسا کہ "شیعہ کتب اربعہ" "اہل سنت کی صحاح ستہ" کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کتب کے مصنفین نے اپنے سلیقے اور اپنی ذاتی رائے کے مطابق احادیث کے مجموعے کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے اگر چہ ان کی اس تقسیم کو علمی اسلوب کے مطابق تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ا۔ عقائید ۲۔ اخلاق ۳۔ احکام۔ یا ان ابواب کو وسعت دیتے ہوئے پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ا۔ عقائید ۲۔ اخلاق ۳۔ احکام ۴۔ تاریخ اور سیرت ۵۔ تفسیر۔

کچھ لوگوں نے "جوامع کی اصطلاح کو صرف ان کتب سے مخصوص کیا ہے جن میں احادیث، فقہی ترتیب سے ابواب بندی کی گئی ہو۔ اس صورت میں "جوامع" کی اصطلاح احکام کے دائرے میں محدود ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن ہماری رائے کے مطابق جوامع کے لیے پہلی تعریف زیادہ مناسب ہے۔ بالخصوص کچھ محققین نے اس بات کی تائید بھی کی ہے کہ "الجامع الصحیح" کا عنوان حدیثی کتب خصوصا امام بخاری اور امام مسلم کی کتب کے لیے انتخاب کیا گیا ہے اور دیگر حدیثی کتب جیسا کہ نسائی اور ابن ماجہ کی سنن کے لیے اس عنوان کو اختیار نہیں کیا گیا کیونکہ پہلی دونوں کتابیں حدیثی ابواب کے لحاظ سے کافی وسیع ہیں لیکن آخری دونوں کتابیں فقہی احادیث میں منحصر ہیں۔

"جوامع" کی اصطلاحی مفہوم میں موجود اختلافی نظریات سے پرہیز کرتے ہوئے جب جوامع حدیثی کو حساب کرنے کا وقت آتا ہے تو پہلی تعریف کے مطابق اس اصطلاح کی تمام جوانب کا رعایت نہیں کیا جاتا ہے لہٰذا استبصار اور ابن ماجہ کی سنن کو جوامع حدیثی کے تحت گنے جاتے ہیں حالانکہ ان کتب کے ابواب وسیع نہیں ہیں اور صرف احکام کے دائرے تک ہی محدود ہیں۔

ا۔ درایۃ الحدیث ۲۷۔

دیگر حدیثی کتب کو مستدرک اور معجم جیسی اصطلاحات سے نوازا جاتا ہے یا تسامح کی بنا پر جوامع حدیثی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جناب کتانی جوامع کی یوں تعریف بیان کرتے ہیں: " والجامع عندہم مایوجد فیہ من الحدیث جمیع الانواع المحتاج الیہا: من العقائد و الاحکام والرقائق وآداب الاکل والشرب والسفر والمقام ومایتعلق بالتفسیر والتاریخ والسیر والفتن والمناقب والمثالب وغیر ذلک "۲

جامع محدثین کی نگاہ میں اس حدیثی کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں ضرورت کے تمام احادیث موجود ہو عقائد اور احکام، غلام کے احکام، کھانے پینے کے احکام، سفر اور وطن کے احکام، تفسیر، تاریخ سیرت ملاحم اور فتن فضائل اور مثالب (عیوب) وغیرہ۔

جناب نورالدین کا نظریہ بھی یہی ہے کہ جوامع حدیث ان کتب کو کہا جاتا ہے جو آٹھ موضوعات کو شامل ہو جو مندرجہ ذیل ہیں: ا۔ عقائد ۲۔ احکام ۳۔ سیر ۴۔ آداب ۵۔ تفسیر ۶۔ فتن ۷۔ اشراط الساعہ ۸۔ مناقب

اس لحاظ سے کتاب کافی ۳۶ کتب، تہذیب الاحکام ۲۱ کتب، اور اہل سنت کے جوامع حدیثی کے درمیان امام بخاری کی صحیح ۹۷ کتب ،امام مسلم کی صحیح ۵۴ کتب پر مشتمل ہیں۔

جامع اور جوامع کی اصطلاح کے علاوہ "مجامع" کے عنوان سے بھی ایک اصطلاح موجود ہے مجامع سے مراد وہ حدیثی کتاب ہے جو نہایت ہی وسیع اور چند کتب کو اپنے اندر سمیٹی ہوئی ہے، مثال کے طور پر: جامع الاصول من احادیث الرسول۔ ابن اثیر جزری (م۶۰۶) کی کتاب۔ حاوی صحیح بخاری، مسلم، ترمذی کی جامع۔ ابوداود اور نسائی کی سنن اور مالک کی موطا۔

اس کتاب کے آخری سبق میں اس قسم کی کچھ کتب کا تعارف کیا گیا ہے۔

جوامع حدیثی کی تقسیم بندی

جوامع حدیثی کو تین اسلوب کی بنا پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ تدوین کی تاریخ

اس محور کے مطابق مصنفین کی وفات کی تاریخ اور تدوین کا سال تقسیم کا بنیاد ٹھہرا ہے اور اس قسم کے کتب تاریخی بنیاد پر متعارف کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں کہا جاتا ہے چوتھی صدی میں من لایحضر اور پانچویں صدی میں تہذیب اور استبصار تدوین ہو چکی ہیں۔

۲۔ جوامع حدیثی کی اہمیت اور ان کا مرتبہ

۲۔ تخریج الحدیث الشریف ص۲۷ نقل از الرسالۃ المستطرفہ ص۴۲۔

اس محور کے مطابق جوامع حدیثی کی اہمیت اور ان کے معتبر ہونا یا نہ ہونا معیار ہے نہ کتب کے مصنفین کی تاریخ وفات۔ اہل سنت کی صحاح ستہ کی اسی معیار کے مطابق طبقہ بندی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ابو داود سجستانی کی تاریخ وفات ۲۰۲ ہجری قمری ہے اور مسلم بن حجاج قشیری کی تاریخ وفات ۲۰۴ ہجری قمری ہے لیکن ماہرین حدیث نے ابی داود کے سنن کو مسلم کی صحاح کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احمد بن شعیب نسائی ۲۱۵ ہجری قمری اور ابن ماجہ ۲۰۹ ہجری قمری کو وفات پا گئے اس کے باوجود ابن ماجہ کے سنن کو نسائی کے سنن کے بعد ذکر کرتے ہیں۔

احادیث کی جمع آوری اور ترتیب کی کیفیت

حدیثی کتابوں کو دس گروہ میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ مسانید ۲۔ سنن ۳۔ مستدرکات ۴۔ مستخرجات ۵۔ مصنفات ۶۔ زوائد ۷۔ اجزاء ۸۔ معاجم ۹۔ اطراف ۱۰۔ جوامع ۔ یہ تقسیم بندی اہل سنت کی حدیثی کتب کے مطابق ہے۔

۱۔ مسانید ان حدیثی کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں احادیث کو ایک خاص اسلوب کے مطابق یعنی صحابہ ایک شہر یا ایک قبیلہ کے راوی یا جنسیت کی بنا پر منظّم کیا گیا ہے۔ احمد بن حنبل کا مسند من جملہ مسانید میں سے ہے۔ کہ اس میں احادیث، صحابہ، مکی یا مدنی راوی، اہل بیتؑ، انصار اور خواتین وغیرہ کی بنا پر منظّم کیا گیا ہے۔ اہل سنت محدثین میں مسند نویسی جوامع اولیہ حدیثی کی تدوین سے بھی پہلے سے بطور وسیع جاری تھا، طیالسی کا مسند، حمیدی کا مسند، ابن راہویہ کا مسند اہل سنت کی مشہور مسانید میں سے ہیں شیعوں میں بھی یہ کام محدود انداز میں انجام ہوا ہے اور زیادہ تر ائمہؑ سے نقل شدہ احادیث کے بارے میں ہیں جیسا کہ امام رضاؑ کی مسند امام کاظمؑ کی مسند امام جوادؑ کی مسند وغیرہ۔۔۔۔۔۔۔ ۳

۲۔ سنن: احادیث کے اس جوامع کو کہا جاتا ہے جس میں احادیث کی جمع آوری کے وقت زیادہ تر احکام، آداب اور سنن کی احادیث پر توجہ دی ہے۔ ابی داود کی چار کتب، نسائی اور ابن ماجہ کی سنن پر اسی وجہ سے سنن کا اطلاق ہوا ہے۔ اہل سنت کی دیگر سنن کی کتب بیہقی کی سنن (م ۴۵۸) اور دارمی کی سنن (م ۲۵۵) ہیں۔ ۴

۳۔ یہ کتب زیادہ تر عزیز اللہ عطاردی خراسانی نے تصنیف کی ہیں۔

۴۔ کتانی سنن کی تعریف یوں پیش کرتے ہیں: "ھی فی اصطلاحھم: الکتب المرتبہ علی الابواب الفقھیۃ من الایمان، والطھارۃ والصلاۃ والزکاۃ الی آخرھا ولیس فیھا شیئ من الموقوف"، اس میں جو آخری قید بیان ہوا ہے "ولیس فیھا شیئ من الموقوف" سے مراد یہ ہے کہ سنن کی کتابوں میں تمام احادیث پیغمبر ﷺ سے منسوب ہیں"۔ (مرفوع) رک: تخریج الحدیث الشریف ص ۲۹۔

۳۔ مستدرکات

حدیثی کتب کی اس گروہ کو کہا جاتا ہے جن میں ایک خاص حدیثی جامع کو بنیاد قرار دیتے ہوئے وہ احادیث جو اس کتاب میں کسی بھی وجہ سے ذکر نہیں ہوئی ہیں کو بیان کیا ہے جیساکہ: حاکم نیشابوری کی کتاب "المستدرک علی الصحیحین" جس میں صحیح بخاری اور مسلم کے شرائط، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے شروط کو اپنے شروط کا ساتھ ذکر کرتے ہوئے ان احادیث کو جو صحیحین میں بیان نہیں ہوئے ہیں کو المستدرک میں ذکر کیا ہے۔

شیعہ جوامع حدیثی میں میرزا حسین نوری (م ۱۳۲۰) کی کتاب مستدرک الوسائل مستدرکات میں شمار ہوتی ہے۔

۴۔ مستخرجات

مستخرجات میں احادیث کی تخریج کا کام ہوتا ہے۔ یعنی مستخرج، دیگر حدیثی منابع میں سے اسی حدیث کو جو عینا (ہو بہو) یا اسناد اور طرق میں اندک اختلاف کے ساتھ نقل ہوئی ہے کو بیان کرتے ہیں، جیساکہ: اسماعیلی (م ۳۷۱) کی صحیح بخاری پر مستخرج، اور ابن عوانہ اسفرائینی (م ۳۱۶) کی صحیح مسلم پر مستخرج۔

۵۔ مصنفات

حدیثی کتب کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے جس میں موضوعی لحاظ سے فقہی احادیث پر زیادہ توجہ دیا گیا ہے اور سنن ہی کی طرح ہے صرف اتنا فرق ہے کہ سنن کی کتب زیادہ تر ان احادیث و روایات پر مشتمل ہیں جو پیغمبر ﷺ سے بطور مرفوع بیان ہوئے ہیں لیکن مصنفات میں موقوف (صحابی سے منقول احادیث) اور مقطوع احادیث (تابعین سے منقول احادیث) بھی ہیں۔ جیساکہ: عبد الرازق صنعانی (م ۲۱۱) کی مصنف"، ابی شیبہ (م ۲۳۵) کی مصنفات۔

۶۔ زوائد

حدیثی کتب کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے اس میں ایک یا چند جوامع حدیثی پر توجہ دیا جاتا ہے جن کا ان کتب میں ذکر نہ ہوا ہو اور مشترک احادیث کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا ہے جیساکہ: ھیثمی کی کتاب مجمع الزوائد و منبع الفوائد" کہ اس میں احمد بن حنبل کی مسند کے زوائد، بزاز کی مسند، ابو یعلی موصلی کی مسند وغیرہ اس کتاب میں منعکس ہوئے ہیں۔

۷۔ اجزاء: احادیث کی وہ کتب جس میں کتاب کے مصنف نے ایک خاص موضوع یا خاص راوی پر توجہ دیا ہے جیساکہ: "جزء فی القرائۃ خلف الامام" محمد بن اسماعیل بخاری۔

۸۔ معاجم: اس سے مراد حدیث کی وہ کتب ہیں جن میں احادیث کو صحابہ یا مشائخ (اساتذہ) حدیث اور الف ب حروف کے مطابق ترتیب دی گئی ہو۔ مثال کے طور پر: طبری (م۳۶۰) کی المعجم الکبیر جو کہ اصحاب کی احادیث اور حروف کی ترتیب پر مشتمل ہے۔ آج کل معاجم کا استعمال اس معنی میں ہوتا ہے کہ احادیث کے متون کو ڈھونڈنے کے لیے احادیث کا ابتدائی حصہ الف باء حروف کی ترتیب سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اور آخر میں منبع اور حوالہ جات کا پتہ اور خصوصیات دیا جاتا ہے، المعجم المفہرس لاالفاظ احادیث الصحاح الستۃ جو پہلی بار مستشرقین کے توسط سے لکھی گئی ہے معجم کا بہترین مثال ہے۔

اہل تشیع میں معجم نویسی کا سلسلہ وسیع انداز میں جاری رہا ہے اور تمام جوامع حدیثی: کتب اربعہ، وسایل الشیعہ، بحار الانوار، وغیرہ کے لیے خاص معجم لکھی جاچکی ہے۔ اگرچہ کامپیوٹر اور سافٹ ویئر کی وجہ سے آج کل ان معاجم سے زیادہ استفادہ نہیں کیا جاتا ہے۔

۹۔ اطراف: اطراف الحدیث یا کتب کی اطراف سے مراد احادیث کی وہ کتب ہیں جن میں خاص احادیث کی کتب پر توجہ دیا جائے اور اصحاب کی احادیث کو الگ اور الف باء حروف کی ترتیب کے مطابق ہو۔ اطراف اور مسانید میں فرق یہ ہے کہ اطراف میں احادیث کا کچھ حصہ (غالباً اس کا آغاز) بیان ہوتا ہے۔

۱۰۔ جوامع: جیسا کہ جوامع کی تعریف بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ جوامع سے مراد احادیث کی وہ کتب ہیں جن میں احادیث کو مختلف جوانب سے موضوع کی بنیاد پر نہ کہ راوی کی شخصیت کے مطابق بیان کیا گیا ہو۔[۵]

ان دس اقسام پر جوامع کا اطلاق کرنا بہت دشوار کام ہے بہر حال ان اقسام میں سے ہر ایک نے مختلف ترتیب اور تقطیع کے باوجود قابل توجہ مقدار میں احادیث کو اپنے اندر جگہ دی ہے۔ اس کتاب میں نہایت اہم جوامع حدیثی پر بحث کرنے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دوسرے اسلوب سے استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ جوامع حدیثی شیعہ میں سیر تاریخی کا رعایت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۵۔ اس دستہ بندی سے آشنائی کے لیے رک: تحفۃ الاحوذی ص ۱۱۰-۱۴۳۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«دوسرا سبق»

جوامع حدیث کی شناخت کے فائدے

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

جوامع حدیث کی پہچان کے بہت سارے فائدے ہیں کہ ذیل میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

۱۔ جیسا کہ احادیث، قرآن کے بعد دین کی پہچان کا دوسرا سر چشمہ ہے اور نہایت اہمیت رکھتی ہے، جوامع اور احادیث کے کتب ان احادیث اور روایات کو بیان کرتی ہیں لہٰذا قیمتی خزانوں کے حامل معدن کی طرح نہایت اہم ہیں، جوامع حدیث کی شناخت ہمیں اس قیمتی خزانے سے آشنا کرانے کے ساتھ ساتھ احادیث تک پہنچنے اور ان کو مستند بنانے اور ضعیف منابع سے پرہیز کرنے میں مدد دیتی ہے۔

۲۔فریقین کی جوامع حدیث ہمارے احادیث کی ثقافت کا آئینہ دار ہے اور اسی سے مسلمانوں کا احادیث پر توجہ اور اہتمام کا پتا چلتا ہے اور بڑے بڑے محدثین اور راویوں کا معصومینؑ کی سنت کا لکھنا، تدوین، اور نشر ایک جملے میں یوں کہوں گا حدیث کی تاریخ اور ادوار میں پیش آئے ہوئے حوادث و واقعات سے آشنا ہونگے۔ کیونکہ ان جوامع میں سے ہر ایک، ایک خاص علمی، ثقافتی فضا اور معاشرے کی ضروریات، مصنفین و مشایخ کی خاص طرز فکر کی بنیاد پر تدوین ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان جوامع کے پس پردہ چودہ سو سالہ احادیث اور محدثین کی تاریخ چھپی ہوئی ہے۔

۳۔ اسلامی فرقوں کے درمیان فقہی اور کلامی اختلافات بالخصوص دو فرقوں شیعہ اور سنی کے درمیان ان احادیث اور روایات کی بنا پر ہے جو پیغمبر ﷺ ائمہؑ یا صحابہ اور تابعین سے مختلف طرق سے جوامع حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ جوامع حدیث کی زیادہ سے زیادہ شناخت اور جانچ پڑتال ہمیں ان فرقوں کی بنیادی نظریات میں موجود فرق اور اس کی علت اور عوامل سے آگاہ کرتا ہے، مثال کے طور پر فریقین کی جوامع حدیث ہمیں ایک نہایت ہی اہم اور بنیادی مسئلہ یعنی امامت اور خلافت کے مسئلے کی شناخت میں مدد کرتی ہے۔ اسی طرح بہترین مکمل منبع اور مآخذ ہے۔

شیعہ حدیث کی تاریخ کا مختصر جائزہ

شیعہ حدیث کی تاریخ کچھ جوانب سے اہل سنت کی حدیث کی تاریخ سے مختلف ہے، شیعہ علما اس بات کے معتقد ہیں کہ :

پیغمبر ﷺ کے دوران زندگی میں ہی کتابت حدیث کا اہتمام کیا گیا تھا اور اس بات کے شواہد اس درس میں بیان کر چکے ہیں۔ جس کا عنوان حدیث پیغمبر ﷺ کے دوران تھا، حدیث کی کتابت پہ پابندی اور اس سے روکنے کی طرف کوئی اشارہ نہیں تھا، لہٰذا حدیث کی کتابت پہ پابندی کے لیے جو دلائل (پہلے خلیفہ سے لیکر ایک صدی تک) پیش کیے گئے ہیں ان کے سامنے قابل قبول

نہیں ہے اور ان دلائل کی تنقید کی گئی ہے۔ شیعہ ماہرین حدیث اس بات کے قائل ہیں کہ اس پابندی کا نہ تنہا میراث روائی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ جعلی احادیث کے لیے راستہ کھل گیا اور متصل سلسلہ اسناد کے انقطاع کا سبب بنا اور اہل سنت کا مکتوب سنت کے بجائے شفاہی (زبانی) سنت اور احادیث پر زیادہ توجہ دینے کا سبب بنا۔

اسی بنا پر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء کی جانب سے احادیث پر پابندی ہونے کے باوجود اہل بیتؑ نے احادیث کی نقل و بیان، کتابت اور تدوین پر تاکید فرمایا اور اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مکتوب احادیث فراہم کئے۔ کتاب امام علیؑ، مصحف فاطمہؑ، صحیفہ سجادیہ، کتاب التوحید، امام باقرؑ کی تفسیر، سینکڑوں حدیث اور کتب تفسیر جو ائمہؑ سے منسوب ہیں اس بات کی بہترین دلیل ہے۔

شیعہ علماء کی رائے کے مطابق ائمہؑ کے احادیث کی تدوین کے متعلق اہتمام کی وجہ سے ان کے شاگردوں کے توسط سے احادیث کی کتابیں لکھی گئی جنہیں " اصول اربماۃ " یا " چار سو اصول " کہا جاتا ہے۔ ان کتب کو "اصل" کا نام اس لیے دیا گیا ہے ان کتب میں عموما بغیر کسی واسطہ اور راوی کے اجتہاد کے ائمہ کے اقوال بیان ہوئے ہیں۔ یہ چار سو اصول " امام علیؑ کے زمانے سے (یعنی رسول اللہ ﷺ کی رحلت سے ۲۵۵ ہجری قمری تک) لیکر امام حسن عسکریؑ کی شہادت تک اور زیادہ تر امام صادقؑ اور امام باقرؑ کے زمانے میں لکھی گئی ہیں۔ یہ اصول تاریخی حوادث من جملہ فرقہ واریت کی وجہ بغداد کے محلّہ کرخ میں شیخ طوسی (م ۴۶۰ھ) کی لائبریری جلانے سے ختم ہو گئے اور سولہ اصل باقی رہ گئے ہیں۔

ان اصول کی تدوین کے بعد ان کے متفرقہ ہونے کی وجہ سے شیعہ محدثین ان کتب کی تنظیم اور تبویب کے پیچھے پڑے اور تیسری صدی سے پانچویں صدی تک جوامع اولیہ حدیث یعنی کافی، من لا یحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام اور استبصار جیسی کتابیں لکھی گئی۔ ان کتابوں کا تفصیلی تعارف بعد میں بیان کیا جائے گا۔ دیگر صدیوں میں بعض محدثین آئے اور گذشتہ محدثین کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اس طرح جوامع ثانویہ حدیث یعنی، وسایل الشیعہ، وافی بحار الانوار اور مستدرک الوسایل جیسی کتب حدیث تدوین ہوئے، احادیث کی تکمیل کا کام اب بھی شیعہ محدثین انجام دے رہے ہیں۔ [1]

۱۔ تفصیل کے لیے رک: حدیث شناسی ج۱ص ۱۸۳۔۲۷۵ فصل ۳۔

اہل سنت حدیث کی تاریخ کا مختصر جائزہ

اہل سنت حدیث کی تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جو اہم واقعہ پیش آیا وہ احادیث کی کتابت اور تدوین پر پابندی ہے اس پابندی کا سلسلہ عثمان کی دور خلافت اور بنی امیہ اور بنی مروان کی حکومت تک جاری رہا عمر بن عبد العزیز (م ۱۰۱ھ۔ق) کے دوران میں خلیفہ کے حکم سے یہ پابندی ختم ہوئی اور تابعی بزرگوں سے پیغمبر ﷺ کی احادیث کو اکھٹا کرنے اور لکھنے کی درخواست کی گئی۔

عمر بن عبد العزیز نے حاکم مدینہ یعنی ابو بکر بن حزم کو یوں لکھا: پیغمبر ﷺ سے جو حدیث اور سنت باقی بچی ہے اسے لکھو مجھے علم اور عالم کی نابودی کا خوف ہے۔ ۲

عمر بن عبد العزیز کی فرمان پر ان کی رحلت کے بعد پہلی بار ابن شہاب زہری نے ۱۰۵ ہجری قمری کو عبد الملک بن ہشام کے دوران خلافت میں حدیث کی تدوین شروع کیا اور خلیفہ نے ان کی ایک کتاب کو مختلف جگہوں پر بھیج دیا اسی لیے کچھ ماہرین حدیث ابن شہاب زہری کو حدیث تدوین کرنے والا پہلا شخص جانتے ہیں۔

حدیث کی تدوین سے پابندی ختم ہوتے ہی ابن شہاب زہری کے بعد کچھ دیگر سنی علماء اور محدثین نے حدیث کی کتابت اور تدوین پر کام شروع کیا یہاں ان کے نام تاریخی ترتیب کی بناپر ذکر کرتے ہیں:

۱. زکریا بن ابی زائدہ (م۱۴۹ھ،ق)۔
۲. عبد الملک بن جریج (م۱۵۰،ھ،ق)۔
۳. محمد بن اسحاق (م۱۵۱ھ،ق)۔
۴. معمر بن راشد (م۱۵۳، ھ،ق)۔
۵. سعید بن ابی عروبہ (م۱۵۶)۔
۶. سعد بن ابی عوانہ (م۱۵۶)
۷. اوزاعی (م۱۵۷)
۸. ابن ابی ذئب (م۱۵۸)
۹. ربیع بن صبیح (م۱۶۰)

۲۔ تنویر الحوالک۔ ص، دراسات فی الحدیث والمحدثین ص ۲۴، اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۲۷۱۔

۱۰. سفیان ثوری (م۱۶۱)
۱۱. حماد بن ابی سلمہ (م۱۶۷)
۱۲. لیث بن سعید (م۱۷۵)
۱۳. عبداللہ بن مبارک (م۱۸۱)
۱۴. ہشیم بن بشیر (م۱۸۳)
۱۵. زیاد بکائی (م۱۸۳)
۱۶. جریر بن عبدالحمید (م۱۸۸)
۱۷. ولید بن مسلم (م۱۹۴)
۱۸. ابن فضل (۱۹۵)
۱۹. وکیع بن جراح (م۱۹۷)
۲۰. عبداللہ بن وہب (م۱۹۷)
۲۱. سفیان بن عیینہ (۱۹۸)

اہل سنت حدیث کی کتب اور ان کی تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری طور پر حدیث کی تدوین سے پابندی ہٹانے کے باوجود حدیث کی تدوین پر وسیع انداز میں کام ۱۵۰ ہجری قمری یعنی اعلان کے ۵۰ سال بعد شروع ہوا ہے۔
اس بات پر بھی توجہ ضروری ہے کہ ان کتب کی اکثر تعداد وقت کے ساتھ ساتھ مختلف واقعات کی بنا پر ختم ہوگئی ہیں اور منابع حدیث میں صرف ان کے بارے میں گزارش دی گئی ہے اس کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ کتب، تدوین جوامع حدیث کے دور کا سب سے اہم مکتوب میراث (جس کا آغاز تیسری صدی سے ہوا) ہے۔

صحابہ اور تابعین کے بعد سے عصر حاضر تک حدیث کی کہانی

حدیث کے پہلے کتب کی تدوین کے بعد حدیث مختلف فراز و نشیب سے گزری اور اس کے بعد اٹھانے والا سب سے پہلا قدم مسانید تھا۔اوران کتب حدیث کو مسانید کہا جاتا ہے جن میں احادیث اصحاب کے ناموں کی ترتیب پر مرتب ہوئی ہے۔مثال کے طور پر: ان کتابوں میں عبد اللہ بن مسعود کی تمام احادیث یا ابی بن کعب کی وہ تمام احادیث جو انہوں نے پیغمبر ﷺ سے بیان کی ہے ان کے نام ساتھ نقل ہوئی ہے۔اس لیے ان کتب میں احادیث کو جمع کرتے وقت ان کے موضوع پر توجہ نہیں دیا جاتا ہے۔مثلا:

خدا شناسی یا علم کی فضیلت یا فضائل اخلاق کے احادیث ترتیب کے بغیر صحابہ کے نام کے ذیل میں نقل ہوئی ہیں دوسری جانب سے لکھاری کا مقصد ایک صحابی کی تمام احادیث کو جمع کرنا ہے لہٰذا روایت کی سند یا متن پر خاص توجہ نہیں دیا جاتا ہے۔

مختلف مسانید وجود میں آئے اور کچھ کتب کے مطابق ۱۲۰ سے زائد مسانید لکھی گئیں اور ان میں سے دس مسانید، دیگر مسانید سے زیادہ مشہور ہیں۔ انہیں " مسانید عشر " کہا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں: ا۔ مسند طیالسی (م۲۰۳) ۲۔مسند مسدد بن مسرہد(م۲۲۸) ۳۔مسند حمیدی(م۲۱۹) ۴۔مسند ابن ابی عمر(۲۴۳) ۵۔مسند اسحاق بن راہویہ۔۶۔ مسند ابن ابی شیبہ (م۲۳۹) ۷۔ مسند احمد بن منیع (م۲۴۴) ۸۔ مسند عبد بن حمید (م۲۴۹) ۹۔مسند ابن ابی اسامہ (م۲۸۲) ۱۰۔ مسند ابی یعلی موصلی (م۳۰۷) ا۔

احمد بن حنبل (م۲۴۱)، بزاز (م۲۹۲)، ابو یعلی موصلی کے (۳۰۷) مسانید اور، معجم کبیر طبرانی (م۳۶۰) کو مسانید اربعہ کہا جاتا ہے۔

مسانید کے بعد کچھ محدثین کو خیال آیا کہ احادیث کو اصحاب اور اشخاص کے محور پر لکھتے ہوئے سند اور متن پر توجہ نہ دینے سے بہتر یہ ہے کہ احادیث کو موضوعات کی بنا پر تدوین کرنے کے ساتھ ساتھ متن اور سند پر بھی توجہ دیا جائے۔ اسی بنا پہ " صحاح ستہ " تدوین ہوئے۔ جو یہ ہیں:

ا) صحیح بخاری: ۲) صحیح مسلم ۳) سنن ابی داود ۴) سنن ترمذی ۵) سنن نسائی ۶) سنن ابن ماجہ۔ صحیح بخاری اور مسلم جنہیں جامع الصحیح کا نام دیا گیا ہے دیگر کتب بالخصوص سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ سنن کی کتابوں میں صرف فقہی روایات بیان ہوئے ہیں لیکن بخاری اور مسلم کی کتابوں میں فقہی روایات کے علاوہ عقائد کی روایات، تاریخ، سیرت، تفسیر وغیرہ بھی بیان ہوئے ہیں۔ جوامع حدیث میں ان کتب کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔

صحاح کی تدوین کے بعد اہل سنت تاریخ حدیث میں مختلف قدم اٹھائے گئے اور " تنظیم حدیث " " تنقیح حدیث " وغیرہ جیسے علوم کے وجود میں آنے کا باعث بنا۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«تیسرا سبق»

کتاب کافی کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

کتاب کافی کا تعارف

"کافی " ثقۃالاسلام محمد بن یعقوب کلینی (م ۳۲۹)

تفصیل

ثقۃالاسلام کلینی کی سوانح حیات

ابو جعفر، محمد بن یعقوب کلینی جو ثقۃ الاسلام، رئیس المحدثین، راوی، سلسلی اور بغدادی کے القاب سے مشہور ہیں آپ تیسری صدی ہجری میں شہر ری کے گاؤں کلین کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے۱، آپ کی تاریخ پیدائش صحیح طریقے سے معلوم نہیں ہے۔ لیکن کچھ تاریخی قرائن کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ آپ کی پیدائش امام زمانہؑ کی ولادت سے کچھ قبل یا بعد میں یعنی ۲۵۵ ہجری قمری ہے۔۲ علامہ بحر العلوم کا عقیدہ یہ ہے کہ کلینی نے امام حسن عسکریؑ (م ۲۶۰) کے زمانے کو درک کیا ہے۔۳ لیکن آیت اللہ خوئی کا عقیدہ ہے کہ کلینی کی پیدائش امام عسکریؑ کی شہادت کے بعد ہے۔ اسی لیے کچھ لوگ کلینی اور امام عسکریؑ کے ہم عصری کے قائل نہیں ہیں۔۴

کلینی کا خاندان علم و فضیلت والا خاندان تھا۔ ان کے والد جن کا مزار کلین میں ہے اور ان کے ماموں: ابوالحسن علی بن محمد جو علان و محمد بن عقیل کلینی کے نام سے مشہور ہیں، عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے دور میں شیعہ فقہا کی ریاست ان کے ماموں احمد بن محمد کے ہاتھ میں تھی اور ان تمام لوگوں کا شیعہ علماء اور بزرگوں میں شمار ہوتا ہے۔۵

کلینی کا وطن، یعنی شہر ری پرانے زمانے میں آج کے ری سے زیادہ وسیع و عریض تھا اور قم و قزوین تک اس کے حدود تھے دوسرے خلیفہ کے دوران خلافت، اسلامی سپاہ کے قبضے میں آیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد مختلف کلامی فقہی فرقوں کی وجہ سے اندرونی جنگ کا شکار ہوا، اس کے علاوہ طبعی حوادث؛ زلزلہ، سیلاب، اور مختلف بیماریوں کی وجہ سے دوسری تیسری صدی میں شہر ری کا

۱۔ یہ گاؤں جنوب مغربی ری سے ۳۷ کلومیٹر حسن آباد نامی جگہ پہ واقع ہے کلمہ "کلین" اور اس کے جغرافیاکے بارے میں محققوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔۔ تفصیل کے لیے رک: کافی ج۱ ص۹۔۱۰ (مقدمہ)۔

۲۔ الفوائد الرجالیہ ج۳ ص۳۳۶۔

۳۔ معجم رجال الحدیث ص۵۷۔

۴۔ معجم رجال ص۵۷۔

۵۔ کافی ج۱ ص۱۳۔ الکلینی وکتابہ الکافی ص۷۵۔

علمی اور ثقافتی تاریخی پس منظر زیادہ واضح نہیں ہے۔اسی لیے کلینی کی جوانی، تعلیم حاصل کرنے سے کتاب کافی کی تدوین تک کی زندگی کا تاریخ میں زیادہ تذکرہ نہیں ملتا ہے۔٦ صرف یہ کہ کچھ شیعہ علماء نے کلینی سے دینی کتاب کی تالیف کی درخواست کی یا یہ کہ اس کتاب کی تالیف کو بیس سال کا عرصہ لگا اسی طرح کلینی کی چوہتر سالہ عمر کا حساب کرتے ہوئے اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے تقریبا چالیس سے پچاس سال کے درمیانی عرصے میں کافی کی تدوین شروع کی۔اس سے اس بات کا اندازہ لگا یا جاسکتا ہے کہ اس دوران میں آپ ایک خاص علمی مقام پر فائز ہوگا جہاں شیعہ علماء نے ان سے کافی جیسی کتاب لکھنے کی درخواست کی۔ کیونکہ کافی جیسی کتاب کا درخواست صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے جس کا علمی مقام سب پر واضح ہو۔ثانیا ایک قیمتی وجاودانی کتاب مصنف کی علمی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ان دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ مرحوم کلینی نے ٢٥٥ سے ٣٠٠ ہجری تک شہر ری میں اپنے والد گرامی اور دیگر بزرگ علماء سے تعلیم حاصل کیا ہے۔ شیعہ اور اہل سنت ماہرین رجال اور تذکرہ نگاروں نے جو کچھ جناب کلینی کے بارے میں لکھا ہے اور انہیں شیعہ محدثین و فقہاکے سردار ومرجع تقلید کے عنوان سے تعارف کیا گیا ہے۔٧ ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا کہ کلینی کافی کی تدوین کے دوران یعنی ٣٠٠ سے ٣٢٠ ہجری کے درمیان فقہاء اور علماء کی نگاہ میں علمی اور معنوی مقامات کے حامل تھے۔یہ بات اس وقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب ہم یہ جان لیں کہ جناب کلینی کتاب کافی کی تدوین کے بعد ٣٢٧ ہجری یعنی وفات سے دو سال پہلے جب بغداد میں داخل ہوئے تو اہل سنت اور شیعہ بزرگوں نے ان کا احترام کیا اور آپ سلسلۃ الدرب میں کتاب کافی کی تدریس اور تعلیم میں مصروف ہوگئے۔٨

ثقۃ الاسلام کلینی ٣٢٨ یا ٣٢٩ ہجری کو وفات پاگئے اور ابو جعفر محمد بن خیراط نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بغداد کے امامبارگاہ مولویہ میں دفن کیا گیا۔ان کی وفات کے برسوں بعد بغداد کے متعصب حاکم نے ان کی قبر کو خراب کرنے کا حکم دیا لیکن جب ان کے بدن کو صحیح سلامت پایا تو حاکم نے ان کی قبر پہ گنبد وضریح بنانے کا حکم دیا۔

---

٦ ۔تفصیل کے لیے رک: الکلینی وکتابہ الکافیص ٩٥۔

٧ ۔رک: رجال نجاشی۔ص ٣٧٧، خلاصۃ الاقوال ص ٢٤٥، سیر اعلام النبلاء ١٥ص ٢٨٠۔

٨ ۔الکلینی وکتابہ الکافی ص ٦٥۔

مرحوم کلینی کی کافی کے علاوہ اور بھی کتب ہیں: ۱۔الرد علی القرامطہ ۲۔رسائل الائمہ ۳۔ تعبیر الرؤیا ۴۔کتاب الرجال ۵۔ما قیل فی الائمہؑ من الشعر ۶۔الزی والتجمل ۷۔الدواجن والرواجن ۹۔الرد علی القرامطہ اور الرجال جیسی کتابوں کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ جناب کلینی علم حدیث کے علاوہ علم کلام اور رجال میں بھی صاحب نظر تھے۔۱۰

جناب کلینی کے اساتذہ اور راوی

کلینی کے لیے پچاس اساتذہ کا نام لیا گیا ہے ان میں سے کچھ حضرات علم حدیث کے علاوہ ان کی تعلیم وتربیت کے استاد تھے۔ان میں سے کچھ اساتذہ کا نام ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔۱۔ابو بکر حبال ۲۔احمد بن ادریس ابن احمد (ابو علی اشعری)۔۳۔احمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن خالد برقی ۴۔ علی بن الحسین بابویہ قمی (شیخ صدوق کے والد) ۵۔ابن فروخ صفار، بصائر الدرجات کے مصنف ۶۔ محمد بن یحی عطار ۷۔ قاسم بن علاء ۸۔ علی بن ابراہیم قمی ۹۔احمد بن ادریس ۱۰۔ابن عقدہ ۱۱، کلینی اساتذہ میں سب سے زیادہ علی بن بابویہ قمی (جن کی مشہور تفسیر، تفسیر قمی ہے) اور محمد بن یحی اشعری سے متاثر تھے۔

مشہور شیعہ علماء کلینی کے شاگرد اور راوی ہیں ج ۱۔ابو عبداللہ، احمد بن ابراہیم، ابن ابی رافع صمیری کے نام سے مشہور ہیں۔۲۔ابوالقاسم جعفر بن قولویہ (م ۳۶۷) کامل الزیارات نامی کتاب کے مصنف ۳۔ابو محمد ہارون بن موسی تعلکبری (م ۳۸۵) ۴۔ابو غالب احمد بن محمد زراری (م ۳۶۸) ۵۔ محمد بن ماجیلویہ قمی ۶۔ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بن جعفر الکاتب النعمانی، جو ابن زینب کے نام سے مشہور ہیں کلینی کے خاص شاگرد تھے اور کتاب کافی کی تدوین کی ہے۔۷۔ابو عبداللہ محمد بن احمد بن قضاعہ صفوانی بغداد کا رہنے والا تھا اور کلینی کے خاص شاگرد تھے ان سے علم حاصل کیا اور کلینی نے انہیں قرائت حدیث کی اجازت دی۔۱۲

شیعہ دانشوروں کی زبانی کلینی کا تعارف

ماہرین رجال اور تذکرہ نویس حضرات نے ثقۃ الاسلام کلینی کو عظمت اور بزرگی سے یاد کیا ہے اور بالخصوص سب سے اہم جامع روائی یعنی کافی کی تدوین پر ان کہ مدح سرائی کی ہیں۔ یہاں پہ کلینی کے بارے میں کچھ نظریات کو بیان کریں گے۔

۹۔رجال نجاشی ص ۳۷۷، رجال طوسی ص ۴۳۹۔ علماء کی اس بارے میں رائے سے آشنائی کے لیے رک: کافی ج ۱ ص ۴۰۔۴۱ (مقدمہ)۔
۱۰۔ تفصلی کے لیے رک: الکلینی والکافی ص ۱۶۳، تنقیح المنال ج ۳ ص ۲۰۲۔
۱۱۔کافی ج ۱ ص ۱۳۔۱۴ (مقدمہ)، الکلینی وکتابہ الکافی ص ۱۶۷۔
۱۲۔کافی ج ۱ آ ۱۸۔(مقدمہ)

۱۔ نجاشی: کلینی، استاد اور اصحاب میں بلند مرتبہ رکھتے تھے ری کا رہنے والا حدیث میں موثق اور ضابط شخص تھے انہوں نے اپنی مشہور کتاب کافی کو بیس سالوں میں تدوین کیا ہے۔ ۱۳

۲۔ شیخ طوسی کتاب رجال میں یوں لکھتے ہیں:

محمد بن یعقوب کلینی جن کا کنیہ ابو جعفر اعور ہے عالی مرتبہ اور روایات کے عالم ہیں۔ ۱۴ نیز انہوں نے الفہرست میں کلینی کو ثقہ اور احادیث کے عالم و عارف سے یاد کیا ہے۔ ۱۵

ابن شہر آشوب ۱۶(وفات ۵۸۸)، علامہ حلی ۱۷(وفات ۷۲۶) ابن داود ۱۸(وفات ۷۰۷) تفرشی نقد الرجال میں ۱۹(وفات ۱۱ اصدی)، محمد بن اردبیلی (وفات ۱۱۰۱) جامع الرواۃ میں ۲۰ اور آیت اللہ خوئی معجم رجال الحدیث میں ۲۱ نجاشی اور شیخ طوسی کے مذکورہ عبارت کو ذکر کرتے ہوئے اس کی تائید کی ہے۔

آغا حسین خوانساری نے کلینی کو "الشیخ الاجل، الاعظم، الاکمل، الافخم، الاکرم، ثقۃ الاسلام والمسلمین کلینی "کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ ۲۲

علامہ محمد تقی مجلسی (مجلسی اول) کلینی کی تعریف میں کہتے ہیں: "حق تو یہ ہے کہ ہمارے علماء کے درمیان کلینی کی طرح کوئی نہیں ہے جو کوئی ان کے کتب روایات کی ترتیب میں تدبر کرے گا تو معلوم ہو گا کہ آپ اللہ تعالی کی جانب سے مورد تائید تھے۔ ۲۳

خوانساری روضات الجنات میں یوں لکھتے ہیں: "آپ حقیقت میں امین اسلام اور بزرگوں کے رہنما، شریعت کے بزرگ، عالم دین تھے ان کی وثاقت اور عالی رتبے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہے۔ ۲۴

---

۱۳ ۔رجال نجاشی ص ۳۷۷۔

۱۴ ۔رجال شیخ طوسی ص ۴۳۹۔

۱۵ ۔فہرست شیخ طوسی ص ۲۱۰۔

۱۶ ۔معالم العلماء ص ۱۳۴۔

۱۷ ۔خلاصۃ الاقوال ص ۲۴۵۔

۱۸ ۔رجال ابن داود ص ۱۸۷۔

۱۹ ۔نقد الرجال ج ۴ ص ۳۵۲۔

۲۰ ۔جامع الرواۃ ج ۲ ص ۲۱۸۔

۲۱ ۔معجم رجال الحدیث ج ۱۹ ص ۵۴۔

۲۲ ۔الکلینی وکتابہ الکافی ص ۲۱۰۔

۲۳ ۔کافی ج ۱ ص ۲۰ (مقدمہ)

علامہ بحر العلوم کلینی کی تعریف میں کہتے ہیں:

ثقۃ الاسلام شیخ مشائخ اعلام مذہب کے مروج، امام زمانہ کے زمانہ غیبت میں ایسی ہستی ہیں جن کی عظمت اور بزرگی کے دوست و دشمن قائل ہیں۔ ۲۵

شیخ عباس قمی کلینی کے مقام کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

آپ زمانہ غیبت کے نہایت بڑے عالم، لوگوں کے رہبر، محدث، مذہب کو ترویج دینے والے ہیں۔ ۲٦

شیعہ علماء کے علاوہ کچھ اہل سنت علماء نے بھی کلینی کو شیعہ مجتہد، شیعہ مذہب کے مروج کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابن ماکولا اپنی کتاب اکمال الاکمال میں کلینی کو "من فقہاء الشیعۃ والمصنّفین فی مذہبہم" ۲۷ اور ابن عساکر نے بھی اسی عنوان سے یاد کیا ہے۔ ۲۸

ڈاکٹر ذہبی، کلینی کی یوں تعریف بیان کرتے ہیں: "شیخ الشیعہ وعالم الامامیہ وصاحب التصانیف"۔ ۲۹

ابن حجر، کلینی کو مقتدر باللہ کے دور کے شیعہ علماء کے سردار جانتا ہے ۳۰ اور ابن اثیر انہیں تیسری صدی کے مجدد امامیہ کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ ۳۱

خیر الدین زرکلی کلینی کے بارے میں کہتے ہیں: "فقیہ امامی، کان شیخ الشیعہ ببغداد" ۳۲

عمر کحالہ لکھتے ہیں: "من فقہاء الشیعہ، عارف بالاخبار والحدیث" ۳۳

---

۲۴ ۔ روضات الجنات ص ۵۲۲۔

۲۵ ۔ الفوائد الرجالیۃ ج ۳ ص ۳۲۵۔

۲٦ ۔ الکنی والالقاب ج ۳ ص ۹۸۔

۲۷ ۔ اکمال الاکمال ج ۷ ص ۱۸٦۔

۲۸ ۔ تاریخ مدینہ دمشق ج ۶۵، ۲۸۹۔

۲۹ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۲۸۰۔

۳۰ ۔ لسان المیزان ج ۵ ص ۴۳۳۔

۳۱ ۔ کافی ج ۱ ص ۲۰ نقل از کامل ابن اثیر ج ۸ ص ۱۲۸۔

۳۲ ۔ الاعلام ج ۷ ص ۱۴۵۔

۳۳ ۔ معجم المولفین ج ۱۲ ص ۱۱٦۔

ان تمام تعاریف سے دو نکتے سمجھ میں آتے ہیں: ا۔ جناب کلینی اپنے زمانے میں ری اور بغداد میں نہایت بڑے شیعہ عالم کے طور سے اہل سنت میں جانا پہچانا تھا۔ ۲۔ جناب کلینی حدیث کی شناخت اور نقل میں دوسرے تمام افراد سے زیادہ ماہر تھے۔

مرحوم کلینی کی علمی وسعت

تاریخی شواہد سے قطع نظر کافی کی روایات کے بارے میں جو اظہار نظر جناب کلینی نے کی ہے اس سے ان کی علمیت کا خوب اندازہ ہوتا ہے اس مدعا کو ثابت کرنے کے لیے کچھ مثالیں بیان کریں گے:

ا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں امام علیؑ کے توحیدی خطبے بہت زیادہ ہیں جن میں سے کچھ نہج البلاغہ میں اور کچھ اصول کافی میں نقل ہوئے ہیں۔ سید رضی نے خطبہ نمبر ۱۸۶ کو جو ان کلمات سے آغاز ہوا ہے "ماوحدہ من کیفہ ولاحقیقتہ اصاب من مثلہ" ۳۴ کو توحید کے بارے میں مکمل اور جامع خطبہ جانتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں: "و تجمع ھذہ الخطبۃ، من اصول العلم، مالا تجمعہ خطبۃ" ۳۵ اس خطبے میں جو علمی اصول ہے وہ کسی دوسرے خطبے میں نہیں ہے۔

اس کے برخلاف کلینی نے باب "جوامع التوحید" میں ایک نہایت طویل خطبہ امام علیؑ سے اسی بارے میں ذکر کیا ہے اس کا آغاز کچھ اس طرح سے ہے: "الحمد للہ الواحد الاحد الصمد" ۳۶ اور اس خطبے کی یوں تعریف بیان کی ہیں: "یہ خطبہ امام علیؑ کے مشہور خطبات میں سے ہے یہاں تک کہ اہل سنت کے درمیان مشہور ہے یہ خطبہ توحید کے طالب علم کے لیے کافی ہے بشر طیکہ اس میں تدبر کرے اور اس کے مطالب کو سمجھ سکے۔ اور اگر انس و جن جمع ہو جائے اگر ان کے درمیان زبان پیغمبر نہ ہو اور وہ توحید کو جس طرح امام نے بیان کیا ہے بیان کرنا چاہے تو بیان نہیں کر سکتے اور اگر امامؑ نے توحید کے حقائق سے پردہ نہ اٹھایا ہوتا تو کوئی بھی نہیں جان سکتا تھا کہ توحید تک پہنچنے کے لیے کونسا راستہ طے کیا جائے۔ ۳۷

ان دو خطبوں کا تقابلی جائزہ لینے سے پتا چلتا ہے مرحوم کلینی کا نظریہ اس خطبے کو ترجیح دینے میں سید رضی سے زیادہ صحیح ہے۔ ۳۸

۲۔ صفات الٰہی کے بارے میں ایک جنجالی بحث صفات ذات اور صفات فعل میں جدائی ہے یہ بحث صفات الٰہی کے کچھ موارد میں جیسا ارادہ وغیرہ میں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اگر ارادہ صفت ذات ہو تو ارادے میں جو تغیر و تبدیلی ہوتی ہے یہ تغیر و تبدیلی ذات

۳۴۔ جو اللہ کے لیے کیفیت کا قائل ہوا اسے وحدانیت کی شناخت ہوئی جس نے اس کے لیے مثال او ہمتا ڈھونڈ لیا حقیقتاً وہ اللہ سے دور ہوا۔

۳۵۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۶۔

۳۶۔ کافی ج ا ص ۱۸۲۔ ۱۸۴۔

۳۷۔ کافی ج ا ص ۱۴۸۔ ۱۵۰۔

۳۸۔ کافی ج ا ص ۱۵۰/۱۵۱۔

الہی میں بھی لازم آئے گی اور اگر ارادہ صفت فعل ہو تو چونکہ صفات کمالیہ ہے ذات کا اس صفت کمالیہ سے خالی ہونا لازم آتا ہے۔ اسی لیے شروع سے متکلمین کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے لیکن آج صدیاں گذرنے کے بعد فلاسفی اور کلامی تحقیقات کی وجہ سے اس بارے میں ایک معتدل نظریہ پیش کیا گیا ہے۔

مرحوم کلینی نے اس بارے میں چھتیسویں باب میں ابواب توحید میں ارادہ الہی کو صفات فعل میں شمار کیا ہے[۳۹] اور اس بارے میں ایک مستقل فصل ترتیب دی ہے اس عنوان سے : "جملۃ القول فی صفات الذات و صفات الفعل"[۴۰]

انہوں نے صفات فعل اور صفات ذات کو جدا کرنے کے لیے واضح معیارات بیان کیے ہیں۔ اور کہتے ہیں: "ہر دو چیز جس کو اللہ کی صفت محسوب کریں گے اگر صفات وجودی ہیں تو وہ صفات فعل ہیں۔ اس جملے کی تفسیر یہ ہے کہ: آپ صفات وجودیہ کے بارے میں قائل ہیں کہ: ایک چیز کا ارادہ کرتا ہے اور ایک کا ارادہ نہیں کرتا ہے ایک چیز کو پسند کرتا ہے اور ایک چیز کو ناپسند کرتا ہے اگر ارادہ صفت ذات ہو علم و قدرت کی طرح تو جس شیء کا اللہ ارادہ نہیں کرتا وہ شی جس کا ارادہ کرتا ہے کا ناقض ہوگا (اور نقض صفات وجودیہ اور عدمیہ سے مربوط ہے لہذا یہ ارادہ کے بارے میں درست نہیں ہے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ صفت فعلی ہے۔۔۔۔)

کیا نہیں دیکھتے کائنات میں کوئی ایسی شیء نہیں ہے جس کو اللہ نہ جانتا ہو یا اس پہ قدرت نہ رکھتا ہو۔۔۔۔ اس طرح صفات ازلی ہیں یعنی ہم اللہ کو قدرت و ناتوانی، علم و جہل، نادانی اور حکمت، خطا، عزت و ذلت سے توصیف نہیں کیا جاسکتا ہے حالانکہ ممکن ہے اس طرح کہا جائے: اللہ اطاعت کرنے والے کو دوست رکھتا ہے اور گنہگار کو دشمن۔۔۔ جیسا کہ دعا میں پڑھتے ہیں: "اللھم ارض عنی ولا تسخط علی و تولنی ولا تعاونی، پروردگار عالم مجھ سے راضی رہنا مجھ پہ غضب نہ کرنا مجھے دوست رکھنا اور دشمن نہ رکھنا"۔

لیکن اللہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے جان لے یا جان نہ لے۔۔۔ ارادہ صفت فعل ہے۔۔ کیونکہ کہا جا سکتا ہیں اللہ نے اس شیء کا ارادہ کیا اور فلاں شیء کا ارادہ نہیں کیا۔[۴۱]

۳۹۔ کافی ج ۱ ص ۱۵۰/۱۵۱۔

۴۰۔۔ کافی ج ۱ ص ۱۵۰/۱۵۱۔

۴۱۔ کافی ج ۱ ص ۱۵۰/۱۵۱۔

کلینی کی اس قدر گہری اور عمیق باتیں ان کے علم کلام میں تبحر اور گہرائی کی حکا یت کرتی ہے۔ آپ نے صفات فعلی اور صفات ذاتی کی پہچان کے لیے دو معیار بیان کیا ہے: ١۔ صفات فعلی میں تقا بل تضاد کی قسم اور صفات وجودی سے ہے جیسا کہ ارادہ کرنا یا ارادہ نہ کرنا۔ لیکن صفات ذات میں تقا بل تناقض کی قسم سے ہے۔ جیسا کہ یعلم ولا یعلم میں تناقض ہے ٢۔ صفات فعلی کو ذات خدا سے نفی اور جدا کیا جاسکتا ہے لیکن صفات ذاتی کو خدا کی ذات جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے "یحب والا یحب" لیکن یعلم ولا یعلم نہیں کہا جاسکتا ہے۔-

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چوتھا سبق»

اصول کافی کا مختصر تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

اصول کافی ، شیعہ جوامع حدیث کا سب سے پہلا اور اہم جامع ہے جو ثقۃ الاسلام کلینی کے توسط سے بیس سال کے عرصے میں تحریر ہوئی یہ کتاب آٹھ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے دو جلدیں عقائید اور اخلاق سے مخصوص ہے اور باقی پانچ جلدیں احکام سے مخصوص ہیں جسے فروع کافی کا نام دیا گیا ہے اور ایک جلد متفرقہ روایات ،آیات کی تفسیر۔ وعظ و نصیحت سے مخصوص ہے اور اس لیے کہ یہ کتاب ایک باغ کی مانند ہے جس سے معارف اہل بیتؑ کی خوشبو آتی ہے لہٰذا روضہ کافی کا نام دیا گیا ہے۔کتاب کافی ۳۶کتاب (فصل) اور ۳۲۶ باب پر مشتمل ہے۔

کافی کی روایات کی تعداد میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے عام طور پر کافی کی روایات کی تعداد ۱۶۱۹۹ بتایا گیا ہے ۔ لیکن بعض دیگر لوگ ۱۵۵۰۳ یا ۱۵۳۲۸ بتاتے ہیں۔اڈاکٹر حسین علی محفوظ،کافی کے مقدمہ میں روایات کی تعداد ۱۵۱۷۶ جانتے ہیں ۲ علامہ مجلسی مرآۃ العقول میں مدعی ہیں کہ روایات کی تعداد ۱۶۱۲۱ حدیث ہیں۔ ۳

راقم الحروف کی رائے کے مطابق کتاب کافی چاپ بیروت مرحوم محمد مہدی شمس الدین کی تحقیق،میں روایات کی تعداد ۱۵۳۵۵ ہیں۔

کتاب کافی کی تحریر کا محرک

کلینی کا زمانہ ائمہؑ کے دوران حضور کا اختتامی دور اور غیبت صغری کی ابتدائی دور کا آغاز تھا اور کلینی سے پہلے محدثین نے امام علیؑ سے امام حسن عسکریؑ کے دور تک بڑی کوششوں اور جانفشانیوں سے مخصوصا امام باقر و امام صادق علیہما السلام کے دور میں اہل بیتؑ کی سنت اور قیمتی میراث کو آنے والی نسلوں کے لیے یادگار چھوڑ گئے۔ان کوششوں کا نتیجہ پہلے غیر منظّم مکتوبات یعنی اصول اربعماۃ کی صورت میں نکلا ۴ اگرچہ کچھ دیگر علماء اور بزرگوں نے مثال کے طور پر احمد بن محمد خالد برقی (وفات ۲۷۴) نے المحاسن، محمد بن صفار (وفات ۲۹۰) نے بصائر الدرجات، حمیدی قمی (وفات ۳۰۰) نے قرب الاسناد جیسی کتابیں لکھیں لیکن ڈھائی صدیوں

۱۔ تفصیل کے لیے رک: المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج ا ص ۶۵۔

۲۔ کافی ج ا ص ۳۸۔۳۹۔ (مقدمہ)

۳۔ مرآۃ العقول ج ۲ ص ۷ ۳ ۴۳۔

۴۔ تفصیل کے لیے رک: حدیث شناسی ج ا ص ۱۹۸۔۲۰۴۔

پر مشتمل میراث روائی کے حجم کو پیش نظر رکھتے ہوئے نیز ان کتابوں کی عدم جامعیت کی وجہ سے روز بروز ایک ایسی کتاب لکھنے کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی جو اولین مکتوبات حدیث میں موجود بے ترتیبی کو ترتیب دے سکے۔

حدیث مرحوم کلینی کے دور میں تین بنیادی مشکلات سے دوچار تھیں۔

۱۔ مرحلہ کتابت کا زمانہ گذرنے کے ساتھ احادیث مرحلہ تصنیف (یعنی بے ترتیب اور نامنظّم مکتوبات کی صورت) میں تھی بڑے اور وسیع پیمانے پر پراکندہ صفحات میں ہر سو روایات پھیلی ہوئی تھیں ضروری تھا کسی حدیث شناس عالم کے توسط سے جمع کیا جائے۔ نیز اس زمانے میں دینی سوالات کے جوابات ڈھونڈنے کے لیے ایک جامع، منظّم روائی منبع تک رسائی ممکن نہ تھا۔ اور اس کام کے لیے علمی جامعیت اور کافی وقت چاہیے تھا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ ثقۃالاسلام کلینی جیسے مشہور حدیث شناس شخص نے زندگی کے بیس سالوں کو ایک کتاب کی تدوین میں وقف کیوں کیا؟۔۵

۲۔ قرآن کے بعد حدیث، دین کے پہچان کا سب سے اہم منبع ہے جو آنے والی نسلوں کو اسلام، دینی رہبروں کی سیرت، تاریخ وغیرہ سے آشنا کراتی ہے۔ یہ میراث جناب کلینی کے زمانے میں مکمل طور پر نامنظّم اور بے ترتیب تھی اور اولین مکتوبات حدیث جو ائمہؑ کے اصحاب کے توسط سے لکھی گئی تھیں اور جنہیں اصطلاح میں "اصل" کہا جاتا ہے زمانے کے حوادث اور چھاپ و نشر کی صنعت کا نہ ہونے کی وجہ سے کلینی کے زمانے تک ختم ہو چکی تھیں۔

جناب کلینی کا زمانہ بہترین زمانہ تھا کیونکہ ایک طرف سے ائمہؑ کے حضور کا زمانہ ختم ہونے کی وجہ سے مکتوبات حدیث کا زمانہ بھی ختم ہو گیا اور دیگر میراث روائی کا وجود میں آنا بھی ناممکن تھا۔ دوسری طرف سے اس حساس دور میں کسی نے میراث روائی کو جمع نہیں کیا تو معلوم نہیں اس میراث کا کتنا حصہ آنے والی نسلوں تک پہنچے گا۔ البتہ سید رضی نے پانچویں صدی میں یعنی جناب کلینی کی وفات کے ایک صدی بعد اپنی تمام تر کوششوں کو حدیث کی جانب مبذول کیا۔ لیکن اس بات سے بے خبر کہ آنے والی نسلیں مولا علیؑ کے گہر نایاب فرامین تک رسائی حاصل نہیں کر پائیں گے آپ نے صرف امام علیؑ کے کچھ بلیغانہ اور ادیبانہ خطبات کو نہج البلاغہ میں جمع کیا، لیکن اگر آپ امام علیؑ کے سارے خطبات کو جمع کرتے تو آج ہمارے پاس ایک اور نہج البلاغہ ہوتا جو دینی مسائل کے مختلف اسرار بالخصوص خلافت کے ماجرے سے پردہ اٹھاتا۔

۵۔ رجال نجاشی ص ۳۷۷/آپ اس بارے میں یوں کہتے ہیں: "صنف الکتاب الکبیر المعروف بالکافی فی عشرین سنۃ" نیز رک: نقد الرجال ج ۴ ص ۳۵۲۔ نہایۃ الدرایۃ ص ۲۲۰، رجال ابن داود ص ۱۸۷۔

مرحوم محمد بن علی بابویہ قمی، یعنی شیخ صدوق نے چوتھی صدی میں اصول عقائید میں "مدینۃ العلم" نامی کتاب تدوین کی جسے پانچویں اصول اربعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب دسویں صدی شیخ بہائی کے والد محترم کے زمانے تک تو موجود تھی لیکن اچانک ہی یہ کتاب نظروں سے غائب ہو گئی اور علامہ مجلسی کی بلا فاصلہ تمام تر کوششوں کے باوجود یہ کتاب نہیں ملی۔٦ لہٰذا اگر "مدینۃ العلم" جیسی کتاب حوادث زمانہ کے پیش نظر محو ہو گئی تو اگر کلینی نامنظّم مکتوبات حدیث یا اصول کو جمع کرنے کی کوشش نہ کرتے تو پتا نہیں ان کتابوں کا کیا حال ہوا ہوتا؟ میراث روائی کو محفوظ کرنا اور انکی حفاظت اور اسے نئی نسل تک منتقل کر دینے میں کلینی کا کردار نہایت اہم اور ان کی کوششیں عظیم ہے۔ کیونکہ جن جن لوگوں نے ائمہؑ کی روائی میراث سے استفادہ کیا سب ہی جناب کلینی کے مقروض ہیں اگر اس زمانے میں کتاب کافی تدوین نہ ہوتی تو ان تمام ہدایتوں اور برکات کا محقق ہونا ناممکن تھا۔

٣۔ائمہؑ سے صادر شدہ روایات طبعی حادثوں کی وجہ سے ان طبعی حوادث میں راوی کی سہو وخطا، تصحیف، نقل بہ معنا، اور بعض دیگر خاص وجوہات من جملہ: نسخ احکام، تشابہ، مخاطبین کی فہم کے مطابق، تقیہ وغیرہ شامل ہیں ان حوادث کی وجہ سے روایات ابتدائی یا حقیقی تعارض سے دوچار تھیں اور ہیں۔ اس کے علاوہ عام اور خاص، مطلق اور مقید میں ارتباط وغیرہ کی وجہ سے بہت ساری روایات میں نامربوط ہیں۔ زمانہ تدوین سے صدیاں گذرنے اور علماء حدیث کے اس بارے میں اٹھائے گئے اقدامات اور دیگر مربوطہ علوم کے باوجود یہ مشکل ابھی بھی موجود ہے۔ اسی لیے علماء اصول نے تعادل اور تراجح کے بحث میں اس قسم کے احادیث پہ کام کیا ہے لہٰذا آج علم اصول کے کچھ مباحث اسی موضوع سے مخصوص ہے کیونکہ ایک طرف سے کسی بھی حکم اور فتوا کا صدور، حجت شرعی (جن کی عمدہ تعداد احادیث ہیں) سے مربوط ہے دوسری جانب سے احادیث میں موجود تعارض ان احادیث سے استناد کو حل تعارض سے زیادہ مشکل بناتی ہے۔

شیخ طوسی نے پانچویں صدی میں "تہذیب الاحکام" کی تدوین کی، انہوں نے "کافی" "من لایحضرہ الفقیہ" جیسی جوامع حدیث کے ہوتے ہوئے بھی تہذیب الاحکام کی تدوین کے مقصد کو متن اور محتوائے روایات میں موجود اختلافات کو قرار دیا ہے۔٧

یہاں سے ہم دو صدی پیچھے پلٹتے ہیں یعنی شیخ طوسی کے دور سے کلینی کے دور تک مرحوم کلینی کے زمانے میں جوامع حدیث کی ایک بھی کتاب تدوین نہیں ہوئی تھی اور مکتوبات اولیہ نامنظّم اور بے ترتیب تھیں۔ صحیح اور غلط، تقیہ اور کتاب و سنت اور

٦۔ رک: من لایحضرہ الفقیہ ص ا۔ ی (مقدمہ) حدیث شناسی ج ا ص ٢١٧۔

٧۔ تہذیب الاحکام ج ا ص ٢۔٣۔

بدیہیات عقلی سے مخالف احادیث جدا نہیں ہوئے تھے حقیقت کے متلاشی افراد پہ راستہ بند تھا جن کے دلوں میں کھوٹ تھا اور غلط راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے راہ ہموار تھی۔ لہٰذا مرحوم کلینی احادیث میں موجود محتوائی اختلافات کو ختم کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ اور کافی حد تک کامیاب بھی ہوتے ہیں لیکن غیر معصوم کا کام خطا سے مبرا نہیں ہے۔

جناب کلینی کے زمانے میں یہ حدیث کی تاریخ ہے اور یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ کلینی ایک مشہور عالم اور محدث ان حقائق سے ناآگاہ ہو یا اس بات پہ توجہ نہ کی ہو۔ جو کچھ انہوں نے کافی کے مقدمہ میں اپنا مقصد اور ہدف بیان کیا ہے ان کی اس بات سے آگاہی کو پہنچاتا ہے۔

مرحوم کلینی کافی کے مقدمہ میں اس بارے میں لکھتے ہیں: "اے بھائی! میں اس شکایت سے آگاہ ہوا جو تم نے اپنے زمانے کے لوگوں سے کی۔ انہوں نے نادانی اور جہالت میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے اور اسقدر کوششیں کی ہیں کہ نزدیک تھا علم و دانش نابود ہو جائے۔۔۔۔ تم نے یاددہانی کی کہ بعض مطالب روایات میں اختلاف کی وجہ سے نہ سمجھ سکے اور تم یہ سمجھ گئے ہو کہ روایات میں اختلاف مختلف علل و اسباب کی وجہ سے ہے۔ اور تم نے کہا کہ اس بارے میں کسی بڑے عالم تک رسائی نہیں رکھتے ہو تا کہ اس سے مذاکرہ اور بحث کرے اور کہا کہ: میں اس بارے میں ایک کتاب لکھوں جس میں تمام علم دین یا اس کا کچھ حصہ موجود ہو تا کہ طالب علم بے نیاز ہو جائے اور ہدایت کے لیے منبع ہو۔ اور جو کوئی امامین صادقین علیہم السلام کے صحیح روایات اور سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کتاب پر عمل کرے اور دینی فرائض اور سنت پیغمبر ﷺ اس کی مدد سے ادا کیا جاسکے۔[۸]

خط لکھنے والے کا نام جسے کلینی نے دینی برادر سے خطاب کیا ہے معلوم نہیں ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے احتمال دیا ہے یہ شخص محمد بن احمد بن عبداللہ بن قضاعہ صفوانی یا محمد بن نعمانی ہیں۔[۹] بہرحال اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں موجود دینی مشکلات کے پیش نظر جناب کلینی نے کتاب کافی کی تدوین کا آغاز کیا۔ اس خط کے محتوا سے تین نکتے واضح ہوتے ہیں:

۱۔ خط لکھنے والا شخص خود بھی اہل علم و فضل ہوگا لہٰذا احادیث سے مربوط مشکلات میں جناب کلینی کو خط لکھا ہے اور ان سے اختلافات حدیث کو رفع کرنے اور ایک جامع کتاب جو ہدایت کے لیے مرجع اور منبع ہو کی درخواست کی ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے جناب کلینی کافی کی تدوین سے پہلے ایک مشہور عالم کے طور سے جانا پہچانا تھا۔ نیز اس بات کی طرف توجہ دینے سے کہ

۸۔ کافی ج ۱ ص ۹ (مقدمہ مؤلف)

۹۔ کافی ج ۱ ص ۹ (مقدمہ مؤلف)۔

جناب کلینی نے بیس سال کا عرصہ کافی کی تدوین میں لگادیا اور انہی کے زمانے میں علماء اور محدثین کے درمیان کافی کا تعارف ہوا یہاں تک کہ خود جناب کلینی نے بغداد میں کافی کی تدریس شروع کی ۱۰ تو کافی کی تدوین کے وقت جناب کلینی کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ اس صورت میں کافی کی تدوین کا کام ۲۹۵ ہجری قمری سے شروع اور ۳۱۵ ہجری قمری، تک جاری رہا اور ۳۲۹ جناب کلینی کی وفات تک چودہ سال کے عرصے تک شیعہ علماء نے استفادہ کیا۔

۲۔ جناب کلینی نے خط کے جواب میں دو نکات کو مشکلات دینی کے حوالے سے اشارہ کیا ہے۔ پہلا نکتہ: احادیث میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف حقیقت تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔

دوسرا نکتہ: جناب کلینی کا یہ کہنا ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتا ہوں جس میں تمام دینی علوم موجود ہو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے تک کوئی جامع کتاب موجود نہ تھی اور اگر کافی جیسی کتاب ہوتی تو وہ شخص کتاب لکھنے کی درخواست نہیں کرتا۔ اس خط کا محتوا اس بات کی تاکید کرتا کہ وہ وضاحت جو ہم نے عصر کلینی میں احادیث کے بارے میں بیان کی ہے وہ تاریخی حقائق کے عین مطابق ہے اس زمانے کے حالات کو بیان کرتے ہوئے بتایا تھا کہ تیسری صدی میں مکتوبات اولیہ کا منسجم اور منظّم نہ ہونا اور احادیث میں اختلاف ہونے کے باوجود کسی نے اس بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھایا اور جناب کلینی پہلا شخص ہیں جنہوں نے اس کام کے لیے قدم آگے بڑھایا۔

۳۔ " قلّت انک تحب ان یکون عندک کتاب کاف یجمع (فیہ) من جمیع فنون علم الدین۔۔۔ و یاخذمنہ من یرید علم الدین۔۔۔۔۔" ۱۱ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے جناب کلینی سے تمام اسلامی علوم کے بارے میں احادیث کو مرتب کرنے کی درخواست کی ہے۔ اور کتب اربعہ میں اگر صرف اور صرف کافی میں اصول کے ساتھ فروع پہ بھی کام ہوا ہے تو اسی وجہ سے ہے خط کے اس حصے سے سمجھ آتا ہے کہ اختلاف اور فقدان صرف احکام اور فقہ تک محدود نہ تھا بلکہ خداشناسی۔ پیغمبر شناسی اور امام شناسی اور اخلاقی مباحث میں بھی اختلاف موجود تھا۔

جناب کلینی کتاب کی تمہید کے آخری حصے میں لکھتے ہیں:

۱۰۔ کافی ج ۱ ص ۲۴۔ ۲۵ مقدمہ)

۱۱۔ کافی ج ۱ ص ۹۔

ہم نے کتاب حجت کے کچھ حصے کی تشریح کی ہے لیکن جس طرح تشریح کے لائق تھا تشریح نہ کر سکا، کیونکہ اس کے فائدے سے کم کرنا نہیں چاہااور امید رکھتا ہوں اللہ ہماری اس نیت کو قبول فرمائے اور اگر موت نے اجازت دی تو ایک تفصیلی اور مکمل کتاب لکھوں تاکہ اس بحث کی حق ادا کر سکوں۔" ۱۲

اس بات سے سمجھ آتا ہے کہ کتاب حجت کی وسعت اور جامعیت کے باوجود اس تعداد سے زیادہ احادیث جناب کلینی کی پہنچ میں تھا لیکن انہوں نے اختصار کی وجہ سے ان روایات نقل نہیں کیا ہے۔

کتاب کافی کی تالیف کا اسلوب

جناب کلینی نے کافی کی تالیف کے لیے اصول اربعماۃ اور دیگر منابع احادیث جو ان کے حدیث شناس استاد (علی بن ابراہیم قمی) کے لائبریری میں تھے اپنے استاد کی رہنمائی سے استفادہ کیا جیسا کہ انہوں نے کتاب کی تمہید میں ذکر کیا ہے: روایات کو عدم مخالفت قرآن اور اجماع سے موافقت کی معیار پر جمع کیا ہے اور جہاں پہ ترجیح کے لیے کوئی سبب نہیں پایا وہاں باب " بایما اخذتم من باب التسلیم وسعکم" کے عنوان سے دو متعارض احادیث کو جو ان کی نظر میں صحیح تھا انتخاب کیا ہے۔۱۳اس ترتیب سے انہوں نے متعارض روایات کی انعکاس جو فہم اور قضاوت کو مشکل بناتی ہے سے پرہیز کرنے کی کوشش کی ہے۔اگرچہ جناب کلینی نے روایات کے انتخاب میں اجتہاد پہ عمل کیا ہے اور تمام روایات کو منعکس کرنے سے پرہیز کیا لہٰذا ان پر تنقید کیا ہے ۱۴ بہر حال انہوں نے کافی کو دینی برادر کی درخواست پہ روایات کی اختلاف کو رفع کرنے کے لیے تالیف کی۔ لہٰذا کافی اسی مقصد اور ہدف کے لیے لکھی گئی ہے لہٰذا جو تنقید کی ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

کتاب کافی کی تعریف

اصول اور فروع کی احادیث کے انتخاب میں مرحوم کلینی کی دقت نظر کی وجہ سے علماء اور بزرگوں نے کافی کی بہت تعریف کی ہے۔

---

۱۲ ۔کافی ج۱ص۱۰۔

۱۳ ۔کافی ج۱ص۹۔

۱۴ ۔وافی ج۱ص۵۔

شیخ مفید کا نظریہ ہے کتاب کافی شیعہ مذہب کے نہایت اہم اور مفید کتاب ہے۔۱۵ شہید اول کا عقیدہ ہے: شیعہ امامیہ کے ہاں روایات کے سلسلے میں کافی کی طرح کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔۱۶

شہید ثانی کافی کی تعریف میں کہتے ہیں: "کتاب کافی علوم اسلامی کا صاف وشفاف چشمہ ہے میری جان کی قسم کسی نے بھی کافی جیسی کتاب نہیں لکھی ہے اور اس کتاب سے جناب کلینی کی عظمت کی پہچان ہوتی ہے۔۱۷

صدر المتالھین: کتاب کافی کو کتاب حدیث کے عنوان سے تشریح کے لیے انتخاب کرنے کی وجہ کو اس کتاب کی دیگر جوامع کی نسبت برتری، وسیع طور پہ اہل بیتؑ کی روایات کو جمع کرنا جانتے ہیں۔۱۸

محقق ثانی کا عقیدہ ہے کہ کتاب کافی حدیث کے سلسلے کی نہایت عظیم کتاب ہے اور اس کی مانند کوئی اور کتاب نہیں ہے۔

مرحوم فیض کاشانی وافی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: "الکافی۔۔۔۔اشرفہا واوثقہا واتمہا واجمعہا، لاشتمالہ علی الاصول من بینہا وخلوہ من الفضول وشینہا۔۱۹

مرحوم علامہ مجلسی، کتاب کافی کو شیعہ مذہب کی ضابطہ وجامع اور بہترین کتاب جانتے ہیں۔۲۰

سید بحر العلوم پیغمبر ﷺ کی حدیث کو بیان کرنے کے بعد جس میں آنحضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ اس امت میں، ہر صدی میں کسی کو مبعوث کرتا جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے" کہتے ہیں: "ابن اثیر اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ کلینی شیعہ مذہب کے مجدد ہیں حق بات کو اللہ نے ان کی زبان پہ جاری کیا ہے اور جو کوئی کتاب کافی میں تدبر کرے گا اس بات کی سچائی آشکار ہوگی اور معلوم ہوگا کہ جناب کلینی اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ کتاب کافی ایک عظیم فائدہ مند اور بے نظیر کتاب ہے۔ ترتیب اور نقل حدیث میں احتیاط اصول اور فروع کی روایات اور ائمہؑ کی زیادہ سے زیادہ روایات کو جمع کرنے کے لحاظ سے تمام جوامع حدیث کی بہ نسبت بہترین کتاب ہے۔۲۱

۱۵۔ کافی ج ا ص ۲۶ (مقدمہ) نقل از تصحیح الاعتقادات ص ۲۷۔
۱۶۔ کافی ج ا ص ۲۶ (مقدمہ) نقل از بحار الانوار ج ۲۵ ص ۶۷۔
۱۷۔ کافی ج ا ص ۲۶ (مقدمہ) نقل از بحار الانوار ج ۲۵ ص ۶۷۔
۱۸۔ شرح اصول کافی ج ا ص ۱۶۶۔
۱۹۔ وافی ج ا ص ۶۔
۲۰۔ مرآۃ العقول ج ا ص ۳۔
۲۱۔ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۵۰۷۔

شیخ آغا ٕبزرگ تہرانی مشہور شیعہ کتاب شناس عالم کتاب کافی کو کتب اربعہ میں سب سے بہترین کتاب کے طور پر تعارف کیا ہے جو کہ قابل اعتماد ہے اور احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقل میں اس طرح کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ ۲۲

مشہور اور نہایت ہی باعظمت شیعہ دانشوروں کی کافی کے بارے میں اس قسم کی تعاریف (بلاشبہ ان تعاریف کی بنیاد تحقیق پر ہے اور ہر قسم کی مبالغہ گوئی سے دور ہے۔) تمام جوامع حدیث شیعہ کے درمیان کتاب کافی کی عظمت اور رفعت پر دلالت کرتی ہیں۔

ان تعاریف سے تین نکات سمجھ میں آتا ہے:

۱۔ سارے دانشوروں نے کافی کی درستگی، اہمیت اور مفید ہونے پہ تاکید کی ہے۔

۲۔ سارے دانشوروں نے تاکید کی ہے کہ کافی دیگر کتب حدیث کے مقابلے میں زیادہ جامعیت رکھتی ہے اور اس طرح کی دوسری کتاب شیعہ کتب میں موجود نہیں ہے۔

۳۔ کچھ دانشوروں کے مطابق کافی کی دیگر کتب پہ برتری اور کافی کا کتب اربعہ میں سب سے پہلے لکھی جانے پہ تاکید ہوئی ہے۔

۲۲ ۔ الذریعہ ج ۱۷ ص ۲۴۵۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«پانچواں سبق»

کافی کی خصوصیات اور امتیازات

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

کافی چونکہ سب سے پہلی کتاب حدیث ہےاور کسی نمونہ کے بغیر تحریر کی جانے سے بہت غلطیوں کا شکار ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے اور دیگر کتب اربعہ کی نسبت نہ صرف اس کتاب میں بہت کم غلطی ہے بلکہ کافی خصوصیات کے حامل ہیں جن میں سے کچھ کا یہاں ذکر کریں گے :

۱۔ نسبی جامعیت

من لایحضرہ الفقیہ اور استبصار کے مصنفین نے مختلف دلائل کی بناپر صرف روایات فقہ وآداب وسنن کو بیان کرنے پہ اکتفا کیا ہے اور ان میں عقائد کی روایات بیان نہیں ہوئی ہیں البتہ ان کے اپنے دلائل تھے شیخ صدوق نے مدینۃ العلم جیسی کتاب عقائد کے بارے میں لکھی جو کہ غیر فقہی کتاب تھی لہٰذا ان پہ یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے ا کہ انہوں صرف فقہ کی روایات کو کیوں جمع کیا؟ پھر بھی کافی ان کتب کے مقابلے میں فقہی اور غیر فقہی احادیث کو جمع کرنے کی وجہ سے زیادہ جامعیت رکھتی ہے۔

۲۔ قابل تحسین ترتیب

پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ کافی جوامع حدیث شیعہ کی پہلی کتاب ہے اور جناب کلینی کے پاس کوئی جامع کتاب حدیث نہیں تھی جس سے آپ استفادہ کرتے اور کافی میں موجود نقائص کو رفع اور روایات کو منظّم کرتے ۔ اس کے باوجود اس کتاب کے ابوابیات کا ملاحظہ کرنے سے جناب کلینی کی روایات کی تنظیم اور تبویب میں سلیقہ قابل تحسین نظر آتی ہے۔اور علامہ مجلسی کی اس بات میں حقیقت نظر آتی ہے آپ فرماتے ہیں : " جو کوئی بھی کتاب کافی کی رویات کی ترتیب اور تبویب میں تدبر کرے گا سمجھ لے گا کہ آپ اللہ تعالی کی طرف سے تائید شدہ ہیں۔" ۲ کتاب کافی شیعہ جوامع روائی کی پہلی کتاب اور صحیح بخاری جوامع روائی اہل سنت کی پہلی کتاب کا تقابلی جائزہ لینے سے یہ بات زیادہ واضح ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں موجود بے ترتیبی اور ہر قسم کی مناسب بناوٹ کی عدم موجودگی سے اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ مرحوم کلینی نے حسن تنظیم اور مناسب ترتیب سے حیرت انگیز کام انجام دیا ہے۔

---

۱ ۔ فیض کاشانی نے وافی کے مقدمہ میں انہیں محدویت کی وجہ سے ان کتابوں پہ تنقید کی ہے۔رک : وافی ج ۱ ص ۱۹۔

۲ ۔ کافی ج ۱ ص ۲۰ نقل از شرح مشیخہ من لایحضرہ الفقیہ ص ۲۶۷۔

جناب کلینی نے ایک خاص نقشے کے تحت اصول کی روایات کو فروع پہ مقدم کیا ہے اور وہ روایات جن میں کچھ بے ترتیبی تھی لیکن ان سے معرفتی نکات حاصل کیا جاسکتا تھا کو کتاب کے آخر میں روضہ کے عنوان سے لایا ہے۔انہوں نے اصول کی روایات کی ترتیب میں خاص عقلمندی ظاہر کرتے ہوئے پہلے عقل و جہل پھر فضل علم کی روایات کو ذکر کرتے ہیں اس کے بعد کتاب توحید میں خدا شناسی کی روایات کتاب حجت میں حجت کو عمومیت بخشتے ہوئے پیغمبر اور امام شناسی کی روایات کو جمع کیا ہے اس کے بعد ایمان اور کفر، کتاب دعا، فضیلت قرآن اور کتاب معاشرت کو ذکر کیا ہے۔

فروع کافی کو کتب فقہ کے مطابق طہارت سے دیات تک منظّم کیا ہے۔

جناب کلینی نے کتاب کافی کے مقدمہ میں کتاب عقل و جہل اور فضیلت علم کو پہلے ذکر کرنے کا سبب بیان کیا ہے: "وہ باب جس سے کتاب کاآغاز کررہاہوں وہ عقل اور فضائل علم ہے کیونکہ عقل تمام شیء کا محور ہے اور اس کے ذریعے احتجاج کیا جاتا ہے ثواب اور عقاب کا محور عقل ہے۔ ۳

کتاب کافی کی ترتیب کی تعریف کرنا اس کتاب کو ہر قسم کے عیب سے دور کرنا مقصد نہیں ہے کیونکہ کتاب وافی کی تعارف بیان کرتے ہوئے اس نکتے کی طرف اشارہ کریں گے کہ مرحوم فیض کاشانی اس ترتیب کو کافی نہیں سمجھتے ہیں اور اپنی کتاب کو نئ ترتیب اور شکل دیتے ہیں کتاب کافی کی ترتیب کی تعریف کا مقصد اس کتاب کی اہمیت اس زمانے کے دیگر کتب کی بہ نسبت ہے۔

جناب کلینی نے مناسب ترتیب کے لیے دو انتہائی اہم قدم اٹھائے ہیں:

۱۔ہر باب کی روایات کی ترتیب

ہر باب کی احادیث دو اصل یعنی صحت اور وضاحت پر قائم ہے دوسری عبارت میں یوں کہاجاسکتا ہے: مرحوم کلینی نے جس روایت کی سند صحیح اور مکمل اور دلالت واضح کو پہلے بیان کیا ہے باقی روایات کوان کی اہمیت کے لحاظ سے بعد میں ذکر کیا ہے لہٰذا جوں جوں ہر باب کے آخری حصے میں پہنچتے ہیں احادیث کی صحت اور وضاحت کم ہوتی جاتی ہے۔ ۴

۲۔ہر باب کی روایات کے لیے مناسب عنوان

فریقین کی منابع روائی کا کچھ حصہ بغیر عنوان کے ہیں اور کچھ روایات کے عنوان اس باب کے روایت کے مطابق نہیں ہے اسی لیے آیت اللہ بروجردی کا وسائل الشیعہ پر تنقید عناوین کا روایات کے مناسب نہ ہونا ہے۵۔ لیکن مرحوم کلینی نے ہر باب کے لیے

۳۔ کافی ج۱ص۱۰۔

۴۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص۶۳۔البتہ یہ مدعا اس کتاب کے مصنف کے لیے واضح نہیں ہوا ہے۔

عناوین کی موجودگی کو ضروری سمجھتے ہوئے عناوین کے انتخاب میں احتیاط کی ہے۔ یعنی جو عناوین انتخاب کیا ہے وہ روایات کے مضمون کے مطابق ہے۔ اسی لیے بہت سے دانشوروں کا عقیدہ ہے کہ مرحوم کلینی کے نظریات کو ان عناوین سے جو انہوں نے ہر باب کے لیے ذکر کیا ہے قابل استنباط ہے ٦ اسی بنیاد پہ شیخ انصاری نے اقرار بہ نسب کے بارے میں جناب کلینی کا فتوا بیان کیا ہے ٧ جناب کلینی نے ان روایات کو جنہیں کسی خاص عنوان میں جگہ نہ ملی کو نوادر کے نام سے کتاب کے آخر میں بیان کیا ہے۔

٣۔ جامع نویسی کے اصول کی رعایت

علم مصطلح الحدیث میں نقل حدیث کے شرائط اور ضوابط میں دو بنیادی نکات کی طرف اشارہ ہوا ہے:

١۔ مکمل اسناد کا ذکر ٢۔ روایات کے نص کو ذکر کرنا اور نقل بہ معنا سے پرہیز ٨ ۔ مکمل اسناد کا ذکر آنے والی نسلوں کے لیے اس کام کو ممکن بناتا کہ منابع رجال اور علم رجال کے قواعد سے مراجعہ کرتے ہوئے حدیث کی سند کی جانچ پڑتال کرے۔ اور مکمل اسناد کے ذکر سے غفلت برتنا احادیث اور منابع احادیث کو نقصان سے دوچار کرتا ہے اور اس کی اتقان سے کم کرتا ہے۔ تفسیر عیاشی کے مصنف نے (تلخیص کی ہدف سے) احادیث کے اسناد کو حذف کیا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ تفسیر بغیر اسناد کے ہم تک پہنچی اور اس تفسیر سے استفادہ کرنا ہمارے لیے دشوار ہو گئی۔ ٩

روایات کی نص کو نقل کرنا صحیح استنباط کے لیے راستہ مہیا کرتا ہے نقل بہ معنا اس کے لائق اور اہلیت رکھنے والے انسان کے لیے جائز ہے پھر بھی معصومؑ کے فرمان کی بازسازی ہے اور معصوم کے فرمان کی طرح مشکل کشا نہیں ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ اس بات پہ یقین کرنا چاہیے کہ کتاب کافی اسناد کے ذکر کرنے اور نص روایات بیان کرنے اور نقل بہ معنا سے پرہیز کرنے میں دیگر جوامع، بلکہ کتب اربعہ کی نسبت بھی فوقیت رکھتی ہے۔

کیا کتاب کافی کو امام زمانہؑ کے سامنے پیش کیا گیا ہے؟

---

٥ ۔ جامع الاحادیث الشیعہ ج١ص مقدمہ

٦ ۔ مثال کے طور پر محدث نوری نے کتاب کافی کے اس عنوان سے "لم یجمع القرآن کلہ الا الائمہؑ" کہا ہے کہ مرحوم کلینی تحریف قرآن کے قائل تھے۔ اگرچہ یہ نظریہ غلط ہے۔ تفصیل کے لیے رک: فصل الخطاب مقدمہ نمبر ٣ ص ٢٥۔ صیانۃ القرآن من التحریف ص ١٠٥۔

٧ ۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ۶۳۔

٨ ۔ درس نامہ علم حدیث ص ٢٣٠-٢٣٢۔

٩ ۔ تفصیل کے لیے رک: الذریعہ ج ٤ ص ٢٩٥۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں ثقۃ الاسلام کلینی نواب خاصہ کے زمانے میں یعنی ۲۵۵ سے ۳۲۹ (علی بن محمد سمری آخری نائب) کے درمیان زندگی گذاری ہے۔ اور امام زمانہؑ اس دوران میں نواب خاصہ کے ذریعے شیعوں کے تمام کاموں پر نظارت کرتے تھے اور ان کے ذریعے پیغام بھیجتے تھے۔ دوسری جانب سے کتاب کافی کی عظمت شیعہ منابع روائی کے نہایت اہم کتاب کے عنوان سے امام کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا لہٰذا کچھ محدثین نے دعوی کیا ہے کہ کافی امام کی خدمت میں پیش کی گئی ہے اور اس کی روایات کی امامؑ نے تائید کی ہے۔

اسی لیے کافی کی تمام روایات امامؑ کی نگاہ میں قطعی الصدور ہیں لہٰذا اسناد اور متن کو پرکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کچھ مدعی اس بات کے قائل ہیں کہ کافی کی روایات کا قطعی الصدور ہونا ان کی امام زمانہؑ کے سامنے پیش ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

مولی خلیل قزوینی کافی کا امام زمانہؑ کے سامنے پیش ہونے پہ تاکید کرتے ہیں آپ کہتے ہیں:

" امام زمانہؑ نے کافی کی تمام روایات کو دیکھا اور انہیں درست جانا ہے اور کافی میں جناب کلینی نے جہاں لفظ "روی" سے روایت کو بیان کیا ہے تو اس جیسی روایت کو انہوں نے بغیر واسطہ امام زمانہؑ سے نقل کیا ہے۔۔۔۔"۱۰

محدث نوری جنہوں نے کتاب مستدرک کے فائدہ نمبر چار کو کتاب کافی سے مخصوص کیا ہے مدعی ہیں کہ کافی کا امام زمانہؑ، یا ان کے ایک خاص نائب کے سامنے پیش ہونے پر بہت سارے دلائل موجود ہیں۔

محدث نوری سید بن طاووس کی بات اور دیگر دلائل سے استناد کرتے ہوئے کافی کی تمام روایات کے صحیح ہونے پر تاکید کرتے ہیں۔۱۱

علی بن طاووس اپنی کتاب کشف الحجۃ میں جناب کلینی اور کتاب کافی کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

محمد بن یعقوب کلینی امام زمانہؑ کے وکلاء یعنی عثمان بن سعید عمری انکے بیٹے ابو جعفر محمد اور ابو القاسم، حسین بن روح اور علی بن محمد سمری کے زمانے میں رہتے تھے۔ اور کلینی علی بن محمد سمری سے پہلے وفات پا گئے ہیں کیونکہ علی بن محمد سمری ۳۲۹ ہجری قمری کو شعبان کے مہینے میں وفات پا گئے ہیں حالانکہ کلینی ۳۲۸ ہجری قمری بغداد میں انتقال کر گئے تھے، لہٰذا ان کی تصانیف اور

۱۰۔ الکلینی وکتابہ الکافی ص ۳۹۵۔

۱۱۔ خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۶۳۔۴۶۸۔

روا. یات نواب خاصہ کے زمانے میں اور ایسے زمانے میں لکھی گئیں ہیں ح ب منقولات اور مصنفات کی تصدیق کے لیے ان کے پاس راستہ تھا۔ ۱۲

محدث نوری اس . بات کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: "جو نتیجہ ابن طاووس نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ کتاب کافی امام زمانہؑ کے کسی ایک خاص نا ئب پر پیش ہوا اور اس نا ئب نے اس کتاب کے صحیح ہونے کا حکم صادر کیا اور یہ حکم امام معصومؑ کے حکم کی طرح ہے، جیسا کہ کتاب ان کے فرمان اور حکم سے . تالیف ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ نتیجہ غیر یقینی گمان پر ہے اور صحیح . یا غلط ہو سکتا ہے اور دعوی کی اثبات کے لیے اس سے استناد نہیں کیا جاسکتا ہے پھر بھی ابن طاووس کے مقدمات میں تد بر کرنے سے گمان قوی ہوتا ہے اور مکمل اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ یہ دعوی درست ہو کیونکہ مرحوم کلینی شیعہ مذہب کے مشہور مرجع اور نواب خاصہ کے رہنے والے شہر کے . بزرگ عالم تھے اور کافی کو اس مقصد کے تحت لکھا. تاکہ تمام ا سلامی اور دینی امور میں اس کتاب پہ عمل کیا جائے کیونکہ درخواست کرنے والے نے کلینی سے یہی چاہا تھا۔ ۱۳

پھر یوں کہتے ہیں:

یہاںتک کہ شیعہ علماء اور بزرگ دنیاوی حاجات کو امام زمانہؑ سے مانگتے تھے، جیسا کہ ابو غالب زراری کی اپنی بیوی سے طویل اختلاف کی وجہ سے ابو القاسم حسین بن روح نو بختی کی خدمت میں آئے اور حاجت کو ذکر کیئے بنا ان سے دعا کرنے کی درخواست کی اس کے جواب میں امام زمانہؑ کی طرف سے اس مضمون کا توقیع صادر ہوا: " والزوج والزوجۃ فاصلح اللہ ذات بینھما"۔ خدا اس میاں بیوی کے درمیان صلح برقرار کرے گا؛ زراری اس جواب سے حیران ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان قیامت تک محبت برقرار ہوئی۔

پھر محدث نوری اس نکتے سے استشہاد کرتے ہیں کہ علماء حدیث، نواب خاصہ کے ذریعہ روایات یا کتب حدیث کے صحیح ہونے سے استفادہ کرتے تھے۔ جیسا کہ محمد بن عبداللہ بن جعفر حمیری کے خطوط میں ذکر ہوا ہے: جب محمد بن علی شلمغانی نے، کتاب تکلیف کو لکھا تو ابو القاسم نو بختی نے اس کتاب کو پرکھنے کے لیے ان تک پہنچانے کو حکم دیا اور اس کتاب کے پڑھنے کے بعد کہا کہ اس کتاب میں موجود روایات ائمہؑ کی روایات ہیں صرف چند روایات کے علاوہ جن میں ائمہؑ پہ جھوٹ باندھا گیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی عزاقی کے انحراف کے بعد ان کی کتب کے معتبر ہونے کے بارے میں حسین بن روح نو بختی سے سوال کیا گیا تو کہا: میر

---

۱۲ ۔ الکلینی وکتابہ الکافی ص ۲۱۹۔ نقل از کشف المحجۃ، ۲۲۰
۱۳ ۔ خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۶۹۔ ۴۷۰۔

اجواب امام حسن عسکریؑ کا بنی فضال کے کتب کے بارے میں جواب ہے کہ فرمایا: "خذوا بمارووا وذروا بماراوا؛ جن کو روایت کی گئی ہے ان پہ عمل کرو اور جن کو اظہار کیا ہے رہا کرو۔" ۱۴

محدث نوری کتاب کافی کے بارے میں ایک مشہور خبر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس خبر کے مطابق: "کافی امام زمانہؑ کے سامنے پیش کیا اور امامؑ نے فرمایا: "ان ھذا کاف شیعتنا"؛ ہمارے شیعوں کے لیے یہ کتاب کافی ہے۔ اور معتقد ہیں کہ یہ خبر صحیح نہیں ہے اور اور ہمارے اصحاب کی تالیفات میں یہ خبر نقل نہیں ہوئی ہے بلکہ محدث استرآبادی جنھوں نے کافی کی روایات کی درستگی پہ کافی تاکید کی ہے بھی اس خبر کو غلط سمجھتے ہیں۔ ۱۵

محدث نوری ان مقدمات کو ذکر کرنے کے بعد اس طرح نتیجہ لیتے ہیں: "خلاصہ یہ کہ جو کوئی ان دلائل میں غور و فکر کرے گا ابن طاووس کے نتیجہ تک (کافی کا کسی ایک نواب خاصہ پہ پیش ہونا) پہنچے گا۔ ۱۶

اس کے بعد اس اعتراض کو بیان کرتے ہیں کہ اگر کافی امام زمانہ یا ایک نواب خاصہ پہ پیش کیا گیا ہوتا تو یہ خبر سارے لوگوں کے کانوں تک پہنچتی۔ اس کا یوں جواب دیتے ہیں: دیگر کتب بھی جو امام زمانہؑ یا نواب خاصہ پہ پیش ہوئی مشہور نہیں ہوئی اور سب تک خبر نہیں پہنچی۔ ۱۷

کافی کا امام زمانہؑ کے سامنے پیش ہونے کے دلائل

مندرجہ بالا نکات کو بیان کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتا ہے کہ وہ لوگ جو کافی کا امام زمانہ کے سامنے پیش ہونے کے قائل ہیں چند دلائل کی بنا پر ہے:

۱۔ ایک حدیث کے مطابق امام زمانہؑ نے کافی کو دیکھنے کے بعد فرمایا: "الکافی کاف شیعتنا" کافی ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔

۲۔ روایات اور کتب کو نواب خاصہ کے سامنے پیش کرنا ان کے درست یا نادرست ہونے کی پہچان کے لیے زمانہ غیبت صغری کے علماء اور محدثین کے درمیان رائج سنت تھی۔ کلینی کا نواب خاصہ کا ہم عصر ہونے کے علاوہ شہر بغداد میں رہنے کی وجہ سے جہاں نواب اربعہ کا مسکن تھا کافی کا ان پہ پیش کیا جانے کو تقویت ملتی ہے۔

۱۴۔ خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۷۲۔ ۴۷۳۔

۱۵۔ خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۷۱۔

۱۶۔ خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۳۷۳۔

۱۷۔ خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۳۷۳۔ نیز رک: الکلینی وکتابہ کافی ص ۳۹۲۔۳۹۷۔

۳۔نواب خاصہ سے رجوع کرنااور ذاتی حاجات کو امام زمانہؑ سے درخواست کرنا علماء اور شیعوں کے درمیان رائج تھا۔ جیسا کہ ابو غالب زراری گھر کی مشکل کو حل کرنے کے لیے امام زمانہؑ سے متوسل ہوئے۔اب کتاب کافی کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے کافی کا امام کے سامنے پیش نہ ہونا قابل قبول نہیں ہے؟

کافی کا امام زمانہؑ کے سامنے پیش ہونے کے دلائل کی تنقید

ا۔مذکورہ خبر صرف اور صرف ایک مشہور عبارت ہے اور کسی بھی صاحب نظر محدث نے اسے حدیث نہیں سمجھا ہے اس کے علاوہ اگر امام زمانہؑ نے اس طرح کی عبارت فرمایا بھی ہے تو یہ دعوی کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ اس کتاب کا شیعوں کے لیے کافی ہونا اس کی تمام روایات کے قطعی الصدور ہونے سے عام ہے۔

۲۔کتب کا نواب خاصہ کے سامنے پیش کرنے والی سنت اس وقت رائج تھی جب کتب میں جعل اور فتنہ کا شبہہ ہوتا اور شیعہ علماء احتمال دیتے تھے ائمہ علیہم السلام سے روایات نقل کرنے کے دعویداران کتب کا نشر ہونا شیعوں کی گمراہی کا سبب بنے گی اس بات کی دلیل یہ ہے کہ جن دو موارد کو نمونہ کے طور پر لائے گئے ہیں ان دونوں موارد میں کتب کے مصنفین کی انحراف کے بعد نواب خاصہ کے سامنے ان کی کتب پیش کی گئی ہے۔اور جناب کلینی جن کو ثقۃ الاسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ان کی کتاب کو اس قسم کی کوئی پریشانی لاحق نہ تھی تاکہ کتاب کافی کو امام زمانہ یا نواب خاصہ کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ جزئی موارد میں پیش کیے گئے نمونے بھی مذکورہ دعوی کو ثابت نہیں کر سکتے ہاں یہ ہو سکتا ہے اگر جناب کلینی کو کسی خاص حدیث میں ابہام یا مشکل کا سامنا ہوتا تو سوال کرنا ضروری ہوتا لیکن اس بارے میں بھی کسی قسم کی تاریخی گواہی نہیں ملتی ہے۔

خوش نصیبی سے ہمارے محدثین نے مذکورہ دعوی کو قبول نہیں کیا ہے، مثلا علامہ مجلسی اس بارے میں فرماتے ہیں: "کچھ بیہودہ گوئی کرنے والے افراد کا اس پر یقین کہ کتاب کافی تمام کا تمام امام زمانہؑ پہ پیش کی گئی ہے کیونکہ جناب کلینی نواب خاصہ کے شہر میں رہتے تھے، یہ بات نادرست ہے اس لیے کہ امام زمانہؑ اور ان کے آباء واجداد نے اس قسم کی تالیفات اور روایات کا انکار نہیں کیا ہے اس سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ ائمہؑ اس قسم کے کام سے آگاہ اور راضی تھے اور ان کی روایات پہ عمل کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔"[۱۸]

۱۸۔خاتمہ مستدرک الوسائل ج ۳ ص ۴۷۳ نقل از مرآۃ العقول

دوسری جانب سے اس کتاب میں بعض ضعیف اور مجہول روایات کی موجودگی اس دعوی کو کہ یہ کتاب امام زمانہؑ کی تائید شدہ ہے مشکل سے دوچار کراتی ہے۔

البتہ ہم اس اہم بات سے غافل نہ ہو جائیں کہ ہر زمانہ کے امام پر فرض ہے کہ انحرافات اور گمراہیوں سے روکا جائے نہ یہ کہ لکھی جانے والی کتب اور نسخوں کی تائید کیا جائے لہٰذا اگر کوئی کتاب یا نسخہ انحراف کا باعث نہ بنے اگرچہ اس کی تمام محتویٰ درست نہ بھی ہو تو امام پہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کتاب کے بارے میں واضح اعلان کیا جائے، ائمہؑ کا دیگر کتب اور حوادث کے بارے میں یہی روش تھی۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چھٹا سبق»

روضہ کافی کا جناب کلینی سے استناد

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۶۔روضہ کافی کا جناب کلینی سے استناد

اگر سارے مفکرین اور قلمدان حضرات خود کا فریضہ سمجھتے ہوئے کسی بھی نظریہ کو بغیر کافی تحقیق اور کوششوں کے قطعی اعلان نہیں کرتے تو علم و معرفت مشکلات سے کم ہی دوچار ہوتی۔ کتاب کافی کی آغاز تدوین سے لیکر آج تک کسی نے بھی کافی کی تمام مجلدات کا جناب کلینی سے استناد میں شک نہیں کیا ہے۔ لیکن مولی خلیل قزوینی نے کسی دلیل و برہان کے بغیر صرف وہم و خیال و گمان کی بناپر کہا ہے کہ روضہ کافی جناب کلینی کی نہیں بلکہ ابن ادریس حلی کی تصنیف ہے۔

ریاض العلماء کے مصنف نے اسی بات کو ان سے نقل کیا ہے:

"روضہ جناب کلینی کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ابن ادریس حلی کی تصنیف ہے اگرچہ کچھ علماء نے اس کام میں ان کا ساتھ دیا ہے۔"۱

مولی خلیل قزوینی نے اس دعوی پر کوئی دلیل پیش نہیں کیا ہے اس دعوے کے بر خلاف بہت سارے دلائل موجود ہیں جو روضہ کافی کی جناب کلینی سے استناد کو ثابت کرتی ہیں۔ بعض دلائل کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

۱۔ نجاشی (م۴۵۰) اور شیخ طوسی (م۴۶۰) نے جناب کلینی کی سوانح حیات کو شرح دیتے ہوئے ان کی تصنیفات میں روضہ کافی کو شمار کیا ہے۔ اگر یہ کتاب ابن ادریس حلی (م۵۹۸) کی تصنیف ہوتی تو ان سے ایک صدی پہلے جناب کلینی کی تصنیفات میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ روضہ کافی کے اسناد اصول اور فروع کافی کے اسناد ایک جیسے ہیں۔

۳۔روضہ کافی کی سیاق اور روایات کی ترتیب کتاب کافی کے دیگر جلدوں سے ملتی جلتی ہے۔ ۲

کافی کی روایات کا اعتبار

کتاب کافی کے بارے میں ایک نہایت اہم مسئلہ یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ کافی کی سولہ ہزار روایات میں سے صرف ۵۰۷۲ صحیح باقی ۱۴۱روایات حسن ۱۱۱۸روایات موثق اور ۹۴۸۵ روایات ضعیف ہیں۔ کافی لوگوں نے اس بات کی تائید کی ہے۔ ۳

۱۔ ریاض العلماء ج۲ص ۲۶۲۔

۲ ۔ تفصیل کے لیے رک: خاتمہ المستدرک ج ۳ص ۵۳۵/۵۳۶

۳ ۔ تفصیل کے لیے رک: رجال بحر العلوم ج ۳ص ۳۳۱الذریعہ ج ۱۷ص ۲۴۵۔

اسی دعوی کو متعصب اہل سنت یا منحرف لوگوں نے سب سے اہم شیعہ منابع حدیث اور مذہبی تفکرات پر حملہ کرنے کے لیے بہترین بہانہ بنایا ہے۔ یعنی وہ لوگ جو صحیح بخاری میں ایک بھی جعلی روایت کی موجودگی کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور صرف اور صرف ۱۰۰کی تعداد احادیث کو ضعیف جانتے ہیں۔ ۴

نہایت حیرانی کی بات ہے صحیح بخاری سے دفاع کرنے والے اسقدر جدو جہد کرکے دفاع کرتے ہیں اور شیعہ مذہب کے مدافع اسقدر آسانی اور سادگی سے کافی کی دو تہائی روایات کو ضعیف اور لائق اعتبار نہیں سمجھتے ہیں اور صرف ایک تہائی کو قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔

اسی نظریے سے بعض متاخر محدثین متاثر ہوئے ہیں، جیسا کہ استاد محمد باقر بہبودی جنہوں نے اپنی عمر کا کافی حصہ حدیث، کتب حدیث کی تحقیق اور تصحیح میں گذاری ہیں صحیح الکافی جیسی کتاب کو منتشر کرتے ہوئے عملا اس بات کے مدعی ہیں کہ سولہ ہزار روایات میں سے صرف یہی تعداد یعنی ۴۴۲۸ روایات صحیح ہیں۔ البتہ انہوں نے دیگر کتب اربعہ کی نسبت یہی کام انجام دیا ہے اور جب انہیں علماء کے اعتراض کا سامنا کرنا پڑا تو اپنے کام کو معالم کے مصنف کا منتقی الجمان اور علامہ مجلسی کا مرآۃالعقول پر کام جیسا جانا انہوں نے صحیح الکافی جو گزیدہ کافی کے نام سے منتشر ہوچکی ہے کے تمہید میں بیان کیا ہے کہ صحیح کافی کی روایات کو سند اور متن کے لحاظ سے قرآن، سنت، عقل صحیح، تاریخ کے مخالف نہ ہونے کے معیار پر انتخاب کیا ہے۔ ۵

اگر معالم کے مصنف نے کافی کے صرف دوہزار روایات کو صحیح جانا ہے جیسا کہ آغا بہبودی اس بات کے مدعی ہیں اور مرحوم مجلسی نے کافی کی روایات کی تقسیم اور مقام عمل میں روایات کی سند اور متن کی تبیین کے لیے مرآۃالعقول میں اس طرح کے "ضعیف" ضعیف علی المشہور" جیسے عناوین کا انتخاب کیا ہے اور کافی کے دو تہائی احادیث کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ تو کیوں صرف اور صرف استاد بہبودی پر اعتراض کیا گیا؟!

اس اہم اعتراض کا اس طرح جواب دیا جائے گا: حدیث آغاز سے یعنی قدما، سید ابن طاووس (م ۶۷۳) اور ان کے شاگرد علامہ حلی (م۷۲۶) کے زمانے تک دو قسم صحیح اور ضعیف میں تقسیم ہوتی تھی اور صحیح حدیث کے لیے خاص تعریف اور معیار تھے، قدماء کی تعریف کے مطابق اس حدیث کو صحیح کہا جاتا تھا جس کا متن معصوم سے وثوقا صادر ہوا ہو اور متن اطمینان آور قرائن کے ہمراہ ہو۔

۴۔ فتح الباری ج ۱ ص ۸۱۔

۵۔ بیشتر معلومات کے لیے رک: نشریہ کیہان فرہنگی، سال سوم، نمبر ۷ سے ۱۱، آغا محمد باقر بہبودی کا انٹریو۔ پژوہشی در تاریخ حدیث شیعہ ص ۴۸۶/۴۸۹۔

قدماء کی نگاہ میں روایت کے صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ روایت کا معصوم سے قطعی الصدور ہونا۔

۲۔ معصومؑ سے قطعی الصدور پر علم کے ساتھ ساتھ کوئی اور مضبوط متضاد و متعارض حدیث اس کے برخلاف نہ ہو۔

۳۔ معصومؑ سے قطعی الصدور پر علم کے ساتھ ساتھ روایت کی مضمون کی درستگی قطعی ہو۔

قدماء کی نگاہ میں روایت کے ضعیف ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ روایت معصوم سے قطعی الصدور نہ ہو۔

۲۔ معصومؑ سے قطعی الصدور پر علم کے ساتھ ساتھ کوئی اور مضبوط متضاد و متعارض حدیث اس کے برخلاف موجود ہو۔

۳۔ متن حدیث کا بدیہیات اور ضروریات کے ساتھ مخالفت کی وجہ سے متن حدیث کا غلط ہونا واضح ہو۔

قدماء کی نگاہ میں صحت حدیث کے قرائن و نشانیاں

۱۔ حدیث کا اصحاب اجماع میں سے کسی ایک سے منقول ہونا۔

۲۔ اصول اربعماۃ کے کسی ایک یا دو اصل میں حدیث کی موجودگی

۳۔ متن حدیث کا قرائن صحت کے موافق ہونا، مثلاً کتاب، سنت، مسلمانوں کی اجماع، یا امامیہ کا اجماع، عقلی قطعی دلیل و غیرہ۔[۶]

قدیم علماء سند حدیث سے زیادہ متن حدیث اور اس کی درستگی پر توجہ دیتے تھے۔

لیکن سید ابن طاووس نے پہلی بار حدیث کو چار قسم میں یعنی صحیح اور ضعیف کی مفہوم میں تغیر و تبدیلی کرتے ہوئے حدیث حسن اور موثق کا اضافہ کیا۔ اس دن سے آج تک سید بن طاووس کی تقسیم کو محدثین نے قبول کیا ہے، حدیث کی اس رباعی تقسیم میں تمام تر توجہ سند پر ہے لہٰذا وہ حدیث جو مسلسل سند کے ساتھ امامیہ راویوں کے توسط معصومؑ سے نقل ہوئی ہو صحیح

۶۔ تفصیل کے لیے: رک: وسایل الشیعہ ج ۲۰ ص ۹۵/۹۳ (فائدہ نمبر ۸) مشرق الشمسین ص ۳۔ منتقی الجمان ج ۱ ص ۱۳/ روضہ المتقین ج ۱ ص ۱۹۔

حدیث کہا جاتا ہے، اور ایک ایک قید کے کم کرنے سے یعنی: اتصال سند، امامی، یا راوی کے عادل نہ ہونے کی صورت میں حدیث موثق وغیرہ۔۔۔۔۔۔ میں تبدیل ہو جائے گی۔ ۷

سید ابن طاووس کا بیان کردہ دلیل حدیث کی رباعی تقسیم کے لیے ان قرائن کا ختم ہو جانا ہے جس پر قدماء اعتماد کیا کرتے تھے جیسا کہ اصول اربعماۃ میں حدیث کی موجودگی ہے۔

اس کے برخلاف اخباری حضرات نے حدیث کی رباعی تقسیم کی مخالفت کا اظہار کیا اور اسے بدعت جانا۔ ۸

حدیث کی رباعی تقسیم کی درستی اور نادرستی کو چھوڑ کر اس بات پہ توجہ ضروری ہے کہ قدماء کے توسط سے لکھے گئے جوامع حدیث کی اہمیت کو جاننے کے لیے ثنائی تقسیم اور قدماء کی صحت حدیث کے معیارات کو پیش نظر رکھنا چاہیے نہ متاخرین کے معیارات کو۔ کیونکہ قدماء نے اپنے معیارات کے مطابق اور صحت حدیث کے قرائن کو پیش نظر رکھ کر جوامع حدیث میں روایات کو نقل کیا ہے اور ان احادیث کی صحت کی تائید کی ہے۔ اور اگر اس قسم کی احادیث کو متاخرین کی نگاہ اور ان کی کسوٹی پر پرکھنا ہے تو متاخرین کے معیار کی وضاحت کی جائے اور بطور مطلق نظریے کو بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے۔ فیض کاشانی اس بارے میں کہتے ہیں: "کافی اور فقیہ کے مصنفین (کلینی اور شیخ صدوق) نے متقدمین میں رائج اصطلاح کے مطابق اس حدیث پر صحیح کا اطلاق کیا گیا ہے جو قابل اعتماد اور قابل استناد ہو، لہٰذا اپنی کتاب کے تمام روایات کی درستگی کا اعلان کیا ہے اگرچہ متاخرین کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہ ہو۔" ۹

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کافی کی روایات کے بارے میں اس نکتے کی طرف توجہ نہیں دی گئی اور جن لوگوں نے کافی کی روایات میں سے صرف دو تہائی کو صحیح جانا ہے اس نکتے کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ یہ حساب کتاب حدیث کی رباعی تقسیم اور متاخرین کے معیار کے مطابق ہے ورنہ کافی کی تمام یا اکثر روایات جناب کلینی اور متقدمین کی نگاہ میں صحیح ہیں۔

محدث نوری نے کافی میں ضعیف روایات کی تعداد کے بارے میں موجود مشہور نظریے کو بیان کرنے کے بعد اس طرح لکھا ہے: "اس بنا پہ کافی کی نصف سے زائد روایات ضعیف اور ناقابل عمل ہیں، مگر یہ کہ سند کو جبران کیا جائے کافی کتب شیعہ کی

۷۔ رک: حدیث شناسی ج ۲ ص ۴۰۔

۸۔ لحدائق الناضرۃ ج ۲ ص ۱۶، رک: مصادر الاستنباط بین الاصولیین والاخباریین ص ۱۲۵-۱۲۹۔

۹۔ وافی ج ۱ ص ۱۱۔

سب سے مشہور اور اہم کتاب اور اس کے مصنف تمام محدثین سے زیادہ موثق محدث اور ضابط ہونے کے باوجود کیا یہ دعوی قانع کنندہ ہے۔؟" ۱۰

کتاب کافی کے گردا گرد کام

شیعہ علماء کے درمیان کافی کی اہمیت اور مقام کی وجہ سے دیگر کتب اربعہ میں سے کافی پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اور دانشوروں کے توسط سے مختلف شروحات اور تعلیقات لکھی گئی ہیں۔ بحار الانوار کے معجم کے مقدمہ میں کتاب کافی کے بارے میں اٹھائے گئے اقدامات کو دس قسموں میں تقسیم کیا ہے: ۱۔ متن کتاب کی تصحیح ۲۔ ضبط متن اور اعراب گذاری ۳۔ مقدمہ نویسی ۴۔ حواشی اور تعلیقات ۵۔ شرح نویسی ۶۔ بعض روایات پر شرح نویسی ۷۔ کتاب کافی کا ترجمہ ۸۔ مختصر نویسی ۹۔ کافی کے بارے میں مختلف بحثیں ۱۰۔ فہرست نویسی۔ اسی طرح حسین علی محفوظ کے قلم سے لکھی گئی کافی کے نسخے کی تمہید میں کافی پر جو کام ہوا ہے اس کو چار قسم میں تقسیم کیا گیا ہے: ۱۔ شرح نویسی ۲۔ تعلیقہ اور حواشی ۳۔ فارسی میں ترجمہ ۴۔ بعض روایات پر شرح نویسی، ان دو منابع میں مذکورہ کاموں کی شرح اور تفصیل بیان ہوئی ہے۔

دیگر جو کام اس سلسلے میں انجام پایا ہے وہ کافی کی تصحیح استاد علی اکبر غفاری کے اور ضبط متن اور اعراب گذاری استاد علامہ حسن زادہ آملی کے توسط سے ہے۔ کافی پر ۲۹ حاشیے اور تعلیقے لکھی جاچکی ہیں۔ فارسی ترجمے میں محمد باقر کمرہ ای، اور سید جواد مصطفوی کے ترجمے کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے اسی طرح دس فہرست میں سے سید محمد علی حسینی کی فہرست اور ابوالقاسم قہپایی اور المعجم المفرس، لالفاظ اصول الکافی کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ ۱۱

۱۰۔ خاتمۃ المستدرک ج ۳ ص ۵۰۵۔

۱۱۔ تفصیل کے لیے رک: کافی ج ۱ ص ۳۲-۳۵، (مقدمہ) المعجم المفھرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج ۱ ص ۶۵-۶۶، مقدمہ)، الکلینی وکتابہ الکافی ص ۴۹۰-۴۹۵۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«ساتواں سبق»

کافی کی شروحات کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۷۔کافی کی شروحات کا تعارف

حاشیہ اور تعلیقہ جات کے علاوہ کافی پر کافی تعداد میں شروحات لکھی گئی ہیں، معجم بحار الانوار کے مصنف معجم کے مقدمے میں وافی اور بعض روایات کافی کی شروحات کے علاوہ ۲۳ شروح کا نام ذکر کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض خطی نسخوں میں موجود ہیں ان شروحات میں صدر المتالھین، ملا صالح مازندرانی، علامہ مجلسی کی شروحات زیادہ بہتر اور مشہور ہیں۔

۱۔کافی پہ صدرالمتالھین کی شرح

صدرالمتالھین کا نام فلاسفہ اسلامی کے ہمراہ ہے اور انسان ابتدائی نگاہ میں سوچتا ہے کہ صدر المتالھین نے نقلی اور وحیانی متون پہ کم توجہ دی ہیں لیکن ان کی قرانی تفسیر جو سات جلدوں پر مشتمل ہیں نیز اصول کافی پہ لکھی شرح اس . بات کی دلیل ہے کہ قرآن و حدیث پر توجہ علوم عقلی سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہیں ہے۔

ملا صدرا کی تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف اصول کافی پر شرح لکھنا چاہتے ہیں نہ کل کتاب کافی پر آپ کہتے ہیں کہ روایات پر شرح لکھنا ان کی دیرینہ خواہش تھی اور بعض دوستوں کی درخواست پر اس خواہش کی تکمیل کے لیے قدم بڑھائے اور کافی چونکہ بہترین کتاب ہے لہٰذا اس پر شرح لکھنا شروع کیا۔ لیکن اس شرح کا کام نامکمل رہ گیا اور کتاب الحجۃ کا تھوڑے حصے کی شرح مکمل کر سکا اور اس شرح کے محقق (خواجوی) کی وضاحت کے مطابق مصنف کی زندگی نے اس کام میں ان کا ساتھ نہ دیا۔ ۲

علامہ ابو الحسن شعرانی ملا صدرا کی شرح کے آخری حدیث کے ذیل میں ملا صدرا کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

یہ اصول کافی کی آخری حدیث ہے جس کی ت شریح کی ملا صدرا کو توفیق ملی ہے۔ ان کی شرح دیگر تمام شروحات پہ فوقیت رکھتی ہے کیونکہ جو کچھ دیگر شروحات میں بیان ہوئی ہیں یا تو ہو بہو ملا صدرا کے الفاظ ہیں یا ان کے شرح سے الہام لیتے ہوئے کچھ مطالب کا اضافہ کیا ہے اور کسی بھی شارح نے اس حدیث کے بعد جہاں ملا صدرا کا تحقیقی شرح ختم ہوئی ہے تحقیقی شرح نہیں لکھی ہے مگر تاریخی حوادث واقعات اور الفاظ کی تفسیر و وضاحت کے علاوہ۔ ۳

۱۔ شرح اصول کافی ج ۱ ص ۱۶۸۔

۲۔ شرح اصول کافی ج ۲ ص ۶۱۷۔

۳۔ شرح اصول کافی (شرح ملا صالح مازندرانی) ج ۵ ص ۱۷۰، ۱۶۹ (پاورقی)

صدر المتالھین کا روایات کی وضاحت میں اسلوب یہ ہے کہ روایت کو مکمل سند کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد ماہرین رجال کے آراء اور منابع سے استفادہ کرتے ہیں اور سند کے رجال کی چھان بین کرتے ہوئے روایت کی شرح اور تفسیر اور مشکل الفاظ کی تبین اور روائی معارف کو بیان کرتے ہیں۔ جہاں روایات کو زیادہ وضاحت کی ضرورت پڑتی ہے وہاں آپ خاص عناوین: "تذکرۃ استناریہ"، تبصرہ و تذکرۃ"، تذنیب وغیرہ سے استفادہ اور بحث کرتے ہیں۔ صدر المتالھین کی شرح پہلی بار ایک جلد میں چھاپ چکی ہے پھر کتاب عقل و جہل اور کتاب الحجۃ کا کچھ حصہ اور کتاب التوحید (محمد خواجوی کی تحقیق کے ساتھ) منتشر ہوئی ہے۔ اس شرح کی پہلی جلد کی تمہید طویل بحث حدیث شناسی سے مربوط ہے اور استاد عابدی شاہرودی سے مفید مطالب بیان ہوئے ہیں۔ ۴

۲۔ اصول کافی پہ ملا محمد صالح مازندرانی (م ۱۰۱۸) ۵ کی شرح

اس شرح میں آپ نے صرف اصول کافی کی روایات کی تشریح کی ہے اور یہ شرح ۱۲ جلدوں میں چھاپ چکی ہے۔

آپ کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں: "کافی کے تمام ابواب پہ تعلیقہ لکھ چکا ہوں جب ان کی جمع اور تدوین کا وقت آیا تو خیال آیا کہ اس کتاب کی تمام احادیث کو ایجاز اور اطناب سے بڑھ کر تشریح کروں"۔ ٦

استاد علی اکبر غفاری اس شرح کی تعریف میں کہتے ہیں:

"یہ شرح ترتیب کے لحاظ سے کافی کی بہترین اور مفید شرح جو بغیر افراط و تفریط کے لکھی گئی ہے۔ ۷

ملا صالح کی شرح مزجی شرح ہے۔ اس شرح میں شارح روایات کو "الاصل" کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور "الشرح" کی عبارت سے مختصر اراویوں کی چھان بین کرنے کے بعد متن روایت کے کچھ حصے کو ذکر کرتے ہوئے اس کی تشریح کرتے ہیں۔

۳۔ مراۃ العقول فی شرح اخبار الرسول علامہ مجلسی کی شرح

۴۔ تفصیل کے لیے رک: مقالہ: شرح صدر المتالھین بر اصول کافی، مصنف کتاب۔ فصلنامہ علوم حدیث شمارہ ۲۴۔

۵۔ محمد صالح مازندرانی، گیارھویں ہجری کے مشہور شیعہ عالم ہیں آپ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اصفہان آئے اور مولی عبداللہ تستری اور مولی محمد تقی مجلسی کے پاس تعلیم حاصل کی ورع تقوی اور معقول و منقول علوم کے حامل ہونے کہ وجہ سے اپنے استاد مجلسی اول کے قابل توجہ ٹھہرائے لہذا علامہ نے اپنی بڑی بیٹی آمنہ بیگم۔ جو عالمہ اور فاضلہ تھی اور اپنے بھائی علامہ مجلسی کو بحار الانوار لکھنے میں کافی مدد کی۔ سے نکاح کروایا اور اس شادی کا فائدہ بزرگ علماء اور فضلاء کی صورت میں نکلے۔ (شرح اصول کافی ج ۳، ۲، ۱)

٦۔ شرح اصول کافی ج ا ص ۱۷۔

۷۔ شرح اصول کافی ج ا ص ۵۔

مراۃالعقل وہ شرح ہے جس میں اصول اور فروع کے تمام روایات کی تشریح کی گئی ہے اس لحاظ سے اسے کافی کی بہترین اور جامع شرح شمار کیا جائے گا اور علامہ مجلسی کی کتب میں بحار الانوار کے بعد اس شرح کو اہم تالیف سمجھا جاسکتا ہے۔

علامہ مجلسی کتاب کی تمہید میں اپنے زمانے کے علماء کا قرآن و سنت کو چھوڑ کر عقلی علوم پہ توجہ اور منکران شرائع و نبوت کی جہالت کو حکمت کا نام دینے سے شکایت کرتے ہیں۸ اور اعلان کرتے ہیں کہ اپنے تمام وقت اور ہمت کو اہل بیت علیہم السلام کی روایات کو سمجھنے کے لیے وقف کردیں گے اور روائی کتب پر حاشیہ لکھتے ہوئے برادران دینی کی خواہش کو پیش نظر رکھتے ہوئے کتب روائی کی شروحات کو جمع کریں گے اور اس کام کا آغاز اصول کافی سے کروں گا۔۹

علامہ مجلسی کی واضح بیان کے مطابق انہوں نے مراۃالع قول کو اپنے فرزند محمد صادق کی خواہش پر لکھی ہے۔۱۰

علامہ اپنے اسلوب کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

"مختصر اسند کی راویوں سے بحث کی ہے، دشوار و مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے روائی معارف کو بیان کیا ہے بعض شارحین کے مطالب کو بیان کیا ہے۔۱۱

علامہ اپنی شرح میں پہلے روایت کے متن کو پھر صحیح، حسن، موثق وغیرہ جیسی عبارات کے ذریعے روایت کی اعتبار یا نا قابل اعتبار کی وضاحت کرتے ہیں پھر تفصیلا لغوی و فقہ الحدیث کے مباحث بیان کرتے ہیں۔ مرآۃالعقول فہم روایات کے سلسلے میں بہترین مطالب کے حامل ہے۔ یہ شرح ۲۳ جلدوں میں شایع ہوئی ہے۔

میر داماد کی اصول کافی کے کچھ حصوں پر تعلیقہ، الشافی فی شرح الاصول الکافی، عبدالحسین المظفر کافی کی دیگر اہم شروحات میں سے ہیں۔

کتاب کا عنوان		جلد	تعداد
کتاب العقل والجہل	-	۱	۳۴ حدیث
کتاب فضل العلم	۲۲ باب	۱	۱۷۶ حدیث

۸۔ مرآۃالعقول ج ۱ ص ۲۰۱۔

۹۔ مرآۃالعقول ج ۱ ص ۳۔

۱۰۔ مرآۃالعقول ج ۱ ص ۳۔

۱۱۔ تفصیل کے لیے رک: مقالات علامہ مجلسی و تعامل با روایات تفسیری، علامہ مجلسی و نقد دیدگاہای فلسفی، مصنف کتاب) فصنامہ علوم حدیث نمبر ۲۶/۲۴۔

كتاب التوحيد	۳۵ باب	۱	۲۱۵حدیث
كتاب الحجة	۱۳۰باب	۱	۱۱۰۱۵باب
كتاب الایمان والكفر	۲۰۹باب	۲	۱۶۰۹حدیث
كتاب الدعا	۶۰ باب	۲	۴۰۹حدیث
كتاب فضل القرآن	۱۳باب	۲	۱۲۴حدیث
كتاب العشرة	۳۰ باب	۲	۲۰۴حدیث
كتاب الطهارة	۴۶	۳	۳۴۰حدیث
كتاب الحیض	۲۴ باب	۳	۹۳حدیث
كتاب الجنائز	۹۵باب	۳	۵۴۵حدیث
كتاب الصلوة	۱۰۳باب	۳	۹۲۷حدیث
كتاب الزكاة	۴۷باب	۳	۲۷۷حدیث
كتاب ملحق الزكاة(ابواب الصدقه)	۴۳ باب	۴	۲۵۲حدیث
كتاب الصیام	۸۳ باب	۴	۴۵۲حدیث
كتاب الحج وابواب الزیارات	۲۳۶ باب	۴	۱۴۸۶حدیث
كتاب الجهاد	۳۲ باب	۵	۱۴۹حدیث
كتاب المعیشه	۱۵۹باب	۵	۱۰۶۱حدیث
كتاب النكاح	۱۹۲باب	۵	۹۹۰حدیث
كتاب العقیقة	۳۸باب	۶	۲۲۳حدیث
كتاب الطلاق	۸۲ باب	۶	۴۹۹حدیث
كتاب العتق والتدبیر والكتابة	۱۹باب	۶	۱۱۴حدیث
كتاب الصید	۱۷باب	۶	۱۱۹حدیث

کتاب الذبائح	۱۵باب	٦	۴۷حدیث
کتاب الاطعمه	۱۳۴باب	٦	۱۱۹حدیث
کتاب الاشربة	۳۷باب	٦	۲٦۷حدیث
کتاب الزی وا لتجمل والمروۃ	٦۹باب	٦	۵۵۳حدیث
کتاب الدواجن	۱۳باب	٦	۱۰٦حدیث
کتاب الوصایا	۳۹باب	۷	۲۴۰حدیث
کتاب المواریث	٦۹باب	۷	۳۰۹حدیث
کتاب الحدود	۵٦باب	۷	۴۴۸حدیث
کتاب الدیات	۵٦باب	۷	۳٦٦حدیث
کتاب الشاہادات	۲۳باب	۷	۱۲۳حدیث
کتاب القضاء والاحکام	۱۹باب	۷	۷۸حدیث
کتاب الایمان والنذور والکفارات	۱۸باب	۷	۱۴۴حدیث
کتاب الروضہ	-	۸	۵۹۷حدیث

سوال:

۱۔ "ثقۃ الاسلام کلینی کی شخصیت شیعہ علماء کی نگاہ سے" وضاحت سے بیان کیجئے۔

۲۔ حدیث کو جناب کلینی کے دور میں کن مشکلات کا سامنا تھا اور ان کا کافی کی تدوین پر کتنا اثر ہوا؟

۳۔ کافی کا امام زمانہؑ پر پیش ہونے والے نظریات کو بیان کریں اور اس کی تنقید کیجئے۔

۴۔ قدماء اور متاخرین کی حدیث کو رباعی، ثنائی تقسیم کا کافی کی روایات کی اہمیت میں کیا اثر پڑتا ہے؟

تحقیق

۱۔ اصول، فروع، روضہ کافی کی دس روایات کے اسناد کی چھان بین کر کے ایک تحقیق لکھے۔

۲۔ ہاشم الحسنی کی کتاب "الموضوعات فی الاخبار والآثار"، سے استفادہ کرتے ہوئے اصول و روضہ کافی کی بعض روایات کے متون پر تحقیق لکھے۔

۳۔ کافی کی کسی ایک شرح کا تعارف پیش کریں۔

۴۔ کافی کی روایات کی تشریح میں ملا صالح مازندرانی اور علامہ مجلسی کے اسلوب کو بیان کیجئے۔

۵۔ کافی کا دیگر جوامع حدیث پر کسقدر تاثیر ہے کی جانچ پڑتال کیجئے۔

۶۔ روایت "عفیر" کا کافی میں انعکاس کی وجہ بیان کیجئے۔

۷۔ کافی کی روایات سے استفادہ کرتے ہوئے تحریف قرآن کے شبہے پر تنقید کیجئے۔

مطالعہ اور تحقیق کے لیے منابع

۱۔ الکلینی وکتابہ الکافی، ثامر ہاشم حبیب

۲۔ الکلینی والکافی، عبدالرسول الغفار

۳۔ دفاع عن الکافی، ثامر ہاشم حبیب

۴۔ الکلینی و خصومہ عبدالرسول الغفار

۵۔ مقدمہ کافی، حسین علی محفوظ

۶۔ پژوہش در تاریخ حدیث شیعہ، مجید معارف ص۴۶۰/۴۸۹۔

۷۔ علم حدیث، زین العابدین قربانی، ص۲۵۷/۳۱۵

۸۔الموضوعات فی الاخبار والآثار، ہاشم معروف الحسنی۔

۹۔المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص ۶۳/۶۶

۱۰۔حدیث شناسی، علی نصیری ج۱ص ۲۰۷/۲۱۵

۱۱۔خاتمہ المستدرک ج۳ص فائدہ ۴، ص ۴۶۳-۵۳۵

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«آٹھواں سبق»

من لایحضرہ الفقیہ کا تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

من لایحضرہ الفقیہ کا تعارف

من لایحضرہ الفقیہ، ابو جعفر، محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی، جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں (م ۳۸۱) کی کتاب ہے۔

من لایحضرہ الفقیہ کتب اربعہ کی دوسری کتاب ہے جسے تدوین کی تاریخ اور اعتباری لحاظ سے کافی کے بعد قرار دیا جاتا ہے۔ اس کتاب کے مصنف اور اس کتاب کی خصوصیات سے واقفیت کے لیے ذیل میں کچھ مطالب بیان کیے جا رہے ہیں۔

شیخ صدوق کی سوانح حیات

محمد بن علی بن بابویہ قمی، جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں چوتھی صدی کے مشہور محدث ہیں۔ ان کی ولادت کی تاریخ صحیح طرح سے معلوم نہیں ہے۔

لیکن عام طور پر کہا جاتا ہے آپ ۳۰۶ ہجری قمری کو پیدا ہوئے[1] آپ کے والد محترم مشہور شیعہ عالم اور محدث تھے۔ علم رجال کے ماہر نجاشی کے کہنے کے مطابق "اپنے زمانے میں قم کے علماء کے سید و سردار تھے"[2] اور امام حسن عسکریؑ نے توقیع شریف میں جناب علی بن بابویہ قمی کو یا شیخی، معتمدی، اور فقیہی جیسے عناوین سے یاد کیا ہے ان کے ہاں بیٹا نہ تھا لہٰذا انہوں نے جناب حسین بن روح نوبختی نائب خاص کے ذریعے اپنی خواہش کو امام زمانہؑ تک پہنچایا[3] اور امام زمانہؑ نے انہوں دو خیر رساں (ذکرین خیرین) اور فقیہ (ولدین فقیہین) بیٹوں کی خوشخبری دی اور ذیل میں بیان ہوئے عناوین اور عبارات کو ان میں سے ایک بیٹے کے لیے یعنی شیخ صدوق کے بارے میں استفادہ کیا ہے[4] "فقیہ خیر مبارک ینفع البریۃ، خیر رساں فقیہ اللہ جس کے ذریعہ لوگوں تک خیر پہنچے گا۔" یا "ولد مبارک ینفع البریہ، مبارک اولاد اللہ جس کے ذریعے لوگوں تک خیر پہنچائے گا۔" شیخ صدوق ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے کہ امام زمانہؑ کی دعا سے پیدا ہوئے ہیں کتاب کمال الدین و تمام النعمۃ میں اس طرح بیان کرتے ہیں: "ابو جعفر محمد

۱۔ معانی الاخبار ص ۷۲/۷۳ (مقدمہ)۔
۲۔ الکنی والالقاب ج۱ ص ۲۲۲۔
۳۔ الامامۃ والتبصرۃ ص ۱۶۱۔
۴۔ معجم رجال الحدیث ج۷ ص ۳۴۶/۱ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ ص ۶۴۔

بن علی اسود جب میرے استاد محمد بن حسن بن احمد بن ولید کی مجلس درس میں رفت وآمد اور حفظ و نگارش علم میں شوق و اشتیاق کو دیکھتے تو کہتے کہ تمہارے اس شوق کو دیکھ کے حیرانگی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم امام زمانہؑ کی دعا سے پیدا ہوئے ہو۔ ۵

شیخ صدوق کے کثیر کتب ومصنفات اور شیعہ تفکر میں اثر اندازی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ امام زمانہؑ نے انہیں خیر وخوبی اور برکت پہنچانے والے کے القاب سے کیوں یاد کیا۔

شیخ صدوق کے والد محترم کے علاوہ، آل بابویہ نامی خاندان قم کے مشہور شیعہ محدث خاندانوں میں سے ہے جنھوں نے سالہا سال علماء دین معاشرہ کے حوالے کئے۔ علامہ مامقانی تنقیح المقال میں آل بابویہ خاندان کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"بابویہ کی اولاد کی تعداد بہت زیادہ اور ان میں سے اکثر علماء ہیں"۔ ۶ محقق بحرانی نے ان کی تعداد کے بارے میں رسالہ لکھا ہے اور صاحب العوالم، ریاض العلماء میں ان کے بارے میں بیان کیا ہے: "آل بابویہ خاندان کے تمام افراد علماء دین ہیں۔ ۷

شیخ صدوق اپنے والد کے علمی اور معنوی حمایت کے علاوہ ایک ایسے زمانے میں قم میں رہتے تھے کہ اس وقت اس شہر کی علمی بنیاد ، اسلامی علوم بالخصوص علم حدیث پہ قائم تھی۔ اور اس شہر میں بڑے بڑے محدثین رہتے تھے۔ دوسری طرف سے آل بویہ کی حکومت اور ان کے شیعہ علماء سے حمایت نے شیخ صدوق کے لیے کامیابی کی راہ فراہم کی۔ ان کے مختلف سفروں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے شیخ صدوق نے اپنے والد اور محمد بن حسن بن ولید جیسے دانشوروں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنی تمام ترکوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے علمی اور فقہی فتوائی کتاب تالیف کی۔ من لایحضرہ الفقیہ ایک شیعہ عالم کی درخواست پر فتوائی کتاب کے عنوان سے تالیف ہوئی ہے اور دیگر شہروں سے کیے گئے سوالات کے جوابات جیسے مصر، بصرہ، کوفہ، مداین، نیشابور وغیرہ سے آئے ہوئے خطوط اس عام مرجعیت کی وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ ۸ شیخ صدوق نے مخالفین کے ساتھ مناظرے بھی کیے جو رکن الدولہ دیلمی آل بویہ حکومت کے بادشاہ کے حضور انجام پائے اور ان کے علمی وسعت اور مضبوط براہین پہ استوار ہونے کی وجہ سے بادشاہ اور حاضرین کے تعریف کے قابل ٹھہرائے۔ ۹

---

۵ ۔ امالی ص ۵ (مقدمہ) المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج ا ص ۲۶۔ (مقدمہ)

۶ ۔ الامامۃ والتبصرۃ ص ۱۶۱ بہ نقل از تنقیح المقال ج ۳ ص ۴۲۔

۷ ۔ الامامۃ والتبصرۃ ص ۱۶۱۔

۸ ۔ معانی الاخبار ص ۲۵ (مقدمہ)

۹ ۔ معانی الاخبار ص ۲۵ (مقدمہ) (الامالی ص ۵ (مقدمہ)

شیخ نے اپنے والد محترم سے تعلیم حاصل کرنے اور ان کی وفات کے بعد ۳۲۹ ہجری قمری محمد بن حسین بن ولید کے درس میں شریک ہوئے اور ۱۵ سال ان سے درس حاصل کیا۔ شیخ صدوق اپنے والد محترم کا نہایت احترام کرتے تھے لیکن اپنے استاد ابن الولید کے نظریات کو اپنے والد کی نظریات پہ ترجیح دیتے تھے۔۱۰ ۳۸۱ ہجری قمری کو شہر ری میں وفات پاگئے اور اسی شہر کے قبرستان میں جو آج "ابن بابویہ" کے نام سے مشہور ہے میں دفن ہوئے۔ ان کا مزار ۱۲۳۸ ہجری کو فتحعلی شاہ قاجار کے دور حکومت میں سیلاب کی وجہ سے خراب ہوئے اور ان کے صحیح سلامت جسم اور ان کے ناخنوں پہ لگی مہندی کا مشاہدہ کرنے سے ان کے علمی اور معنوی مقام کو اور بھی بڑھایا۔۱۱

شیخ صدوق نے ۲۰۰ یا ۳۰۰ کتب تالیف کی ہیں ان میں کچھ مقدار باقی بچے ہیں: معانی الاخبار، عیون اخبار الرضا، التوحید، الخصال، ثواب الاعمال و عقاب الاعمال اس کے نمونے ہیں۔ ۱۲

شیخ صدوق کے علمی سفریں

شیخ صدوق حصول علم اور استماع حدیث کے بہت شوقین تھے یہاں تک کہ ان کے شوق لوگوں کے لیے باعث حیرانی بنے اس شوق کی وجہ سے مختلف شہروں کا سفر کیا جسے علمی اصطلاح میں "رحلۃ" کہا جاتا ہے۔ اور بزرگ محدثین سے استماع حدیث کیا ہے ان کی سفروں کا ذیل میں مختصر شرح بیان کی جائے گی:

۱۔ ری: جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے شیخ صدوق کا زمانہ شیعہ اور عالم پسند حکومت، آل بویہ کا دور حکومت تھا تاریخی شواہد کی بنا پہ شہر ری کے حاکم رکن الدولہ (م ۳۶۶) نے لوگوں کی درخواست پر شیخ صدوق کو لوگوں کی رہنمائی، تعلیم اور ہدایت کے لیے دعوت دے کر بلایا شیخ نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے اپنی ساری زندگی اسی شہر میں گذاری اور اسی شہر میں وفات پائے۔ انہوں نے شہر ری میں حمزۃ بن محمد (امام سجادؑ کے فرزند)، ابو الحسن، محمد بن احمد بن علی بن اسد اسدی (معروف بہ ابن جرادۃ بردعی)، ابو علی احمد بن حسن قطان اور دیگر محدثین سے استماع حدیث کیا۔

۲۔ خراسان: جیسا کہ خود شیخ صدوق نے کہا ہے: انہوں نے امیر رکن الدین سے اجازت لیکر ۳۵۲ ہجری کو امام رضاؑ کی زیارت کے لیے مشہد چلے گئے ان کی کتاب امالی کے کچھ احادیث مشہد میں املاء ہوئے ہیں۔ البتہ ۳۶۷ ہجری کو شیخ صدوق دوسری بار

۱۰۔ معانی الاخبار ص ۳۶۔

۱۱۔ معانی الاخبار ص ۶۷/ روضات الجنات ص ۵۳۳/ امالی ص ۱۴۔

۱۲۔ الامامۃ والتبصرۃ ص ۱۶۶۔

اور ۳۶۸ ہجری کو تیسری بار امام رضاؑ کی زیارت کو چلے گئے واپسی پہ آپ استر آباد اور جرجان میں رکے اور ادھر ابو الحسن محمد بن قاسم بن محمد استر آبادی اور دیگر محدثین سے استماع حدیث کیا۔ مشہد کے تیسرے سفر میں انہوں نے ماوراء النہر کے محدثین سے ملنے کیے لیے اس جگہ گئے اس سفر میں نہایت اہم حدیثی منابع ان کے ہمراہ تھے اور تقریبا ۴ سال کا عرصہ بلخ میں رہے۔

اسی طرح مشہد سے واپسی کے سفر میں (ایک سفر سے واپسی کے وقت حدیث حاصل کرنے اور لوگوں کی ہدایت کے لیے جوان کے گمان کے مطابق غیبت کے مسئلے میں شک وتردید سے دوچار ہوئے تھے اور مختلف مذاہب اختیار کیے تھے-) نیشابور میں رکے اور اس شہر میں ابو علی حسین بن احمد بیہقی محمد بن عبدوس نیشابوری سے تحمل حدیث کیے۔

۳۔ کوفہ وبغداد : ۳۵۴ ہجری کو حج اور قبر پیغمبر ﷺ کی زیارت کے لیے حجاز گئے اور راستے میں کوفہ وہمدان میں محمد بن بکران نقاش، علی ابن عیسی مجاور، ابواحمد قاسم بن محمد ہمدانی جیسے محدثین سے استماع حدیث کیا اور اسی سفر سے واپسی پہ ۳۵۵ ہجری کو بغداد پہنچے اور ابو محمد حسن بن محمد حسینی علوی معروف بہ ابن ابی طاہر اور ابراہیم بن ہارون ہیتی سے حدیث حاصل کیا۔

۴۔ماوراء النہر: شیخ صدوق مشہد مقدس کے تیسرے سفر کے دوران ۳۶۸ ہجری کو ماوراء النہر کی طرف گئے اور کچھ عرصہ ایلاق، بلخ، سمرقند فرغانہ جن کا شمار ایران قدیم میں ہوتا تھا رکے اور اسی سفر میں ابو عبداللہ محمد بن حسن موسوی معروف بہ ایدین نعمت اور ان کی درخواست پہ من لایحضرہ الفقیہ کو تدوین کیا۔ ۱۳

قابل ذکر بات یہ ہے کہ شیخ صدوق نے ۲۵۰ مشائخ حدیثی سے تحمل حدیث کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سفر جوان کے حریص بہ علم اور اشتیاق بہ علم پہ دلالت کرتے ہیں ۱۴ نقل حدیث بھی کرتے تھے حالانکہ آپ جوان تھے اسکے باوجود شیعہ ان سے استماع حدیث کرتے تھے۔ ۱۵

---

۱۳ ۔ تفصیل کے لیے: رک: امالی صدوق ص ۶-۱۱ (مقدمہ)

۱۴ ۔ معجم رجال الحدیث ج ۱۷ ص ۳۴۷۔

۱۵ ۔ رجال النجاشی ص ۳۸۹۔

مطالعات قرآنی

شیعه و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«نواں سبق»

شیخ صدوق کے اساتید اور شاگردیں

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۹۔ شیخ صدوق کے اساتید اور شاگردین

شیخ صدوق نے مختلف شہروں کے ا ساتذہ سے استفادہ اور ۲۵۰ سے زائدا فراد سے علم حاصل کیا جن میں کچھ یعنی ان کے والد اور ابن ولید تحدیث کے علاوہ ان کی تعلیم وتربیت میں زیادہ کردار رکھتے ہیں، استاد علی اکبر غفاری، معانی الاخبار کے مقدمہ میں ۲۵۲ افراد کو شیخ صدوق کے اساتذہ شمار کیا گیا ہے، ان کے کچھ اساتذہ کا نام ذیل میں بیان کیا جارہا ہے:

۱۔ احمد بن محمد بن عطار اشعری قمی

۲۔ ابو محمد جعفر بن احمد بن علی فقیہ مروزی، نوادر الاثر کے مصنف۔

۳۔ جعفر بن محمد شاذان

۴۔ ابوالقاسم، جعفر بن محمد بن قولویہ قمی

۵۔ حسن بن ابراہیم بن ہاشم

۶۔ ابو عبداللہ حسین بن احمد اشنانی دارمی

۷۔ ابو علی حسین بن احمد بیہقی

۸۔ حسین بن علی، معروف بہ ابو علی بغدادی

۹۔ حمزۃ بن احمد۔ امام صادق کے فرزندوں میں سے

۱۰۔ علی بن ابراہیم رازی

۱۱۔ علی بن احمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن خالد برقی

۱۲۔ علی بن احمد بن مھزیار

۱۳۔ علی بن بندار

۱۴۔ علی بن فضل بن عباس بغدادی، معروف بہ ابو لحسن خیوطی۔

۱۵۔ ابو عبداللہ، محمد بن حسن، معروب بہ نعمت

۱۶۔ محمد بن علی، ماجیلویہ قمی۔

ان میں سے ان کے والد اور ابن ولید کے علاوہ محمد بن حسن صفار، محمد بن یحی عطار، محمد بن ابوالقاسم ماجیلویہ، احمد بن ادریس وغیرہ نے ان کی تعلیم پہ زیادہ توجہ دیا ہے۔

نشر حدیث میں شیخ صدوق کی اہمیت اور کثرت راوی کے بارے میں ماہر رجال جناب ابوالعباس نجاشی کی سخن بہترین دلیل ہے : " شیعہ بزرگوں نے شیخ صدوق سے استماع حدیث کیا حالانکہ آپ جوان تھے۔"۱

حسن بن عنبس کے بھائی حسین بن علی بن بابویہ، علی بن احمد بن عباس نجاشی، نجاشی کے والد، ابو عبداللہ محمد بن محمد بن نعمان شیخ مفید، حسین بن عباس عضائری اور ابو محمد ہارون بن موسی تلعکبری وغیرہ کا شیخ صدوق کے شاگروں میں شمار کیا جاتا ہے۔۲

شیخ صدوق دانشوروں کی نگاہ سے

شیخ صدوق کاان علماء میں سے شمار ہو تا ہے جن کا دس صدی کے طویل عرصے میں ان کی وفات کے بعد سے آج تک سب نے ہم صدا ہو کر ان کی تعریف کی ہیں اور ان کے علمی اور معنوی شخصیت کی تائید و تاکید کی ہیں۔

۱۔ نجاشی (م ۴۵۰) ان کے بارے میں کہتے ہیں:

ابو جعفر قمی ری کے رہنے والے خراسان کے شیخ اور فقیہ اور شیخ الطائفہ ہیں آپ ۳۵۵ ہجری کو بغداد میں آئے اس وقت آپ زیادہ عمر کے نہیں تھے شیعہ علماء ان سے حدیث سنتے اور ان کی تصنیفات بہت زیادہ تھیں۔۳

۲۔ شیخ طوسی (م ۴۶۰) کتاب رجال میں کہتے ہیں: محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی جن کا کنیہ ابو جعفر ہے، آپ عالی مقام، حافظ، فقہ و حدیث اور رجال سے آگاہ تھے اور بہت سارے کتب کے مصنف تھے۔۴

انہوں نے اپنی کتاب فہرست میں شیخ صدوق کی ان الفاظ میں تعریف بیان کی ہے:

"آپ عالی مقام، حافظ، رجال سے آگاہ اور روایات کے ناقد تھے فقہاکے درمیان حدیث حفظ کرنے اور کثرت علم میں کوئی ان کے ہم پایہ نہیں ہے۔اور ان کی ۳۰۰ کتب ہیں۔۵

۱۔ رجال النجاشی ص ۳۸۹

۲۔ معانی الاخبار ص ۶۹، الامالی ص ۲۶-۲۷۔

۳۔ رجال النجاشی ص ۳۸۹۔

۴۔ رجال الشیخ ص ۴۳۹۔

۵۔ فہرست شیخ ص ۲۳۷۔

ابن شہر آشوب (م۵۸۸) نے انہیں قم کے پیش قدم علماء اور ابن ادریس نے (م۵۹۸) مذکورہ عبارت میں تعریف کیا ہے اور ان کے علمی مقام کو بیان کرتے ہوئے شیخ صدوق کو شیخ مفید کے استاد جانا ہے۔

دیگر علماء رجال اور تراجم کے مصنفین نے مذکورہ عبارات میں شیخ صدوق کی تعریف کرنے کے بعد ان عناوین سے انہیں یاد کیا ہے: الامام ابن الامام، امام عصر، الفقیہ الصدوق، عظیم المنزلۃ فی الخاصۃ والعامہ، بصیر بالعلوم العقلیۃ والنقلیۃ، رئیس المحدثین، عروۃ الاسلام، رکن من الارکان۔۔۔۔۔ ٦

جناب خوانساری نے روضات الجنات میں شیخ صدوق کی تعریف میں بیان کیا ہے:

شیخ، معلم امین، دین وملت کے ستون، محدثین کے سردار، ابو جعفر ثانی، محمد معتمد شیخ کے فرزند مشہور فقیہ، ابو الحسن، علی بن بابویہ قمی، جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں، ان کی تعریف علم و عدالت و فہم و شہرت و فقہ و عظمت وثاقت و حسن حال کثرت و حسن تالیف و دیگر خصوصیات اسقدر واضح ہے کہ بیان اور قلم فرسائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٧

آیت اللہ خوئی نے شیخ صدوق کی ولادت کے بارے میں امام زمانہؑ کی دعا کو ذکر کرنے بعد اس طرح بیان کیا ہے:

"مجھے یقین ہے کہ محمد بن علی بن حسین کا صدوق کے نام سے مشہور ہونا اور اس فضیلت کا ان سے مخصوص ہونا امام زمانہؑ کی دعا کی وجہ سے ہے۔ ایسی فضیلت جس نے انہیں اپنے ہم عصروں سے الگ کیا اور نجاشی اور شیخ طوسی اور ان دونوں کی تعریف شیخ صدوق کو ہر قسم کی واضح توثیق سے بے نیاز کرتا ہے۔ کیونکہ ان کی یہ بات کہ آپ ثقہ ہیں بہت ہی واضح ہے خلاصہ یہ کہ شیخ صدوق کی عظمت نہایت صاف وشفاف اور واضح ہے اور کسی قسم کی شک وتردید نہیں ہے۔ ٨

پھر انہوں نے محقق بحرانی کے دعوی کی طرف اشارہ کیا ہے جنہوں نے شیخ صدوق کی وثاقت میں شک کیا ہے اور ان بات پہ اس پریوں تنقید کیا ہے:

"وانی اعتبر من اعوجاج السلیقہ ولو نوقش فی وثاقۃ مثل الصدوق، فعلی الفقہ السلام ٩، میں اس قسم کی رائے کو بے بنیاد سمجھتا ہوں اور اگر کوئی شیخ صدوق کی وثاقت میں شک کرئے تو فقہ سے توالوداع کرنا ہوگا۔

٦۔ تفصیل کے لیے رک: عیون اخبار الرضاج ٢ص ٨،٧۔

٧۔ روضات الجنات ج ٦ص ٥٣۔

٨۔ معجم رجال الحدیث ج ١٧ص ٣٤٦۔

٩۔ معجم رجال الحدیث ج ١٧ص ٣٤٦۔

فقہ سے وداع کی ضرورت اس لیے ہے کہ بہت سے فقہی مستندات من لایحضرہ الفقیہ کی روایات اور شیخ صدوق کے دیگر کتب پر اتکا کیا ہوا ہے اور شیخ صدوق کی وثاقت میں شک کرنا ان تمام روایات کو چھوڑنے کے برابر ہے۔

شیخ صدوق کی شخصیت کی نہ صرف شیعہ علماء نے بلکہ اہل سنت علماء نے بھی تعریف کی ہے:

ڈاکٹر ذہبی اس بارے میں لکھتے ہیں:

"ابو جعفر، محمد بن علامہ، علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی شیعہ علماء کے درمیان بہت سے تصانیف کے مالک ہیں اور حفظ احادیث میں ان کی مثال دیا جاتا ہے ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ ۳۰۰ کتب کے مصنف ہیں اور ان کے والد محترم بھی شیعہ علماء اور محدثین میں سے ہیں۔۱۰

ذہبی کی شیخ صدوق کی تعریف اور ان کو حفظ حدیث کے مشہور شخصیت اور ان کے والد کی تعریف کرنا توجہ کے قابل ہے۔

خطیب بغدادی اس بارے میں کہتے ہیں:

"آپ بغداد تشریف لائے اور اپنے والد کی پیروی کرتے ہوئے حدیث بیان کیا اور علم رجال کے ماہر اور مشہور شیعہ عالم ہیں۔۱۱

خیر الدین زرکلی نے کتاب اعلام میں انہیں ان عبارات سے یاد کیا ہے:

آپ شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں شیعہ مشہور محدث ہیں اور قم کے لوگوں کے درمیان آپ جیسی شخصیت کسی اور کی نہیں ہے ری میں رہے اور ان کی شہرت خراسان تک پہنچی۔۔۔۔۳۰۰ کے قریب ان کے مصنفات ہیں۔۱۲

شیعہ علماء اور بزرگوں نے شیخ صدوق کے لیے پانچ خصوصیات بیان کئے ہیں:

۱۔ ذہانت اور مضبوط حافظہ

۲۔ علم کی کثرت بالخصوص حدیث، فقہ ورجال

۳۔ تصنیف کی فراوانی

۴۔ وثاقت اور مکمل عدالت

۵۔ حدیث اور محدثین کی ریاست و پیشوائی

۱۰۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۶ ص ۳۰۳۔

۱۱۔ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۸۹۔

۱۲۔ الاعلام ج ۶ ص ۲۷۴۔

ان خصوصیات میں سے تین پہلی خصوصیات بہت سے بزرگوں کے دعوے کے مطابق امام زمانہؑ کی دعا کی بدولت ہے۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«دسواں سبق»

من لایحضرہ الفقیہ کا مختصر تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

من لایحضرہ الفقیہ کا مختصر تعارف

شیخ صدوق نے کتاب کی تمہید میں بیان کیا ہے کہ من لایحضرہ الفقیہ کو اپنے دوست شریف الدین نعمت کی خواہش پر شیعوں کی فقہی رہنمائی کے لیے لکھی ہے اور اپنے معاصر دانشور محمد بن ذکریا رازی کی کتاب من لایحضرہ الطبیب کے عنوان سے استفادہ کرتے ہوئے کتاب کا نام من لایحضرہ الفقیہ (جس کے پاس فقیہ نہیں ہے) رکھا ہے یہ کتاب فقہ سکھانے والی کتاب ہے جسے شیخ صدوق نے توضیح المسائل کی طرح سوالات کے جوابات کے لیے تحریر کی ہے۔

کتاب من لایحضرہ الفقیہ کہ کبھی اسے من لایحضرہ اور کبھی الفقیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے فقہی روایات کی نسبت جامعیت، اتقان اور قدمت نیز مصنف کے علمی مقام و مرتبے کی وجہ سے کتب اربعہ کی دوسری کتاب قرار پائی ہے۔

اس کتاب میں ۵۹۲۰ روایات اور ۶۶۶ باب ہیں اور ان روایات میں سے ۳۹۴۳ روایات مستند ہیں باقی ۲۰۵۵ روایات مرسل (بغیر سند) ہیں اسی طرح اس کتاب میں روایات کی ترتیب فقہی ابوابیات کی ترتیب پر ہے مثال کے طور پر پہلے باب میں پانی کے احکام میں طہارت و نجاست سے بحث کی ہے پھر احکام تخلی پھر کچھ ابواب میں غسل، تیمّم کے احکام بیان کرنے کے بعد نماز کے ابواب کو بیان کیا ہے۔

شیخ صدوق نے اس کتاب کو اس زمانے کے لوگوں کے لیے بحثیت توضیح المسائل لکھا ہے لہٰذا تمام اسناد کو ذکر نہیں کیا لیکن کتاب کے آخر میں "مشیخہ" کے نام سے بعض اسناد کو ذکر کیا ہے۔ اور ان روایات کو جو ان کے فتوے کے مطابق ہو اور مصنف کی نگاہ میں درست ہو اس کو نقل کیا ہے لذا بعض دانشوروں نے من لایحضرہ الفقیہ کی تمام روایات کو صحیح جانا ہے۔[۱]

اس کتاب کے آغاز اور اختتامی جملات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صدوق نے ماوراء النہر کی جانب سفر کے دوران منابع حدیث ساتھ لے گئے تھے اور من لایحضرہ الفقیہ کی تدوین کے لیے ان سے استفادہ کیا ہے۔ استاد علی اکبر غفاری اس بات سے استناد کرتے ہوئے کہ شیخ صدوق کا ایلاق نامی سرزمین میں داخلہ ۳۶۸ ہجری میں تھا اور من لایحضرہ کے بعض نسخوں میں ۳۷۲ ہجری لکھا ہوا ہے اس کتاب کی تدوین کے لیے تقریبا چار سال کا عرصہ لگا ہے۔[۲]

۱۔ ھدایۃ الابرار ص ۵۶، الفوائد المدینۃ ص ۱۸۳

۲۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۵۳۹۔

ہر جلد کا آغاز اس جملے سے ہوتا ہے" قال ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین مصنف ھذا الکتاب۔۔۔۔
جلد کے آخر اور دوسری جلد کی طرف ارجاع سے معلوم ہو. تا ہے مصنف کی رائے کے مطابق یہ کتاب چار جلد میں مر تب ہوئی ہے۔

کتاب کی تصنیف کا محرک

شیخ صدوق نے من لایحضرہ الفقیہ کے مقدمہ میں اس کتاب کی تحریر کے محرک کو یوں واضح کیا ہے:
"جب میری تقدیر مجھے بلخ شہر (افغانستان کا ایک شہر) کے گاؤں ایلاق لے گئی شریف الدین ابو عبداللہ عرف نعمت امام جو موسی کاظمؑ کے فرزند تھے وہاں تشریف لے آئے ان کی ہم نشینی سے مجھے خوشی ملی اور قلبی سکون ملا اور ان کی محبت اور دوستی سے فائدہ حاصل کیا۔۔۔ انہوں نے ایک کتاب کا تعارف کیا جو من لایحضرہ الطبیب محمد بن زکریای رازی کی کتاب تھی اور یہ کہا کہ یہ کتاب طب میں ایک مکمل کتاب ہے اور مجھ سے خواہش کی کہ فقہ میں حلال وحرام، شرائع واحکام میں ایک ایسی کتاب لکھوں جس کے ہوتے ہوئے دوسرے کتب کی ضرورت نہ ہو اور اس کتاب کا نام من لایحضرہ الفقیہ رکھ دوں۔ ۳

شریف الدین نعمت کا اس کتاب کا باعث تحریر بننے کے علاوہ دو نکات پر توجہ کرنا ضروری ہے:
ا۔ شیخ صدوق ماہرین رجال کی زبانی ان کی تعاریف گذشتہ اسباق میں بیان کر چکے ہیں ایک نہایت مشہور فقیہ ہیں قدیم وجدید علماء ان کے علم وفقہاہت پر یقین رکھتے ہیں اور نجاشی نے جو کتب ان کے لیے شمار کیے ہیں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے مرجع تقلید اور شیعہ عالم کے عنوان سے پہچانا جاتا تھا کیونکہ بقول نجاشی نے ان کے بعض کتب کو مصر، کوفہ، مدائن، نیشابور اور بغداد کے لوگوں کے سوالات کے جواب دینے کے لیے تحریر کئے تھے۔ ۴
شیخ مفید آل بویہ حکومت کی جانب سے دینی پیشوا کے طور پر اس شہر میں آئے ۵ یہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ اپنے زمانے میں شیعہ عالم کے طور پر اسلامی ممالک میں پہچانا جاتا تھا۔ یہاں سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ شریف الدین نعمت نے اسلامی علماء کے درمیان میں سے صرف انہیں سے فقہی کتاب لکھنے کی درخواست کیوں کی۔

۳۔ من لایحضرہ الفقیہ ا، ۲
۴۔ رجال نجاشی ص ۳۸۹۔
۵۔ آمالی ص ۶-۷۔

۲۔ شہروں کی مسافت کا دور ہونا اور حمل و نقل کے وسائل کا نہ ہونے کی وجہ سے مختلف جہات میں علماء کی پہنچ دشوار ہوا تھا اس لیے ضروری تھا کہ دانشور حضرات ایسے نسخے اور کتب لکھے جن سے اس عالم کے حضور کے بغیر استفادہ کیا جاسکے اگرچہ کتاب عالم اور استاد کے بغیر بے فائدہ ہے لیکن بہر حال بعض ضروری ضروریات کو رفع دفع کر سکتی ہے اسی حقیقت کو درک کرتے ہوئے محمد بن زکریا ای رازی شیخ صدوق کے ہم شہری اور ہم عصر نے طب میں ایک کتاب تحریر کی اور شیخ صدوق نے بھی اسی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ اور احکام میں من لایحضرہ الفقیہ کے نام سے کتاب تحریر کی۔

من لایحضرہ الفقیہ کی تدوین کا اسلوب

شیخ صدوق نے ہر باب کے لیے خاص عنوان کا انتخاب کیا ہے اور بہت کم جگہوں پہ آیات کو ذکر کرنے کے بعد روایات کو مختلف اشکال میں مثلا: روی محمد بن مسلم عن الصادقؑ، قال الصادقؑ، روی عن النبی ﷺ بیان کیا ہے۔اور بہت کم جگہ پہ روایات میں موجود ابہامات کی وضاحت کیا ہے اور اگر کوئی روایت مخالف ہو تو ان کا راہ حل بیان کیا ہے اور بعض موارد میں روایت کو ذکر کیے بغیر صرف روایت کے مطابق اپنے فتوے کو بیان کیا ہے اور بہت سارے موارد میں مثال کے طور پر کتاب ارث میں روایات سے پہلے یا بعد میں ایک فقیہ کے اسلوب کے مطابق فقہی نظریات کو بیان کیا ہے اور بعض موارد میں اپنے والد محترم کے خط کے متن کو "و قال ابی فی رسالتہ الی" سے ذکر کیا ہے یہ عبارت ان کے اس رائے کو قبول کرنے پر دلالت کرتی ہے اور کبھی اپنے استاد ابن ولید کے نظریات کی طرف اشارہ کیا ہے آپ اپنے تنقیدی یا وضاحتی رائے کو روایت کو بیان کرنے کے بعد "قال مصنف ھذا الکتاب" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔اور بعض جگہ اس عبارت کو لائے بغیر اپنے رائے کو حدیث کے بعد بیان کیا ہے۔آپ بہت سے موارد میں جس روایت پہ گفتگو ہو رہی ہوتی ہے کا دیگر کتب کا حوالہ دیتے ہیں اور یاد دہانی کراتے ہیں کہ یہی روایت ان کی دیگر کتب میں تفصیلی طور پر اسناد کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔نماز و حج کے بارے میں روایات کو تفصیلی بیان کرنے کے بعد نماز و حج بجالانے کی کیفیت کو واجبات اور مستحبات کے ہمراہ بیان کیا ہے۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«گیارہواں سبق»

من لایحضرہ الفقیہ کی خصوصیات (۱)

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

من لایحضرہ الفقیہ کی خصوصیات[1]

شیخ صدوق نے کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے چار نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔کتاب کے طویل ہونے کے خوف سے اسناد کو ذکر نہیں کیا ہے۔"۔۔۔و صنفت لہ ھذا الکتاب ، بحذف الاسانید، لئلا تکثر طرقہ و ان کثرت فوائدہ "۱

شیخ صدوق نے کتاب کے آخر میں تفصیلی طور پر کتاب کے اسناد کو بیان کیا ہے۔ مثلا: مشیخہ کے آغاز میں کہتے ہیں ہر وہ حدیث جو اس کتاب میں عمار بن فضال سے نقل ہوئی ہے اسے عمار نے عمرو بن سعید مدائنی سے اور عمرو نے مصدق بن صدقہ سے اور مصدق نے عمار بن موسی ساباطی سے نقل کیا ہے۔۲

اور کتاب کے آخر میں بیان کیا ہے " تمت ا سانید کتاب من لایحضرہ الفقیہ "۳۔اس مشیخہ میں شیخ صدوق نے اسناد رجال کی توثیق کی ہے اس لیے اسے رجال کی پہلی کتاب میں شمار کیا جاتا ہے۔

۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں جو روایات بیان ہوئی ہیں اصل میں شیخ صدوق کے فتوے ہیں اور ان کی رائے کے مطابق درست احادیث ہیں۔

" ولم اقصد فیہ قصد المصنّفین فی ایراد جمیع ما رووہ، بل قصدت الی ایراد ما افتی بہ و احکم بصحتہ واعتقد فیہ انہ حجۃ فیما بینی و بین ربی"

میرا مقصد مصنفین کی عادت کے مطابق تمام روایات کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ان روایات کو بیان کروں گا جو میرے فتوے کے مطابق ہو اور میری نظر میں درست ہیں اور یہ روایات میرے اور اللہ کے درمیان حجت ہیں۔۴

روایات کی صحت پر اس قسم کی تاکید کی وجہ سے بعض اخباری حضرات نے من لایحضرہ الفقیہ کی تمام احادیث کو صحیح جانا ہے لیکن ان کا یہ نظریہ قابل تنقید ہے۔

---

۱ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲،ا۔

۲ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۴۲۲/۴۲۳

۳ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۵۳۸۔

۴ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ا ص ۵۔

۳۔ شیخ صدوق نے من لایحضرہ الفقیہ کی تدوین میں ۲۴۵ کتب اور دیگر مشہور اور قابل اعتماد کتب بطور نمونہ کتاب حریز بن عبداللہ سجستانی، کتاب عبیداللہ بن علی حلبی، علی بن مہزیار کی کتب، حسین بن سعید کی کتب احمد بن محمد بن عیسی کی نوادر وغیرہ سے استفادہ کیا ہے ان کتب کو اصول اولیہ شیعہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔۵

حیرت کی بات یہ ہے کہ شیخ صدوق نے کچھ موارد کے علاوہ کلینی کا ذکر نہیں کیا ہے۶ اور ان کی کتاب کافی کو اپنے منابع میں ذکر نہیں کیا ہے لیکن جہاں بھی انہیں یعقوب کے نام سے یاد کیا ہے ان پر درود اور سلام بھیجا ہے۔

۴۔ شیخ صدوق نے من لایحضرہ الفقیہ کی تمام روایات کو اپنے ہاتھوں سے لکھا ہے اور شریف الدین نعمت کے سامنے ان کی قرائت کی ہے۔ یہ بات اس چیز کی تاکید کرتی ہے کہ شیخ صدوق نقل و ضبط کی درستگی پر کسقدر تاکید کرتے تھے۔

" قال مصنف ھذاالکتاب: قد سمع السید الشریف۔۔۔۔ المعروف بنعمۃ۔۔۔۔۔۔ ھذاالکتاب من اولہ الی آخرہ بقرائتی علیہ۔۔۔۔ وذلک بارض بلخ من ناحیۃ ایلاق وکتب بخطی۔۔۔۔۷

اسی طرح شیخ صدوق کی تدوین کتاب اور نقل روایات کے اسلوب کے مطابق مندرجہ ذیل خصوصیات کو بیان کیا جاسکتا ہے:

ا۔ قرآنی آیات سے استناد:

بعض موارد میں شیخ صدوق نے کتاب کے ابوابیات کے آغاز میں ان ابواب سے مربوط آیات کو ذکر کیا ہے۔ یہ اسلوب روایات کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر آیات پر توجہ اور روایات کو اتقان بخشی کرنا ہے یہ اسلوب بحار الانوار میں کمال تک پہنچے مثال کے طور پر شیخ صدوق نے کتاب کے آغاز میں طہارت اور نجاست کے باب میں یوں لایا ہے:

ان اللہ۔ تبارک و تعالی۔ یقول: و "۔۔۔ وانزلنا من السماء ماء طھورا" ۸ و یقول۔ عزوجل۔: " وانزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ القادرون" ۹ و یقول ۔عزوجل۔" وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ۔۔۔" ۱۰ فاصل الماء کلہ من السماء وھو طھور وماء البحر طھور۔۱۱

---

۵ ۔" ھذامع نسختہ لاکثر ما صحبنی من مصنفات۔۔۔ وھی مائتا کتاب وخمستہ واربعون کتابا۔۔۔۔ وجمیع مافیہ مستخرج من کتب مشھورۃ علیھا المعول والیھا المرجع مثل کتاب۔۔۔۔۔" ، من لایحضرہ الفقیہ ج ا ص ۲۔۳۔

۶ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ص ۲۳۲،۲۳۱، ۲۲۳، ۱۳۴،

۷ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ۵۳۵-۵۳۹۔

۸ ۔ فرقان/۴۸

۹ ۔ مؤمنون/۱۸

شیخ صدوق نے تین اہم آیات کو پانی کے بارے میں لانے کے بعد تین بنیادی نکات کو ذکر کیا ہے:

الف: پانی کا سرچشمہ آسمان ہے۔ کیونکہ تینوں آیات میں آیا ہے کہ اللہ نے پانی کو بھیجا ہے چونکہ پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے لہٰذا تمام اقسام کا پاک ہونا ضروری ہے۔

ب: پہلی اور تیسری آیت میں پانی کی طہارت (طہارت ذاتی کے علاوہ دیگر اشیاء کی نسبت مطہر ہونا) پر تاکید ہوئی ہے۔

ج) اس آیت " فاسکنہ فی االارض " اور دیگر دو آیات سے پتا چلتا ہے کہ زمینی پانی کنویں کا پانی، دریا کا پانی آسمانی سرچشمہ ہونے کی وجہ سے پاک ہیں۔ باب تیمّم ۱۲، باب جماعت اور فضیلت ۱۳، باب صید اور ذبائح، میں پہلے آیات قرآنی سے استناد کیا ہے، باب جماعت میں " اقیموا الصلواۃ وآتوا الزکاۃ وارکعوا مع الراکعین " ۱۴ کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: " جیسا کہ اللہ نے نماز کا فرمان دیا ہے جماعت کا بھی فرمان دیا ہے " ۱۵

۲۔متناقض روایات کے لیے راہ حل

اگرچہ من لایحضرہ الفقیہ، تہذیب الاحکام کی مانند موافق اور مخالف روایات کے لیے نہیں لکھی گئی نیز شیخ صدوق خود کو ان روایات کو نقل کرنے کے پابند سمجھتے ہیں جو ان کے فتوے کے مطابق ہو اس کے باوجود بہت جگہوں پر مخالف روایات کو بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس طرح روایات کے درمیان ہماہنگی بر قرار کی ہے اور کبھی پیش کردہ راہ حل کے لیے روایات کو شاہد کے طور نقل کیا ہے۔

شیخ صدوق روایات کے تعارض کو حل کرنے کے لیے تعادل وتراجیح کے قواعد مثلا عام کو خاص پر حمل کرنا مطلق کو مقید پر حمل کرنا، دوسرے معصوم کی روایت پر عمل کرنا، روایات کا تقیہ کے طور پر صادر ہونا، اور قواعد فقہ الحدیث سے استفادہ کیا ہے۔

مثال کے طور پر۔ باب زکاۃ میں تین روایات جن میں زکاۃ پیغمبر ﷺ اور ائمہؑ پر حرام ہونے کو بیان کیا ہے اسماعیل بن بزیع کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں راوی کہتا ہے میں نے امام رضاؑ کی خدمت میں کچھ دینار بھیجا اور لکھا کہ ۷۵ دینار

---

۱۰ ۔ انفال/۱۱

۱۱ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۱۰۳۔ س

۱۲ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۱۰۳۔

۱۳ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۳۷۵۔

۱۴ ۔ بقرہ/۴۳

۱۵ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۳۷۵۔

زکات ہے آپ نے خط کے جواب میں لکھا۔ "قبضت (میں نے دریافت کیا)؛ یہ روایت جس میں امامؑ کا زکات دریافت کرنے کے بارے میں بیان ہوئی ہے دیگر روایات سے تعارض رکھتی ہے شیخ صدوق نے اس کے لیے یوں راہ حل بیان کیا ہے:

"اما قبض الامامؑ لما قبضہ، فلیس لنفسہ وانما قبضہ لغیرہ: من اھل الحاجۃ والمسکنۃ وھو مستغن عن اموال الناس بکفایۃ اللہ ایاہ، متی ناداہ لباہ، ومتی سالہ اعطاہ ومتی ناجاہ اجابہ" ١٦ لیکن اس روایت میں امامؑ کا مال کو خود کے لیے دریافت کرنے کے بارے میں آیا ہے اس میں خود امامؑ کے لیے دریافت کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ محتاجوں اور فقیروں کے لیے دریافت کرنا ہے کیونکہ امامؑ کی کفالت کے لیے اللہ کافی ہے اور ائمہؑ لوگوں کے اموال سے بے نیاز ہیں اس طرح کہ جب بھی اللہ کو پکارتے ہیں اللہ ان کی سنتا ہے اور جب بھی اللہ سے کوئی درخواست کرتے ہیں انہیں عطا کیا جاتا ہے جب بھی اللہ سے مناجات کرتے ہیں اللہ جواب دیتا ہے۔

شیخ صدوق نے اپنے کلام کی وضاحت کے لیے کہ امامؑ نے زکات کو لوگوں کے لیے دریافت کیا ہے علم کلام کے اصول و مبانی سے استفادہ کیا ہے اور ائمہؑ کی لوگوں سے بے نیازی اور اللہ تعالی کے پاس ان کے معنوی مقام کو بیان کیا ہے۔کتاب وصیت میں ان روایات سے استناد کرنے کے بعد جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ ایک شخص صرف ثلث مال کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے ١٧۔ امام صادقؑ سے روایت بیان کیا ہے کہ اس روایت کے ظاہر سے یہ سمجھ آتا ہے کہ شخص کے مرنے کے بعد جس طرح سے چاہے مال میں تصرف کیا جاسکتا ہے۔ ١٨ شیخ صدوق ان دو روایات سے تعارض کو رفع کرنے کے لیے کہتے ہیں: امامؑ کا مطلب شخص کے مرنے سے پہلے ہے کہ جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے مثلا تمام اموال کو بخش سکتا ہے ١٩ لیکن اگر وصیت کرے گا تو صرف ثلث اموال میں وصیت کر سکتا ہے پھر آپ اپنے اس اسلوب کی تائید کے لیے امام صادقؑ کی روایت سے استناد کیا ہے۔ ٢٠

روایات کی تفسیر اور ان سے ابہام کو رفع کرنا

اگرچہ فیض کاشانی نے کتب اربعہ کی عیوب میں سے ایک تفسیر اور ابہام زدائی کا نہ ہونے کو بیان کیا ہے ٢١ جوامع حدیث میں مقصد صرف روایات کو نقل کرنا ہوتا ہے نہ کہ تفسیر کرنا، لیکن اس کے باوجود کتب اربعہ بالخصوص من لایحضرہ الفقیہ میں تفسیر

---

١٦ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ٢ص ٣٨

١٧ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ٢ص ٢٠٠/٢٠١

١٨ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ٢ص ٢٠٢۔

١٩ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ٢ص ٢٠٢۔

٢٠ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ٢ص ٢٠٢۔

٢١ ۔ وافی ج ١ص ١٩/ ٢٠

اور ابہام رفع کرنے پہ توجہ دیا گیا ہے۔ شیخ صدوق نے بہت سارے موارد میں روایات کی تفسیر بیان کی ہے مثلا نماز کی فضیلت کے باب میں اس روایت کو ذکر کیا ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ "الصلاۃ میزان فمن وفی استوفی" ۲۲ نماز میزان اور ترازو ہے جو کوئی اسے مکمل طور پہ بجالائے گا مکمل ثواب پائے گا"۔

پھر اس روایت کی یوں تشریح کیا ہے: یعنی بذالک ان یکون رکوعہ مثل سجود، ولبثہ فی الاولی والثانیۃ سواء و من وفی بذلک استوفی الاجر "۲۳ پیغمبر ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ نماز گذار کا رکوع اور سجود، اور پہلی دوسری رکعت میں ٹھہرنا ایک جیسا ہو جو کوئی اس طرح مکمل نماز پڑھے گا مکمل ثواب ملے گا۔

اس طرح کلمہ "وفی" کو مکمل طور پر نماز بجالانا اور "استوفی" کو مکمل ثواب کے معنی میں استعمال کیا۔ اسی طرح منی، مذی، وذی، ودی کے بارے میں روایت بیان کرنے کے بعد ان کے مفاہیم کو بیان کیا ہے۔ ۲۴

۴۔ سند پر توجہ

شیخ صدوق نے کتاب کے آغاز میں بتایا ہے کہ صرف درست روایات کو نقل کیا ہے اور دیگر مصنفین کی طرح ہر قسم کے روایات کو بیان نہیں کیا ہے ۲۵ اس کے باوجود بعض جگہوں پہ بعض روایات کے ضعف سند کو ان کے راویوں کے ضعیف ہونے کی وجہ بیان کیا ہے مثلا: آگ کے سامنے نماز پڑھنے سے منع کرنے والی روایت کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: "یہ روایت اصل اور عمل کے لائق ہے۔ ۲۶ پھر امام صادقؑ سے ایک اور روایت کو بیان کیا ہے جس میں آگ، چراغ اور تصویر کے سامنے نماز پڑھنے کو جائز سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ جس کے لیے نماز پڑھی جاتی ہے وہ اس سے زیادہ نزدیک ہے جس کے سامنے نماز پڑھی جاتی ہے۔ ۲۷ پھر کہتے ہیں: "فھو حدیث یروی عن ثلاثۃ من المجھولین باسناد منقطع یرویہ الحسن بن علی الکوفی وھو معروف، عن الحسین بن عمرو عن ابیہ، عن عمرو بن ابراہیم ھمدانی وھم مجھولون۔ یرفع الحدیث۔ ۲۸

---

۲۲ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۰۷۔

۲۳ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۰۷۔

۲۴ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۶۶

۲۵ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ۱/ مقدمہ

۲۶ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۵۰

۲۷ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۵۰۔

۲۸ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۵۱۔

اس حدیث کو حسن بن علی کوفی (جو کہ خود مشہور راوی ہے) نے تین مجہول الحال افراد سے بیان کیا ہے جن کے نام یہ ہے:
ا) حسین بن عمرو ۲) اس نے اپنے والد سے ۳) اس نے عمرو بن ابراہیم ہمدانی سے یہ تینوں افراد مشہور نہیں ہیں۔
کتاب صوم میں "ان لوگوں پر جنہوں نے یہ سوچ کر افطار کرلیا کہ رات ہو گئی ہے ان پر قضا واجب نہیں ہے "۲۹ اس مضمون کے روایات کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔
" و بھذا الاخبار افتی، ولا افتی بالخبر الذی اوجب علیہ القضاء لانہ روایۃ سماعۃ بن مھران وکان واقفیا، ۳۰ میں ان روایات کے مطابق فتوا دونگا اور ان روایات کے مطابق جن میں اس طرح کے انسان پر قضا واجب سمجھا گیا ہے عمل نہیں کروں گا کیونکہ وہ روایت سماعۃ بن مہران واقفی سے نقل ہوئی ہے۔
ایک اور روایت میں ماہ رمضان میں ۳۱ کسی ایک زوج کے کراہت کے باوجود ہمبستری؛ کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس روایت کو کتب اربعہ میں نہیں پایا اور صرف علی بن ابراہیم نے اسے بیان کیا ہے۔ ۳۲

۲۹ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۵۲۔
۳۰ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۲۲۔
۳۱ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۲۲۔
۳۲ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۱۱۷۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«بارہواں سبق»

من لا یحضرہ الفقیہ کی خصوصیات (۲)

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۵۔اختلاف نقل اور مختلف نسخات پہ توجہ

حدیث کے مشکلات میں سے ایک اختلاف نقل اور نسخ ہے اور اس کی وجہ نقل بہ معنا، پرانے کتب کا علائم، نقطہ اور نشانوں کا نہ ہونا ہے یہ اختلاف کبھی بنیادی طور پر روایات کے معنی کو بالکل بدل دیتا ہے اور جتنا اس کام پہ توجہ دے گا اس کتاب کی برتری محسوب ہوگی بحار الانوار کے تعارف میں اس کو بیان کیا جائے گا کہ اس کتاب کی ایک خصوصیت اختلاف نسخ پہ توجہ کرنا ہے۔[۱]

من لایحضرہ الفقیہ کے کچھ موارد میں اس نکتے پہ توجہ کی ہے مثلا: مردوں کے احکام کی باب میں امام علیؑ سے یہ روایت نقل کی ہے: "من حدد قبرا او مثل مثالا، فقد خرج من الاسلام" [۲] پھر اپنے اساتذہ کی رائے کو "حدد قبرا" کے بارے میں بیان کیا ہے" "محمد بن حسن صفار کہتے ہیں: ح بدد" جیم سے ہے نہ کوئی اور چیز؛ محمد بن حسن بن ولید سے نقل کیا ہے کہ "کچھ عرصہ گذرنے کے بعد قبر کی تجدید یعنی دوبارہ بنوانا جائز نہیں ہے۔۔۔"؛ سعد بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ اس روایت میں فعل "حدد" ہے حاء سے۔ یعنی قبر کو اونٹ کے کوہان کی طرح بنانا جائز نہیں ہے؛ احمد بن عبداللہ برقی سے حکایت کی ہے کہ "جدث" ہے البتہ "جدث القبر" سے کیا مطلب ہے مجھے سمجھ نہیں آیا۔[۳]

ابن ولید کی رائے کو بیان کرنے کے بعد آپ نے ابن ولید کے نظریے کو اختیار کیا ہے جس کے مطابق روایت میں فعل "ح بدد" ہے یعنی نبش قبر حرام ہے کیونکہ جب بھی نبش قبر کرے گا تجدید قبر لازمی ہوگا۔[۴]

٦۔مذہبی نقطہ نظر کا بیاں

شیخ صدوق؛ علماء کی تعاریف اور ان کے عظیم مصنفات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیث، رجال، فقہ، اور علم کلام کے زبردست متکلم تھے۔ کتاب اعتقادات، اور دیگر کتب: التوحید، معانی الاخبار ہماری بات کی دلیل ہے۔ شیخ صدوق کے علیحدہ اور خاص تفکر تھے جو ان کے کتاب اعتقادات اور تصحیح الاعتقاد (جو ان کے شاگرد شیخ مفید کے توسط سے لکھی گئی ہے) کا تقابلی جائزہ لینے سے سمجھ

۱۔ رک: اسی کتاب میں درس نمبر٦

۲ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ص ۱۸۹۔

۳ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ص ۱۹۰ رک: ج ۳ص ۷۲۔

۴ ۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۱ص ۲۲۰۔

آتا ہے۔ مثلاً ایک روایت جس میں سورج کا حضرت سلیمان کے لیے واپس پلٹنے کے بارے میں آیا ہے کہ آپ نماز میں مصروف تھے سورج ڈوب گیا اور نماز قضا ہوئی، آپ نے سورج کو پلٹنے کا حکم دیا اور گھوڑوں کے پیر اور گردن اڑانے کا حکم دیا کہ ان کی وجہ سے یادِ خدا سے غافل ہوگیا۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اور حضرت سلیمان کا مرتبہ اس سے زیادہ ہے کہ اس طرح کے کام کریں کیونکہ گھوڑوں کا تو کوئی قصور نہیں تھا اور گھوڑوں نے جان بوجھ کے خود کو حضرت سلیمان کے سامنے پیش نہیں کیا تھا۔۵

سنی علماء کے بنیادی اصولوں پہ تنقید کرنے کے لیے شیخ صدوق کی اس کلام میں دلیل پیغمبروں کی عصمت تامہ کا بیاں ہے۔ آپ نے سہو و شک کے باب میں امام صادقؑ سے روایت بیان کیا ہے: اللہ تعالی نے خواب کو پیغمبر ﷺ پر مسلط کیا اور ان کی صبح کی نماز قضا ہوگئی پھر اٹھ کے نماز قضا پڑھ لیا اور غلطی سے چار رکعت کو دو رکعت پڑھ لیا اور اسے امت کی رحمت کے لیے انجام دیا۔٦ اس روایت کو بیان کرنے کے بعد آپ نے غلات اور مفوضہ کے اعتقادات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ پیغمبر ﷺ کے لیے سہو کے قائل ہیں۔ اس کے بعد ان کے نظریے پر تنقید کیا ہے۔

۷۔ تاریخی مباحث کا بیان

شیخ صدوق نے مختلف مقام پر خاص مناسبت کی وجہ سے ظریف اور لطیف تاریخی نکات بیان کیئے ہیں۔ مثلاً: مقام ابراہیم کی فضیلت بیان کرنے والی روایات کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ: " مقام ابراہیم، حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اس کا مقام یہ تھا کہ وہ ہمیشہ دیوار کعبہ کے ساتھ رہے لیکن لوگوں نے جاہلیت کی بنا پر اسے موجودہ مقام تک پہنچایا اور جب پیغمبر ﷺ نے مکہ فتح کیا تو اسے دوبارہ پہلی جگہ منتقل کیا جب اسلامی حکومت کی بھاگ دوڑ عمر نے سنبھال لی تو اس نے لوگوں سے پوچھا جسے مقام ابراہیم کے مکان کا پتا ہے اسے بتائے: ایک شخص نے کہا کہ میں نے ایک رسی سے مقام ابراہیم اور کعبہ تک اندازہ لیا ہوا ہے اور وہ رسی ابھی میرے پاس ہے، عمر نے کہا وہ رسی لے آؤ، پھر اس رسی کے ذریعے مقام ابراہیم کو دوبارہ عصر جاہلی کے مکان تک پہنچایا۔۷

کتاب زیارات میں باب زیارت حضرت فاطمہؑ میں آپ کی قبر کے لیے موجود اختلافات کو بیان کرنے کے بعد تین احتمالات بقیع، منبر اور قبر پیغمبر ﷺ کے درمیان، آپ کے گھر، آپ کے گھر میں دفن ہونے والی روایت کو ترجیح دیا ہے۔۸

۵۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ص ۱۹۰ رک: ج ۳ص ۷۲۔

٦۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ص ۱۹۰ رک: ج ۳ص ۷۲۔ سہو النبی کی تفصیل کے لیے رک: عدم سہو النبی، شیخ مفید۔

۷۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ص ۲۴۴۔

۸۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ص ۵۷۲۔

۸۔آداب، اخلاق، دعا اور زیارات والی روایات کا بیان

شیخ صدوق نے بعض موارد میں ایک موضوع پر فقہ اور احکام سے خارج ہونے کی وجہ سے قلم فرسائی کرنا مناسب نہیں سمجھا ہے۔ مثلا، باب "نکت فی حج الانبیاء" میں کہتے ہیں میں قصوں کو بیان کرکے کتاب کو طویل کرنا نہیں چاہتا اور اس حصے میں صرف چند نکات کو بیان کرنا مقصد ہے۹ اور باب وصیت میں پیغمبر ﷺ کا امام علیؑ کو جانشین معین کرنے والی چند روایات کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: میں نے اس بارے میں روایات کو اکمال الدین و تمام النعمۃ۔۔۔ میں بیان کیا ہے۔ لہذا ان روایات کو یہاں بیان نہیں کروں گا کیونکہ یہ کتاب صرف اور صرف فقہ کے لیے تحریر کیا ہے۔۱۰

کتاب کے موضوع سے خارج نہ ہونا اور صرف فقہی موضوعات پہ بحث کرنا من لایحضرہ الفقیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس کے باوجود شیخ صدوق نے بعض موارد میں غیر فقہی روایات اور نظریات کو آداب، اخلاق وغیرہ کے بارے میں بیان کیا ہے اس لیے من لایحضرہ الفقیہ کو ایک فقہی اخلاقی کتاب شمار کیا جاسکتا ہے شاید اس کی دلیل اخلاقی مباحث کا فقہی مباحث کے ساتھ ساتھ ہونا بلکہ بہت سے اخلاقی مسائل کا فقہی مسائل میں مداخلت ہے۔ کیونکہ فقہ کا دائرہ وسیع ہے اور واجب و حرام (جس کا ایک حصہ وجوب صداقت و حرمت کذب یعنی اخلاقیات پر مشتمل ہے) کے علاوہ مستحبات اور مکروہات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اصطلاح میں "آداب و سنن" کہا جاتا ہے۔ فقہ و اخلاق کی ان مباحث میں جدائی ناپذیر ہے ان مباحث کو اخلاقی کتب مثلا غزالی کی کتاب احیاء علوم الدین، فیض کاشانی کی کتاب محجۃ البیضاء، مرحوم نراقی کی کتاب جامع السعادات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ جن میں آداب و سنن کی روایات کو جمع کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر: دینی برادران کے ساتھ رہن سہن کے آداب، سفر کی کیفیت ان میں سے کچھ مباحث اخلاقی ہونے کے باوجود فقہی مسائل بھی ہیں۔

بہرحال من لایحضرہ الفقیہ میں اس قسم کے مباحث وسیع طور پر ذکر ہوئے ہیں۔ آداب حمام، آداب دفن، تعقیبات، کتاب المعیشۃ، خرید و فروش کے آداب، کھانے پینے کے آداب، قنوت کی دعائیں، ماہ مبارک رمضان کی دعائیں، حج کی دعائیں، سونے کی دعائیں، سفر کی دعا،۔۔۔ اور کتاب الزیارات میں روایات کو وسیع انداز میں بیان کیا ہے اور زیارات کے متون وغیرہ ذکر کیا ہے۔ اسی طرح امام سجادؑ کی کتاب حقوق، پیغمبر ﷺ کی امام علیؑ کو اخلاقی وصیتیں، اس قسم کی روایات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

۹۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۲ ص ۲۳۱۔

۱۰۔ من لایحضرہ الفقیہ ج ۴ ص ۱۸۰

من لایحضرہ الفقیہ کے مراسل سے برتاؤ کی کیفیت

شیخ صدوق نے غفلت کی وجہ سے یا فراموشی کی وجہ سے یا دیگر دلائل کی بنا پر ۱۲۰ راوی حضرات کو مشیخہ میں ذکر نہیں کیا ہے نیز دو ہزار روایات میں آخری راوی یا مروی عنہ کا نام ذکر نہیں کیا ہے لہٰذا دو ہزار روایات جو کتاب کہ ایک تہائی کو تشکیل دیتی ہے ارسال پیش آتی ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے چند راہ حل پیش کیا ہے:

۱۔ شیخ صدوق کی دیگر کتب سے رجوع کر کے مشیخہ میں جن راویوں کے نام نہیں آئے ان کے نام جان لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ قدما، متاخرین کے برخلاف روایات کے متن پہ زیادہ توجہ دیتے تھے نہ کہ سند پر کیونکہ ان کی نظر میں وہ روایت درست ہے جو قرائن کے ہمراہ ہو اور یہ قرائن ان کے دسترس میں تھا لیکن متاخرین کے دسترس میں نہیں، لہٰذا یہ روایات سند اور ظاہر کے لحاظ سے مرسل ہے لیکن متن کے لحاظ سے مسند ہے۔

۳۔ شیخ صدوق نے کتاب کے آغاز میں روایت کی درستگی کا ضمانت دیا ہے اور ان کی حدیث شناسی میں تبحر اور روایات کی انتخاب میں احتیاط برتنے کو دیکھتے ہوئے تمام مرسل روایات کو مسند روایات کا درجہ دیا جائے گا۔

۴۔ من لایحضرہ الفقیہ میں اس قسم کی روایات کو نقل کرنے کے لیے الگ اسلوب سے استفادہ کیا گیا ہے بعض موارد میں امامؑ کا نام لیا جاتا ہے اور بعض موارد میں "روی۔۔۔" جیسی عبارت سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے دوسری قسم کی روایات کا اعتبار شیخ صدوق کی نگاہ میں کم ہے۔[11]

۱۱۔ تفصیل کے لیے۔ رک: المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص ۶۸/پژوہشی در تاریخ حدیث شیعہ ص ۵۱۴۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«تیرہواں سبق»

من لا یحضرہ الفقیہ کی شروحات سے آشنائی

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۱۔ روضۃ المتقین، فی شرح اخبار الائمۃ المعصومین

مصنف: مولی محمد تقی مجلسی اول

مولی محمد تقی مجلسی ۱۰۰۳ یا ۱۰۰۴ ہجری کو ایران کے شہر اصفھان میں پیدا ہوئے اور ۱۰۷۰ ہجری کو وفات پائے انہوں نے مولی عبداللہ بن حسین تستری اور شیخ بہائی جیسے اساتذہ سے علم حاصل کیا آپ کی شخصیت کی عظمت کے لیے یہی بس کہ آپ نے روضۃ المتقین جیسی قیمتی علمی کتاب لکھی اور علامہ مجلسی (آپ کے بیٹے) جیسے عالم کی تربیت کی۔

علامہ مجلسی نے کافی کی شرح اور بحار الانوار میں اپنے والد محترم کے نظریات کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نہایت احترام سے انہیں یاد کیا ہے، علامہ محمد تقی مجلسی کتاب کے مقدمہ میں کہتے ہیں:

کچھ برادران دینی نے مجھ سے اہل بیتؑ کی احادیث پہ شرح لکھنے کی درخواست کی تاکہ ان میں موجود اسرار فاش اور ابہام رفع ہو جائے؛ میری عمر ساٹھ سال کا ہوا ہے اور کوئی کام انجام نہیں دیا میں نے من لایحضرہ الفقیہ کو دیکھا جو ایک مختصر اور مکمل کتاب ہے تو اسے شرح کے لیے انتخاب کیا۔ میرے زمانے کے لوگوں کا حوصلہ کم ہوا ہے لہذا مختصرا تشریح کی ہے۔۲

آپ اپنی شرح کے آخر میں اس نکتے کو بیان کرنے کے بعد کہ حدیث کے مطالعہ کا سالہا سال تجربیات کو اس شرح میں منعکس کیا ہے بیان کرتے ہیں کہ: اگر بعض روایات کی شرح اور ان کے مشکل الفاظ کی تشریح میں غفلت برتا ہے تو صرف اور صرف اختصار کی وجہ سے ہے۔۳

مرحوم مجلسی نے کتاب کی شرح بیان کرنے سے پہلے مختصر تمہید میں، قدماء کے نزدیک محفوف قرائن جیسے مباحث کو بیان کیا ہے۔۴

۱۔ مفاخر اسلام ج۱ ص ۴۰/۴۳

۲۔ روضۃ المتقین ج۱ ص ۲، ۳۔

۳۔ روضۃ المتقین ج ۱۴ ص ۳۴۵۔

۴۔ روضۃ المتقین ج۱ ص ۱۸-۲۰۔

آیت اللہ مرعشی نجفی، روضۃ المتقین کے شرح میں اس شرح کو من لایحضرہ الفقیہ پہ لکھی گئی بہترین شرح جانتے ہیں۔ اور اس کی خصوصیات کو یوں بیان کرتے ہیں:

"مصنف نے کسی بھی سند کو اصلاح کیے بغیر اور متن کو واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔۔۔۔ شارح نے کوشش کی ہے کہ راویوں کی جرح و تعدیل و روایات کی ظاہر سے استفادہ کرتے ہوئے متعارض روایات کے درمیان جمع کیا جائے۔۔۔۔۔ نیز فقہ اور رجال کے مفید مطالب بیان کیے ہیں۔ ۵

یہ شرح ۱۴ جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور مصنف کے بیان کے مطابق یہ شرح ایک سچے خواب سے الہام لیتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ اور ایک سال کے عرصے میں ۱۰۶۴ ہجری کو تدوین کا کام مکمل ہوا ہے۔

۲۔ لوامع صاحبقرانی، مصنف: مولی محمد تقی مجلسی

لوامع صاحبقرانی، من لایحضرہ الفقیہ کی فارسی شرح ہے علامہ مجلسی اول نے روضہ المتقین کو لکھنے کے بعد اسی کتاب کو خلاصہ کیا اور اسی کو فارسی میں ترجمہ کیا، آپ کتاب کی تمہید میں تحریر کے محرک کو یوں بیان کیا ہے:

"اس سرزمین کے رہنے والے سب فارسی زبان ہیں اور سب کے لیے عربی زبان میں پڑھنا و سمجھنا ممکن نہیں ہے اسی وجہ سے بہت سارے لوگ حدیث کی کتب اور شرح کے مطالعے سے بے بھرہ رہے ہیں۔ ٦

یہ کتاب شاہ عباس صفوی کی درخواست پہ لکھی گئی ہے اس کتاب کا نام لوامع صاحب قرانی رکھا گیا ہے، آپ کہتے ہیں کہ قارئین کی سہولت کے لیے روایات کی تحت اللفظی وضاحت و ترجمہ اور علماء کی رائے اور ذاتی رائے بیان کرنے کے بعد اسے سلیس فارسی میں تحریر کیا ہے۔ ۷ شارح نے پہلی جلد میں ۸۰ صفحوں میں ۱۲ فوائد پر مشتمل علوم حدیث کے بارے میں اہم مباحث پیش کیے ہیں۔ مذکورہ شرح دو جلدوں میں منتشر ہو چکی ہیں۔

من لایحضرہ الفقیہ کے ابواب اور فصول

۱. باب المیاہ

۲. احکام التخلی

۵۔ روضۃ المتقین ج ۱ ص ۱۸۔۲۰

٦۔ لوامع صاحبقرانی ج ۱ ص ۲۔

۷۔ لوامع صاحبقرانی ج ۱ ص ۱۰،۹۔

۲۵. صلواۃالمسافر

۲۶. صلواۃالخسوف

۲۷. مایقول الرجل ازاآوی الی فرشہ

۲۸. صلواۃاللیل

۲۹. صلواۃالعیدین

۳۰. صلواۃالاستسقاء

۳۱. کتاب الذکاۃ

۳۲. کتاب الصوم

۳۳. کتاب الحج

۳۴. حج الانبیاء والمرسلین

۳۵. سیاق مناسک الحج

۳۶. الزیارات

۳۷. کتاب القضایا والاحکام

۳۸. الش '/'؛///فعہ

۳۹. الوکالۃ

۴۰. الحکم بالقرعۃ

۴۱. الکفالۃ

۴۲. الحوالۃ

۴۳. احکام المشترکات والاحاریم

۴۴. العتق واحکامہ

۴۵. التدبیر

۴۶. المکاتبۃ

۶۹. جملة من احکام البیع وآدابہ

۷۰. باب الربا

۷۱. الصرف ووجوہہ

۷۲. العاریة

۷۳. الودیعة

۷۴. الرہن

۷۵. الصید والدجاجہ

۷۶. الذبائح

۷۷. آنیة الذہب والفضہ

۷۸. آداب الاکل والشرب

۷۹. الایمان والنذور والکفارات

۸۰. کتاب النکاح

۸۱. المتعة

۸۲. باب النوادر

۸۳. احکام الاولاد

۸۴. کتاب الطلاق

۸۵. باب النوادر

۸۶. کتاب الولد وللواط

۸۷. القذف

۸۸. شرب الخمر ووالملاہی

۸۹. السرقہ

سوالات

۱۔ شیخ صدوق کی سفریں ان کی علمی شخصیت کی تکمیل میں کیا تاثیر رکھتے ہیں؟

۲۔ من لایحضرہ الفقیہ پر شیخ صدوق کا مقدمہ کتابشناسی کے حوالے سے کن نکات کے حامل ہے؟

۳۔ من لایحضرہ الفقیہ کی خصوصیات کو بیان کیجئے۔

۴۔ من لایحضرہ الفقیہ کے مرسل روایات سے کس قسم کا برتاؤ کیا جائے۔

تحقیق

۱۔ کم سے کم ۲۰ روایات کی جانچ پڑتال کرکے شیخ صدوق کی من لایحضرہ الفقیہ میں سند اور متن کے بارے میں اسلوب کی وضاحت بیان کیجئے۔

۲۔ شیخ صدوق کے کچھ روایات کے اختتام میں مثلا سہو النبی۔۔۔ بیان کردہ رائے سے ان کی فقہ الحدیث کے نظریات کو بیان کیجئے۔

۳۔ من لایحضر الفقیہ اور کافی کا تقابلی جائزہ لیں اور ان میں موجود مشترک اور متفرقہ نکات کو بیان کیجئے۔

۴۔ شیخ صدوق کی مشیخہ کی جانچ پڑتال کیجئے۔

۵۔ من لایحضر نے دیگر جوامع حدیث بالخصوص تہذیب الاحکام اور الاستبصار پر کسقدر اثر چھوڑا ہے جانچ پڑتال کیجئے۔

۶۔ مجلسی اول نے من لایحضر کی روایات کی تبیین اور تشریح میں کس اسلوب کو اپنایا ہے؟ وضاحت بیان کیجئے۔

۷۔ شیخ صدوق کا من لایحضر میں اپنایا ہوا اسلوب اور ان کی دیگر کتب میں استفادہ شدہ اسلوب کے بارے میں ایک تحقیق پیش کیجئے۔

مطالعہ اور تحقیق کے لیے منابع اور حوالہ جات

۱۔ کتاب من لایحضر الفقیہ کا مقدمہ

۲۔ شیخ صدوق کی آمالی کا مقدمہ

۳۔ معانی الاخبار کا مقدمہ

۴۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج ا ص ۶۶-۶۹

۵۔ علم حدیث ص ۳۱۸-۳۱۲

۶۔پژوہشی در تاریخ حدیث شیعہ ص ۴۹۲/۵۱۵۔

۷۔حدیث شناسی ج۱ص ۲۱۵/۲۲

مطالعات قرآنی

شیعه و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چودھواں سبق»

تہذیب الاحکام اور الاستبصار کا تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

تہذیب الاحکام اور الاستبصار کا تعارف

ا۔ تہذیب الاحکام فی شرح المقنعہ، مصنف شیخ طوسی (م ۴۶۰)

ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، جو شیخ، شیخ الطائفہ کے القاب سے مشہور ہیں، آپ ماہ رمضان ۳۸۵ ہجری قمری کو پیدا ہوئے ا آپ کی خاندانی حیثیت اور دوران جوانی کے ، بارے میں ، تاریخ میں واضح طور پر کچھ بیان نہیں ہوا ہے لیکن تین پوائنٹس پہ غور کرنے سے اندازہ لگا ، یا جاسکتا ہے کہ آپ نے دینیء لوم کو اپنے شہر طوس میں حاصل کیا ہے، منا سب سماجی حالات اور ثقافتی مواقع کی فراہمی نے شیخ طوسی کی علمی کوششوں کو رونق بخشا اس طرح کہ:

ا۔ شیخ طوسی کے زمانے میں یعنی چوتھی اور پانچویں صدی میں طوس کا شہر علم اور ثقافت کا شہر شمار میں آتا تھا اور اسی شہر سے بہت سے مشہور علماء وجود میں آئے ہیں۔ شیخ طوسی کی علمی شوق و اشتیاق جو ان کی تمام زندگی میں قابل مشاہدہ ہے سے نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یقیناً انہوں نے اپنے شہر کے مناسب علمی فضا سے استفادہ کیا ہوگا۔

۲۔ شیخ طوسی کا زمانہ ایران اور عراق میں آل بویہ کی حکومت کا دور تھا آل بویہ وہ شیعہ حکومت ہے جو صفویہ سے پہلے ایران میں تشکیل ہوئی اور اپنی تمام قدرت اور سہولیات کو مذہب تشیع کی بنیادی استحکام اور شیعہ علماء و علمی مراکز کے لیے وقف کیا؛ شیخ طوسی سے پہلے آل بویہ کی حمایت اور حوصلہ افزائی کا یوں نتیجہ نکلا کہ (پچھلے اسباق میں بتا چکے ہیں) شیخ صدوق کو قم سے ری بلوایا گیا؛ نیز مختلف علمی کتب کے شائع ہونے کا سبب بنا اور شیخ طوسی کی بغداد واپسی پر مختلف طریقوں سے یہ حمایت مسلسل جاری رہا۔

اس حما ، یت سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ طوس کا شہر بھی اس درخشاں دور میں علم و عالموں کا گہوارہ تھا اور شیخ طوسی نے بھی انہی علماء اور دانشوروں کے دامن میں تربیت پائی ہے۔

۳۔ شیخ طوسی ۴۰۸ ہجری کو ۲۳ سال کی عمر میں بغداد آئے اور صرف ۵ سال کا عرصہ شیخ مفید سے مستفید ہوسکے ۲ اور اسی وقت یا شیخ مفید کی وفات سے ایک یا دو سال پہلے شیعہ جوامع حدیث کی کافی کے بعد سب سے بڑی کتاب یعنی تہذیب الاحکام کی تحریر

ا۔ النہایۃ ج ا ص ۶ (مقدمہ)، التبیان ج ا ص ج۔

۲۔ النہایۃ ج ا ص ۶ خلاصۃ الاقوال ص ۱۴۸/ الاستبصار ج ا ص ۱۵۔

کا آغاز کیا۔

تہذیب الاحکام صرف ایک کتاب حدیث نہیں ہے جسے سادگی سے پڑھ کے گذر جائے بلکہ ایک اجتہادی کتاب ہے جس میں شیخ طوسی نے متعارض روایات کا حل اور روایات کی فہم و تنقید بیان کیا ہے شیخ کی ادب، اصول، حدیث اور رجال کی صلاحیت اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ کیا یہ تمام علوم بغداد آنے کے دو سال بعد حاصل کیا ہے؟ یقینا جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے آپ نے علم لغت اور ادب کے علاوہ دیگر اسلامی علوم اپنے وطن طوس سے حاصل کیا تھا۳ بغداد جانا اور شیخ مفید کے دروس سے استفادہ کرنا صرف ان علوم کو کمال تک پہنچانے کے لیے تھا۔

شیخ طوسی ۴۰۸ کو بغداد آئے اور اس زمانے کے مشہور شیعہ عالم شیخ مفید اور ان کے ہم عصر حسین بن عبید اللہ عضائری اور محمد بن احمد بن ابی الفوارس سے بھرہ مند ہوئے، انہوں نے تہذیب الاحکام کی تحریر کا آغاز شیخ مفید کے دور میں کیا۔ شیخ مفید کی وفات کے بعد آپ کے سب سے اہم اور لائق شاگرد سید مرتضی (شیخ مفید کے بعد شیعوں کی سرپرستی کا عہدہ آپ نے اٹھایا) کے علم سے ۲۳ سال فائدہ اٹھایا۔۴ شیخ طوسی نے اس دور میں اپنے استاد سید مرتضی کی کتاب "الشافی" کا خلاصہ کیا آج "تلخیص الشافی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

انہوں نے اختیار معرفۃ الرجال اور الفہرست کو سید مرتضی کے دور میں لکھی تھی، سید مرتضی کے پاس شاگردی کرتے ہوئے آپ نے علال بن جعفر حفار، محمد بن احمد بن شاذان، جیسے اساتذہ سے بھی علم حاصل کیا۵ سید مرتضی کی وفات کے بعد (۴۳۶ ہجری) کو شیعوں کی علمی اور معنوی قیادت آپ کو ملی اس لحاظ سے ۴۳۶ ہجری سے ۴۴۸ ہجری یعنی ۱۲ سال کا عرصہ شیعوں کی قیادت کے علاوہ تدریس اور تحقیق میں بھی مصروف رہے۔

خلیفہ عباسی "القائم باللہ" (۴۲۲-۴۶۷ ہجری) نے سرکاری طور پہ علم کلام کی تدریس کا کام ان کے سپرد کیا اور شیخ، کو "الطائفہ" کا لقب ملا اور شہرت کی اوج پہ پہنچ گئے اور ان کے تدریس میں مختلف مذاہب کے تین سو سے زائد افراد شرکت کیا کرتے تھے، شیخ کی روز بروز ترقی نے کچھ لوگوں کے دلوں میں حسادت پیدا کی اور انہوں نے خلیفہ کے سامنے انہیں خلفاء کو لعن کرنے کی تہمت لگائی شیخ نے اپنی ذہانت سے اس پلان کو ناکام بنایا ۴۴۷ ہجری میں طغرل بیک سلجوقی بادشاہ بغداد آیا اور متعصب

۳۔ الامالی ص۹۔

۴۔ امالی ص۹/۱۰۔

۵۔ التبیان فی تفسیر القرآن ج۱ص۹/۱۰۔

سنیوں کو شیعوں کے خلاف بڑھکایا انہوں نے بار بار شیخ کے گھر پہ حملہ کیا اور ایک شیعہ مشہور عالم ابو عبداللہ جلاب کو شیخ کے دروازے پہ شہید کیا اور نہایت اہم شیعہ لائبریری جو ابو نصر شاپوری اردشیر ، بہاء الدولہ دیلمی کے وزیر کے حکم سے ۳۸۱ ہجری میں تاسیس ہوئی تھی کو جلادی۔ آخر کار ۴۴۸ ہجری کو بغداد کے محلّہ کرخ میں شیخ کے گھر پہ حملہ کر کے شیخ کے مال و دولت کو ضبط کرنے کے بعد ان کی لائبریری کو آگ لگادی۔

شیخ طوسی ان تمام مسائل و مشکلات کو برداشت کرنے کے بعد بغداد سے کوچ کرنے پہ مجبور ہوئے اور نجف اشرف (جس پر اس دن ، تک کسی نے خاص توجہ نہیں دیا تھا) کو رہنے کے لیے انتخاب کیا۶ اور ۴۴۸ میں شیخ کے نجف آنے سے شیخ کی وفات یعنی ۴۶۰ ہجری تک نجف شیعوں کے لیے علمی مرکز بن گیا اور عبدالکریم حائری کے زمانے تک (جب انہوں نے اراک کے حوزے کو ترک کیا اور قم آئے تو قم شیعوں کا علمی مرکز بن گیا) شیعہ علمی مرکز کے طور پر علماء اور دانشور حضرات اس شہر میں تحقیق و تدریس میں مصروف رہے اور ہزار کی تعداد میں کتب نجف سے شائع ہوئی ہیں۔

۴۶۰ میں شیخ طوسی نجف میں وفات پائے اور ان کی وصیت کے مطابق ان کو اپنے گھر میں دفن کردیا۷ یہ گھر شیخ طوسی کے مسجد کے نام پہ تدریس اور نماز جماعت برپا کرنے کے لیے عصر حاضر تک استعمال ہوتا رہا ہے۔ شیخ محمد حسن (جواہر الکلام کے مصنف)؛ آخوند خراسانی (کفایۃ الاصول کے مصنف)؛ شیخ الشریعہ اصفہانی؛ شیخ ضیاء الدین عراقی وغیرہ نے شیخ طوسی کی مزار سے متبرک ہونے کے لیے اس مسجد میں تدریس اور شاگردوں کی تربیت شروع کی۔۸

شیخ طوسی کی کتب کا مختصر جائزہ

کتاب شناسی کے ماہر استاد شیخ آغا بزرگ تہرانی نے تفسیر تبیان کے مقدمہ میں شیخ طوسی کے لیے ۴۷ کتب کا نام لیا ہے اور یہ رائے رکھتے ہیں کہ ان میں سے کچھ ہم تک پہنچے ہیں اور کچھ ختم ہوئے ہیں۹ شیخ طوسی کی موجودہ کتب کو ۸ قسم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ تفسیر وعلوم قرآن جو تبیان، المسائل الرجبیہ، المسائل الدمشقیہ جیسے کتب پر مشتمل ہے۔

۶۔ الخلاف ج ۱ ص ۹،۸ (مقدمہ) آمالی ص ۱۱۔

۷۔ الکنی والالقاب ج ۲ ص ۳۹۵، التبیان ج ۱ ص ۱۱۔

۸۔ التبیان ج ۱ ص ۱۰۔

۹۔ التبیان فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ی۔ او (مقدمہ)

۲۔ حدیث: جو تہذیب واستبصار کو شامل ہے۔

۳۔ رجال: فہرست، رجا، اختیار معرفۃالرجال جیسی کتب پر مشتمل ہے۔

۴۔ کلام: تلخیص الشافی، الغیبۃ، المفصح فی الامامۃ، الاقتصاد فیمایجب علی العباد، النقض علی ابن شاذان، فی مسالۃالغار، مقدمہ فی المدخل الی علم الکلام، ریاضۃالعقول، مایعلل ومالایعلل، اصول العقائید، المسائل فی الفرق بین النبی والامام شیخ طوسی کے کلام کی بعض کتب ہیں۔

۵۔ اصول فقہ

۶۔ فقہ: النہایۃ، المبسوط، الخلاف شیخ طوسی کے فقہ کی کتب ہیں۔

۷۔ ادعیہ اور عبادات: مصباح التہجد، ھدایۃالمسترشد وبصیرۃالمتعبد، مختصر عمل یوم ولیلۃ، مناسک الحج، ادعیہ اور عبادات کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتابیں ہیں۔

۸۔ امالی وکتب متفرقہ: المجالس فی الاخبار، (الامالی) او مقتل الحسین۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«پندرہواں سبق»

تہذیب الاحکام کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

.۱۵تہذیب الاحکام کا تعارف

تہذیب الاحکام کافی اور من لایحضرہ الفقیہ کے بعد کتب اربعہ کی تیسری کتاب ہے یہ کتاب شیخ مفید کی کتاب مقنعہ پر شرح لکھی گئی ہے ۱۳۵۹۰ روایات اس میں موجود ہیں ۳۹۳ کتاب اطہارت سے دیات تک ۱۰ جلدوں میں تحریر ہوئی ہے۔

شیخ طوسی طوس سے بغداد ہجرت اور شیخ مفید کے درس میں حاضری کے بعد شیعہ روا یات فقہ کو تعارضات کے بحران میں دیکھا کہ یہ تنازعہ اور بحران مخالفین کا شیعہ مذہب پہ طنز کرنے کا باعث بنا ہے لہذا مقنعہ اپنے استاد کی کتاب کو انتخاب کیا اور موافق و مخالف روایات کی عکاسی کرتے ہوئے اس مسئلے کو کس طرح حل کرنے کی سوچ میں پڑ گئے۔

مقنعہ کے آغاز میں اگرچہ اعتقادات کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے لیکن شیخ طوسی نے اختصار کو پیش نظر رکھتے ہوئے روایات فقہ سے تعارض کو رفع کرنے کے لیے صرف فقہ کے مباحث کی تشریح کی ہے کتاب مقنعہ آج کے توضیح المسائل کی طرح ہے جن میں دلائل و شواہد کے بغیر صرف نظریات اور فتاویٰ کو بیان کیا ہے اس فرق کے ساتھ کہ اس میں عقائید بھی بیان ہوا ہے شیخ طوسی کا المقنعہ کو انتخاب کرنے کی چند وجوہات ہیں:

ا۔ شیخ مفید کا مقام، جیسا کہ شیخ طوسی کے سوانح حیات میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ مفید اپنے زمانے کے مشہور عالم دین تھے اور مختلف اسلامی علوم اور معنویات میں دیگر اسلامی فرقوں کے درمیان مشہور تھے۔اس قدر مشہور شخص کی کتاب پہ شرح لکھنا شرح کے مقام کو بھی بڑھاتا ہے۔

۲۔مقنعہ شیعہ علماء کے نظریات کو بیان کرنے والی کتاب، شیخ طوسی نے تہذیب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے اس کتاب کو شیعہ مخالفین کے مقابل میں ان کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے تحریر کیا ہے۔۲اس کام میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ شیعہ اعتقادات کے حامل ایسی کتاب کا انتخاب کرتے جو معتبر و مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ ثقافت کو

ا ۔ تہذیب الاحکام کی روایت کی تعداد میں اور بھی رائے موجود ہیں۔ رک: اعیان الشیعہ ج ۹ ص ۱۶۱، الذریعہ ج ۴ ص ۵۰۴۔

۲ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ ص ۳۔

منعکس کرتی ہو اور مقنعہ میں مذکورہ تمام خصوصیات موجود تھی لہٰذا اگر شیخ طوسی اس کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا انتخاب کرتے تو ان پہ یہ اعتراض کیا جاسکتا تھا کہ یہ کتاب شیعہ نظریات کو بیان کرنے والی کتاب نہیں ہے جسے آپ نے انتخاب کیا ہے۔

۳۔ شیخ مفید کے علمی اور معنوی حمایت سے فائدہ اٹھانا، شاید شیخ مفید کی کتاب کو انتخاب کرنے (جو شیخ طوسی کے جوانی کے ایام میں انجام پایا) کا یہ مقصد تھا کہ ان کے استاد ان کے کام کو دیکھے پرکھے اور ان کے نقاط قوت اور ضعف کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس کام میں ان کی مدد کرے۔ حالانکہ مذکورہ بات کی کوئی دلیل نہیں ہے اور شیخ مفید بھی تہذیب الاحکام کے تحریر کے آغاز میں ہی وفات پا گئے۔

تہذیب الاحکام کی تحریر کا محرک

شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام کے آغاز میں اس کتاب کی تحریر کے مقصد کو بیان کیا ہے اس بات کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں ان کی گفتگو کا کچھ حصہ بیان کریں گے:

"بعض دوستوں نے یاد دلایا کہ اصحاب کی احادیث میں تعارض، تباین، تنافی اور تضاد پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ بہت ہی کم پیش آتا ہے کہ ایک روایت ذکر ہوئی ہو اور اس کا متعارض روایت نہ بیان ہو اور کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کا مخالف روایت بیان نہ ہوئی ہو یہاںتک کہ ہمارے مخالف حضرات اسی چیز کو اعتراض کا سب سے بڑا بہانہ بناتے ہیں اور ہمارے عقائد کو باطل جانتے ہیں اور کہتے ہیں: "شیعہ گذشتہ اور حالیہ علماء کے اختلاف کی وجہ سے شیعہ مخالفین شیعوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ فروع دین میں اختلاف رکھتے ہو اور کہتے ہیں: حکمت والا انسان اس قسم کے عقائید کے پابند نہیں ہوتے اور دانا شیخ اس قسم کے متناقض احکام پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اور شیعوں کے درمیان یہ اختلاف دیگر مذاہب کی نسبت زیادہ ہے اور شیعوں کے درمیان موجود اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ مذہب ہی باطل ہے،" یہ اعتراض باعث بنا کہ کچھ شیعہ حضرات جن کے پاس علم و فہم نہیں ہے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے اور اپنے عقیدے سے دست بردار ہوگئے۔ میں نے اپنے استاد شیخ مفید سے سنا ہے کہ آپ کہتے ہیں: " ابوالحسن ہارونی علوی امامت اہلبیتؑ اور ان کے برحق ہونے کا اعتقاد رکھتا تھا لیکن جب روایات میں اختلاف کو مشاہدہ کیا اور بعض روایات کا فہم اس کے لیے دشوار تھا لہٰذا شیعہ مذہب سے ہاتھ اٹھالیا اور سنی بن گیا۔

اس دینی برادر نے مجھ سے کہا کہ اس کڑوے سچ کے ہوتے ہوئے ایک ایسی کتاب کی تشریح جس میں مختلف روایات اور متنافی احادیث کی تاویل موجود ہو اہم فریضہ ہے اور اللہ کے نزدیک زیادہ مقرب عمل ہے اور مجھ سے درخواست کی کہ اپنے استاد شیخ مفید کی کتاب "المقنعہ" کو اس کام کے لیے انتخاب کروں کیونکہ احکام کی تشریح کی ضرورت کے مطابق مختصر کتاب ہے اور مجھ

سے درخواست کی کہ کتاب طہارت سے شروع کروں اور توحید و عدل و نبوت و امامت کے مباحث کو چھوڑ دوں کیونکہ شرح طویل ہو جائے گی اور اس کتاب کا مقصد بھی عقائد کو بیان کرنا نہیں ہے۔[۳]

شیخ طوسی کے اس کلام سے چند نکات حاصل ہوتا ہے جو ان کے تہذیب الاحکام کی تحریر کے محرک کو بیان کرتا ہے:

۱۔ شیخ طوسی نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ایک دوست کا نام لیا ہے جن کے حق کو ادا کرنا آپ اپنا فریضہ سمجھتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ انہوں نے پہلی بار شیعہ روایات میں موجود ابتدائی اختلاف کی یاد دہانی کی اور اس قسم کی کتاب کی تحریر کی ضرورت کو بیان کیا اور اس کام کے لیے کتاب مقنعہ کو تجویز کیا۔ شیخ طوسی نے اس شخص کا نام نہیں لیا ہے لیکن ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص اسلامی علوم و فنون سے آگاہ تھا شیخ طوسی نے اپنی دیگر کتب میں من جملہ رجال، الرسائل العشر، الجمل و العقود، الغیبہ، اس شخص کو "الشیخ الفاضل" کے نام سے یاد کیا ہے اور واضح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ان میں سے کچھ کتب کو اس شخص کی درخواست پہ تحریر کیا ہے۔ کچھ معاصر حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ "شیخ فاضل" بغداد کا ایک سیاستدان اور مذہبی شخصیت تھی جن کی حمایت سے شیخ طوسی نے بغداد میں اپنی کتابیں لکھی۔[۴] بہبودی اس بارے میں رقم طراز ہے:

"ہمیں اس سیاسی و مذہبی شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں پتا ہے اور شیخ طوسی جنہوں نے انہیں یاد کیا ہے اس عنوان کے علاوہ اس شخص کے بارے میں کچھ اور نہیں بتایا ہے صرف اتنا کہ اپنی کتابوں کے مقدمے میں کہتے ہیں کہ اس عظیم شخص کا میری گردن پہ حق ہے اور میں ان کی صلاح و مشورے سے ان کتابوں کی تحریر کو اس طرح انجام دیا ہے۔[۵]

لیکن دیگر ماہرین کتب و رجال شیخ آغا بزرگ تہرانی[۶] اور دیگر معاصر حضرات[۷] بعض قرائن و نشانیوں سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "شیخ فاضل" سے مراد قاضی عبد العزیز بن نحریر بن عبد العزیز بن براج، عرف قاضی براج (طرابلس کے قاضی ۴۸۱ وفات) ہے جنہوں نے کچھ عرصہ سید مرتضی اور شیخ طوسی سے علم حاصل کیا اور شیخ طوسی کے سامنے ان کی خاص عزت و مقام تھا) اسی لیے شیخ طوسی انہیں شیخ فاضل کے نام سے یاد کیا ہے اور تہذیب الاحکام جیسی گرانقدر کتاب کو ان کی درخواست پہ تحریر کیا ہے۔

۳۔ تہذیب الاحکام ج۱ص ۳،۲۔

۴۔ پژوہشی در تاریخ حدیث شیعہ ص۵۲۹۔

۵۔ پژوہشی در تاریخ حدیث شیعہ ص۵۲۹۔

۶۔ الذریعہ ج۵ص ۱۴۵۔

۷۔ النہایہ ج۱ص ۲۲(مقدمہ استاد واعظ زادہ) رک: المہذب البارع ج۱ص ۲۳(مقدمہ)، الرسائل العشر ص ۵۲۔

۲۔ شیعہ مخالفین کا شیعوں پہ اعتراضات جن کا ذکر شیخ طوسی نے کیا ہے بغداد کے شیعوں اور سنیوں کے درمیان فکری اور عقیدتی جھگڑے پہ دلالت کرتی ہے۔ پہلے ہم نے ذکر کیا ہے کہ بغداد آنے کے بعد شیخ طوسی ان جھگڑوں کے درمیان پھنس گئے مخالفین کے فقہ پہ اعتراضات کے درمقابل مذہب تشیع سے دفاع کرنا انہوں نے اپنا فریضہ سمجھ لیا لہٰذا شیخ طوسی کا بغداد میں موجودگی نے (بغداد جسے اس زمانے کا اسلامی دارالحکومت سمجھا جاتا تھا) انہیں اسلامی فرقوں کے درمیان موجود اہم اور گہرے اعتراضات سے آگاہ کیا۔ اس قسم کا ماحول شیخ طوسی کے علمی و فکری ترقی کا باعث بنا۔

۳۔ تہذیب الاحکام کی تدوین کا سب سے اہم محرک فقہ کی روایات میں موجود تناقض، اور ان تناقضات کو رفع کرنا ہے شیخ طوسی کی نگاہ سے ان ابتدائی شبہات نے شیعہ ثقافت کو دو بنیادی مسائل سے دوچار کیا ہے:

الف) متعصب شیعہ مخالف حضرات نے ان ابتدائی شبہات کا غلط استعمال کرتے ہوئے شیعہ مذہب کو باطل قرار دینے کی کوشش کی اور شبہہ افکنی کیا۔

ب) شیعہ روایات میں اختلاف باعث بنا کہ کچھ شیعہ حضرات یہ سوچے کہ شیعہ بنیاد ہی ضعیف ہے، حالانکہ شیخ طوسی نے ان کے لیے جو تعبیر استفادہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ علم و بصیرت سے ناآشنا ہیں۔ اس سے غفلت برتا ہے کہ فروع میں اختلاف کا اصول سے کوئی رابطہ ہی نہیں ہے۔

تہذیب الاحکام کا انداز تحریر

شیخ طوسی نے کتاب کے مقدمہ میں اس کتاب کی تحریری اسلوب اور روایات کی ترتیب کو اس طرح بیان کیا ہے:

اس کتاب کے ابوابیات کو المقنعہ کے ابوابیات کی ترتیب پر مرتب کرنا ہے اس طرح کہ ایک ایک مسائل کو ذکر کرنے کے بعد ان کے دلائل کو بیان کروں گا اور وہ دلائل یہ ہیں:

۱۔ ظاہر قرآن۔ صریح دلیل یا مضمون دلیل جو قرآنی معنا کے مطابق ہوں۔

۲۔ سنت قطعیہ۔ جو متواتر روایات کو شامل ہوں، یا وہ روایات جو قرائن کے ہمراہ ہوں جو ان کی درستگی پہ دلالت کرتی ہوں۔ یا مسلمانوں کا اجماع اگر یہ اجماع ہو تو۔ یا امامیہ کا اجماع۔ پھر اصحاب کے مشہور احادیث کو مسئلے کے بارے میں ذکر کروں گا اس کے بعد اس روایت کے مخالف و متناقض روایات کی جانچ پڑتال کروں گا اور ان کے جمع کے دلائل بیان کروں گا۔ یا تاویل کے ذریعہ یا روایات کے ایک گروہ کو ضعف سند کی وجہ سے باطل جانتے ہوئے؛ یا اصحاب کا ان روایات کے مضمون کے برخلاف عمل کرنے کی وجہ سے، اور اگر روایات کے درمیان جمع یا ترجیح کا کوئی راستہ باقی نہ رہا تو ان روایات پر عمل کیا جائے گا جو اصل کے

موافق ہوں اور جو اصل کے مخالف روا یات ہوں اسے رہا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی حکم کے لیے نص صریح نہیں ہو تو اسے اصل کے مطابق سمجھا ہے اور جہاں تک ممکن تھا روایات کو تاویل کیا ہے بجائے ان کے اسناد پہ اعتراض کروں اور کوشش کی ہے کسی روایت کو خواہ مخواہ نہیں چھوڑوں اور اس کی تاویل کے لیے دیگر روایات سے مدد لیا ہے کہ وہ روایات یا واضح طور پر یا ضمنی طور پہ اس روایت کی تائید کرتی ہو اور اس طرح فتوا اور تاویل کے لیے احادیث پر عمل کیا ہو۔ ۸

شیخ طوسی کی اس گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب الاحکام چھے مرحلوں میں اس طرح مرتب ہوئی ہے:

۱۔ فقہی مسائل کی شیخ مفید کی کتاب مقنعہ کی ترتیب کی بنا پہ ذکر

۲۔ غیر روائی دلائل کا ذکر۔ شیخ نے تین قسم کے دلائل کو بیان کیا ہے قرآن، سنت، اجماع اور مختلف قرآنی دلالتوں کو بیان کیا ہے، سنت متواتر اور قرائن کے ہمراہ آحاد روایتوں کو شامل ہوتی ہے، اجماع بھی شیخ کے نظریے کے مطابق تمام مسلمانوں کی اجماع یا شیعہ علماء کی اجماع کو شامل ہے۔

۳۔ حدیث کے دلائل کا ذکر، تہذیب الاحکام کا ایک بنیادی حصہ انہی دلائل پہ استوار ہے شیخ طوسی نے ہر مسئلہ کے لیے روایت بیان کیا ہے۔

۴۔ مخالف دلائل کا ذکر، چونکہ تہذیب الاحکام کی تدوین کا محرک، متناقض روایات کی جمع ہے لہٰذا شیخ طوسی نے ہر مسئلے پہ دلالت کرنے والی روایات اور مخالف روایات کی وضاحت کو اپنا اہم فریضہ بیان کیا ہے۔

۵۔ موافق اور مخالف روایات کی جمع کی وضاحت: شیخ طوسی نے موافق اور مخالف روایات کو بیان کرنے کے بعد ان میں جمع کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

۶۔ تاویلات کی تائید کے لیے روایات سے استفادہ کرنا، جہاں پہ شیخ نے روایات کی جمع میں تاویل سے کام لیا ہے وہاں اس تائید کی توجیہ کے لیے روایات سے استفادہ کیا ہے۔

اس بنا پر شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام میں روایات کو تین مراحل میں بیان کیا ہے:

۱۔ مسئلے پر دلالت کرنے والی روایات کا ذکر

۲۔ قسم نمبر ۱، والی روایات کے ساتھ مخالف روایات کا ذکر

---

۸ ۔ تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۴، ۳۔

۳۔تاویل پہ گواہ روایات کا ذکر، جب موافق و مخالف روایات کے اختلاف کو رفع کرنے کے لیے تاویل سے کام لیا ہو۔

تہذیب الاحکام میں مباحث کو پیش کرنے کے بعض نمونے

تہذیب الاحکام کے آغاز میں اس بیان کیا ہے:

شیخ مفید (ان پہ اللہ کی رحمت ہو) اس طرح کہتے ہیں: دس چیز حدث سے طہارت کو ضروری کرتی ہے: وہ نیند جو عقل پہ غالب ہو جائے، وہ بیماری جس سے انسان پر بے ہوشی طاری ہو جائے اور عقل پہ غلبہ پا جائے، بول، ہوا (معدہ کی ہوا) غائط، جنابت، حیض، نفاس، استحاضہ، مس میت؛ میت کا جسم سرد ہونے کے بعد غسل سے پہلے۔۹

شیخ طوسی کتاب مقنعہ سے اس عبارت کو بیان کرنے کے بعد طہارت کا استمرار اس وقت تک جب تک ان میں سے کوئی حدث پیش آئے کی وضاحت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

مس میت کے علاوہ کیونکہ مس میت مورد اختلاف ہے مسلمانوں کی اجماع اس حکم کی دلیل ہے۔۔۔۔۱۰

شیخ طوسی کہتے ہیں: اجماع کے ہوتے ہوئے بھی میں ان تمام احکام کے لیے الگ الگ روایات جو ان پہ دلالت کرتی ہیں بیان کرونگا۔

اسی طرح شیخ سب سے پہلے حکم یعنی نیند کے بعد طہارت ضروری ہے کو ثابت کرنے کے لیے پانچ روایات کو بیان کیا ہے، پھر اس جملہ کو لاتے ہوئے "فاما الخبر الذی رواہ محمد بن احمد۔۔۔۔" دو مخالف روایات کو بیان کیا ہے جن کا ظاہر خواب کے بعد طہارت ضروری نہیں ہے پہ دلالت کرتی ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں:

اسی طرح باقی روایات بھی ہے جو نیند سے وضو نہ ٹوٹنے پہ دلالت کرتی ہے کہ اس قسم کے روایات بھی زیادہ ہیں اور ان روایات سے مراد وہ خواب ہے جو عقل پہ غلبہ نہ پائے۔۔۔۔۱۱

لہذا شیخ نے وہ روایات جن میں خواب کو مبطل وضو سمجھا گیا ہے کو نیند جو عقل پہ غالب ہو اور وہ روایات جو خواب کو مبطل وضو نہیں جانتے اسے وہ خواب جو عقل پہ غالب نہ ہو سے تاویل کیا ہے اور دونوں روایات سے دستبردار نہیں ہوئے اور ان کی تاویل پیش کرتے ہوئے اس لیے کہ ان کی تاویل صرف استحسانی اور قیاس کی بنا پہ نہ ہو روایات کو شاہد و گواہ کے طور پہ بیان کیا ہے۔۱۲

۹۔ تہذیب الاحکام ج ا ص ۵۔

۱۰۔ تہذیب الاحکام ج ا ص ۶،۵۔

۱۱۔ تہذیب الاحکام ج ا ص ۹

اسی طرح اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد جس میں بیان ہوئی ہے خون جاری ہونے کے بعد امامؑ نے وضو کیا اور اسے خون کو عدم مبطل وضو ثابت کرنے کے لیے بیان کیا ہے آپ کلمہ "توضا" سے خون کی جگہ کو دھونا مراد لیا ہے کیونکہ اس روایت میں "توضا" وَضو" (دھونا) ہے نہ وُضو (خاص قسم کا دھونا) مراد ہے۔ روایات کی بیان و وضاحت ۱۳ میں ان کا یہ اسلوب تہذیب الاحکام میں قابل مشاہدہ ہے۔

۱۲۔ تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۱۲۔

۱۳۔ تہذیب الاحکام ج ۱ ص ۴۵۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«سولہواں سبق»

تہذیب الاحکام کی خصوصیات

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

۱۶تہذیب الاحکام کی خصوصیات

اس بات پہ توجہ کرتے ہوئے کہ تہذیب الاحکام میں صرف روایات ہی بیان نہیں ہوئی ہیں بلکہ ان کے اختلافات پہ بھی توجہ دی ہے اور تعادل وتراجح کے قواعد کی بناپر روایات کے درمیان جمع یا روایات کے ایک گروہ کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اسطرح روایات سے برتاؤ کی کیفیت، روایات کے مدلول کی فہم، تنقید کے لیے معیار بیان کیے ہیں اس کے علاوہ شیخ طوسی کے علمی مقام کو پیش نظر رکھتے ہوئے تہذیب الاحکام کو ایک اہم اور نہایت قیمتی کتب میں سے شمار کیا جاتا ہے جس کی اپنی الگ خصوصیات ہیں۔یہاں ان خصوصیات میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جائے گا:

الف) جیساکہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے تہذیب الاحکام کی تدوین کا مقصد موافق و مخالف روایات کا بیان پھر ان میں جمع ہے تہذیب الاحکام کے آغاز سے اختتام تک اس نکتے پر توجہ ہوا ہے۔لہٰذا روایات کی جمع اور ان کے لیے عملی حل اس کتاب کی اہم خصوصیت ہے۔ جیسا کہ خود شیخ طوسی نے اس بات کو واضح طور پر بیان کیا ہے جہاں تک ممکن تھا روایت سے صرف نظر نہیں کیا اور متعارض روایات کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ا شیخ نے اس بارے میں اسقدر کوشش کی بعض لوگوں نے انہیں روایات کی جمع اور تاویل میں افراط اور غیر متقن اسلوب سے استفادہ کرنے کی تہمت لگائی ہے۔۲

شیخ طوسی نے روایات کو جمع کرنے میں مختلف اسلوب سے استفادہ کیا ہے جو یہ ہیں:

ا) وہ روایات جو وجوب پہ دلالت کرتی ہیں کا استحباب پہ حمل کیا ہے یا اگر ظاہر حرمت پہ دلالت کرتی ہیں تو ان کو کراہت پہ حمل کیا گیا ہے: مثلا امام باقرؑ سے ایک روایت کو نقل کرنے کے بعد جس میں بیان ہوا ہے: حائض اور جنب سجدے والی سورتوں کی تلاوت نہیں کرسکتے ہیں،۳

امام باقرؑ سے ایک اور روایت کو نقل کیا ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے: حائض سجدہ والی آیت کو سن کر سجدہ کرسکتی ہے۔ شیخ طوسی نے ان دو روایات میں اس طرح جمع کیا ہے: دوسری روایت کو استحباب پہ حمل کیا جائے ۴اسی طرح ان روایات کو بیان کرنے

ا۔ تہذیب الاحکام ج ا ص ۳۔

۲۔ وافی ج ا ص ۱۹۔

۳۔ تہذیب الاحکام ج ا ص ۱۲۸۔

کے بعد جن میں ذکر ہوا ہے کہ انسان اپنی دائیہ (دائی جو پیدائش کے وقت آتی ہے) سے شادی کر سکتا ہے دو اور روایت کو بیان کیا ہے جن میں اس قسم کی عورت سے شادی جائز نہیں سمجھا ہے شیخ طوسی نے دوسرے قسم کی روایت کو کراہت پہ حمل کیا ہے۔

۲) متعارض روایات کے ایک گروہ کو جو عامہ (اہل سنت) کے فتوے کے مطابق ہیں کو تقیہ پر حمل کیا ہے اور اس قسم کی روایات کو تقیہ پہ حمل کرنا تہذیب الاحکام کے شروع سے اختتام تک قابل ملاحظہ ہے مثال کے طور پر: وہ روایات جن میں سر پر مسح کرنا واجب ہے اور پگڑی۵ پہ مسح کرنا جائز نہیں ہے کو نقل کرنے کے بعد ایک رویات بیان کرتے ہیں جس میں پگڑی پر مسح کرنا جائز سمجھا گیا ہے۔۶ اس روایت سے تعارض کو رفع کرنے کے لیے کہتے ہیں: ۔۔۔ ویحتمل ان یکون الخبر خرج مخرج التقیہ، لان ذلک مذھب العامہ۔۔۔۔۷ اور اس بات کا احتمال ہے کہ یہ روایت تقیہ والی روایت ہو کیونکہ یہ روایت اہل سنت کے مذہب کے مطابق ہے۔

شیخ طوسی نے اسی طرح شراب میں آغشتہ لباس میں نماز پڑھنا جائز کہنے والی روایات کو تقیہ پہ حمل کیا ہے۔۸

ب) آیات قرآنی سے استشہاد

بعض موارد میں شیخ طوسی نے روایات، اجماع اور عقلی دلائل سے استناد کرنے کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات سے استناد کیا ہے مثال کے طور پر: وضو کی کیفیت کے بارے میں شیخ مفید کے نظریے کو بیان کرنے کے بعد اس آیت کو "۔۔۔اذا قمتم الی الصلواۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم۔۔۔۔"۹ کو دلیل کے طور پر بیان کیا ہے۔۱۰ اسی طرح شیخ مفید کی بات کے لیے "ولا یمس القرآن طہارت کے بنا قرآن کو ہاتھ مت لگاؤ" اس آیت کو دلیل کے طور پہ لایا ہے۔: "فیدل علی ذلک قولہ تعالی ذلک: لا یمسہ الا المطھرون"۱۱ فحضر مس الکتاب، مع ارتفاع الطہارۃ"۔۱۲

---

۴ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۱۲۸۔

۵ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۸۹۔۹۰۔

۶ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۹۱۔

۷ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۹۱

۸ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۲۷۹۔

۹ ۔مائدہ/۶

۱۰ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۷۹۔

۱۱ ۔واقعہ/۷۹

۱۲ ۔ تہذیب الاحکام ج۱ص۱۲۶

نیز جن سے شادی کرنا حرام ہے اس کو بیان کرنے کے لیے سورہ نساء کی آیت نمبر ۴ سے استناد کیا ہے ۱۳اسی طرح مطلقہ عورت جو خون حیض نہیں دیکھتی اس کی عدت کے لیے تین راہ کو بیان کرنے کے لیے اس آیت سے استناد کیا ہے۔ ۱۴" واللتی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللتی لم یحضن۔۔۔۔۔" ۱۵

ج) فقہ الحدیث کے مباحث کا بیان

تہذیب الاحکام کا ایک اہم خصوصیت فقہی نکات کا بیان ہے جسے شیخ طوسی نے مختلف مقامات پہ فقہ الحدیث اور احادیث کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ مثلا شیخ مفید کی عبارت کو بیان کرنے کے بعد جس میں انہوں نے کلمہ " صعید " کو مٹی اور خاک سے تفسیر کیا ہے کہتے ہیں: شیخ مفید کی دلیل جمھرۃ نامی کتاب میں نقل شدہ ابن درید کی بات جسے اس نے عبیدۃ معمر بن مثنی سے بیان کیا ہے جس میں کہا گیا ہے" صعید خالص مٹی کو کہا جاتا ہے جو ریت وغیرہ سے خلط ملط نہ ہوئی ہو۔۱۶

د) سند اور متن پر تنقید کا خاص اہتمام

شیخ طوسی نے بہت سارے مواقع پر سند اور متن پہ توجہ دیا ہے اور روایت کی تنقید کے لیے اہم بنیادیں معیارات بیان کئے ہیں۔

نمبر۱) تہذیب الاحکام میں سند پہ تنقید، شیخ طوسی نے روایات کا شاذ ہونا۔ ندرت وافراد اور راویوں کے مذہب کا فاسد ہونے کو روایات کے لیے ضعف سند شمار کیا ہے مثلا" محمد بن الحسن الصفار عن محمد بن عیسی عن عبدالرحمان بن ابی نجران عن رجل حدثہ۔۔۔"۱۷اس روایت کو مرسل جانتے ہیں کیونکہ عبدالرحمان نے جس سے روایت بیان کیا ہے وہ نامعلوم ہے۱۸ نیز یونس بن عبدالرحمان امام رضاؑ سے روایت بیان کرتا ہے جس میں امام رضاؑ نے فرمایا گلاب سے وضو اور غسل کرنا صحیح ہے۱۹اس طرح کہتے ہیں: یہ روایت شاذ ہے اگرچہ اصول اور دیگر کتب میں مکرر بیان ہوئی ہے لیکن اس روایت کو یونس نے امام رضا سے

۱۳۔ تہذیب الاحکام ج۷ ص۲۷۲

۱۴۔ تہذیب الاحکام ج۸ ص۱۱۷

۱۵۔ طلاق/۴

۱۶۔ تہذیب الاحکام ج۱ ص۱۸۶

۱۷۔۔ تہذیب الاحکام ج۱ ص۱۰۹۔

۱۸۔۔ تہذیب الاحکام ج۱ ص۱۸۶

۱۹۔ تہذیب الاحکام ج۱ ص۲۱۸۔

نقل کیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے اس روایت کو بیان نہیں کیا اور مذہب امامیہ کے علماء اس حدیث کے ظاہر پہ عمل نہ

کرنے پہ متفق علیہ ہیں۔اور اس قسم کی روایت غیر قابل عمل ہے۔۔۔۔٢٠

انہوں نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد جس میں قضا کے روزہ کی حالت میں ہمبستری کا کفارہ ماہ رمضان میں ہمبستری کے کفارے کی طرح ہے، اس روایت کو نادرست سمجھا ہے۔٢١

نیز ایک روایت کو عدی بن حاتم سے بیان کیا ہے: "عدی مولا علیؑ کے ہمراہ جنگ میں تھا اور دیکھا کہ امام علیؑ نے عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ یعنی مرقال کو غسل نہیں دیا اور ان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھائی"۔٢٢

پھر اس حدیث پہ تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس روایت کے آخر میں جو بات بیان ہوئی ہے کہ امام علیؑ نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی یہ صرف وہم و گمان ہے کیونکہ کتاب الصلواۃ میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ شھداء پہ نماز پڑھنا واجب ہے۔ یہ روایت شاذ ہے اس کے علاوہ سند بھی ضعیف اور مرسل ہے۔اور اس قسم کی روایت مسند روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس روایت کے راوی اہل سنت ہے اور اہل سنت میں اس قسم کا عقیدہ پایا جاتا ہے ٢٣

نمبر ٢) تہذیب الاحکام میں روایات کے متن کی تنقید، شیخ طوسی نے سند کی تنقید کے علاوہ مختلف مناسبات میں متن پہ بھی تنقید کیا ہے مثلا: امام صادقؑ سے اس قسم کی روایت بیان کیا ہے: "امام علیؑ نے بغیر طہارت کے نماز پڑھی پھر اندر چلے گئے منادی نے ندا دی امام علیؑ نے نماز بغیر طہارت کے پڑھائی ہے تو دوبارہ سے نماز پڑھو اور حاضرین غائبین تک یہ خبر پہنچادو۔ ٢٤

شیخ طوسی نے اس روایت کی متن پہ یوں تنقید کیا ہے:

یہ روایت شاذ ہے اور دیگر تمام روایات کے مخالف ہے اور قابل عمل نہیں ہے اس کے علاوہ اس میں جو مطالب بیان ہوئے ہیں وہ باطل ہے کیونکہ امام علیؑ نے واجب نماز کو سہو و اشتباہ اور بغیر طہارت کے پڑھی ہے اور یہ عصمت کے دلائل کے برخلاف ہے۔ ٢٥

---

٢٠ ۔ تہذیب الاحکام ج ١ص ٢١٩۔

٢١ ۔ تہذیب الاحکام ج ٤ص ٢٧٩۔

٢٢ ۔ تہذیب الاحکام ج ٦ص ١٦٨۔

٢٣ ۔ تہذیب الاحکام ج ٦ص ١٦٨۔

٢٤ ۔ تہذیب الاحکام ج ٣ص ٤٠۔

نیز امام صادقؑ سے ایک روایت بیان کیا ہے جس میں امام نے بیان فرمایا ہے شعبان کا مہینہ کبھی ختم نہیں ہوتا اور رمضان کا مہینہ کبھی کم نہیں ہوتا (یعنی ہمیشہ ۳۰ دن ہے) ۲۶اس کی اس طرح تنقید کی ہیں:

یہ حدیث خبر واحد ہے اس پر عمل نہیں کر سکتا اور اس کے ذریعہ قرآن اور اخبار متواتر سے مخالفت نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔اس خبر میں علت بیان ہوئی ہے کہ یہ امام معصومؑ کی حدیث نہیں ہے کیونکہ اس میں "وواعدنا موسی ثلاثین لیلۃ" کو ماہ رمضان کے مہینے کا مکمل ہونے پہ دلیل لا، یا گیا ہے حالانکہ موسیٰؑ کا تیس دن کا وعدہ، ذیقعدہ کے تمام مہ نوں کا تیس دن ہونے دلا لت نہیں کرتی۔۔۔۲۷

---

۲۵ ۔ تہذیب الاحکام ج۳ص۴۰۔

۲۶ ۔ تہذیب الاحکام ج۴ص۱۷۲۔

۲۷ ۔۔ تہذیب الاحکام۔ج۴ص۱۷۲۔۱۷۴۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«سترہواں سبق»

الاستبصار فی مااختلف من الاخبار کا تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

الاستبصار فی مااختلف من الاخبار کا تعارف

مصنف: شیخ طوسی (م ۴۶۰)

استبصار، "شیخ الطائفہ" ابو جعفر طوسی کی کتاب ہے۔کتب اربعہ کی چوتھی جامع کتاب ہے، یہ کتاب تہذیب الاحکام کی طرح روایات فقہ سے مخصوص ہے۔ شیخ طوسی نے استبصار کو تین جلدوں میں تحریر کیا ہے، پہلی اور دوسری جلدیں عبادات کے بارے میں، تیسری جلد عقود، ایقاعات اور دیگر ابوابیات فقہ سے مخصوص ہے نئی ایڈیشن میں یہ کتاب چار جلدوں میں چھاپ چکی ہے راقم الحروف کے شمار کے مطابق یہ کتاب ۹۲۵ ابواب اور ۵۵۱۱ روایات پر مشتمل ہے۔[۱]

شیخ طوسی نے اس کتاب پہ جو مقدمہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے تہذیب الاحکام کو لکھنے کے بعد بعض علماء کی درخواست پہ آپ نے تہذیب الاحکام کا خلاصہ پیش کرنے کے لیے استبصار کی تحریر کا کام شروع کیا تھا۔

کتاب کی تحریر کا محرک

شیخ طوسی نے استبصار کے آغاز میں اس کتاب کو لکھنے کے مقصد کو یوں بیان کیا ہے:

> جب میں نے اپنے ان دوستوں سے ملاقات کی جنھوں نے تہذیب الاحکام کا مطالعہ کیا تھا اور انہیں معلوم ہوا کہ میری وہ کتاب حلال و حرام کے بارے میں اور فقہی ابواب سے مخصوص ہے تو انہوں نے خواہش کیا کہ میں صرف متعارض روایات کو مختصر طور پہ ایک کتاب میں جمع کروں، تاکہ جو شخص فقہ کو متوسط طور پہ جانتا ہے وہ تفصیل سے آگاہ ہونے کے لیے اور جو فقہ کو مکمل طور پہ جانتا ہے وہ، تذکر اور توجہ کے لیے اس کتاب سے استفادہ کرسکے۔ کیونکہ یہ دونوں گروہ روایات میں مطابقت کے زیادہ خواہاں ہیں اور وقت کے محدود ہونے کی وجہ سے روایات کو حاصل کرنے کے لیے مختلف کتب سے مراجعہ نہیں کر سکتے ہیں۔۔۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے حلال و حرام اور فقہ کے بارے میں کوئی کتاب نہیں لکھی ہیں لہذا انہوں نے مجھ سے اس بارے میں مختصر و خاص کتاب لکھنے کی درخواست کی۔[۲]

۱۔الاستبصار ج ۴ ص ۳۵۱/۳۴۲ شیخ طوسی ،ہر جلد میں موجود ابواب اور روایات کو ذکر کرنے کے بعد ان کی مجموعی تعداد کے بارے میں کہتے ہیں: "من نے ان کی شمارش کیا ہے تاکہ ان میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہو جائے"۔

۲۔الاستبصار ج ا ص ۴۳/۴۴

اس مقدمہ سے چند نکتے سمجھ میں آتے ہیں:

۱۔ تہذیب الاحکام مصنف کے دوران حیات میں شیعہ علماء اور بزرگوں کی توجہ کا باعث بنی اسی لیے انہوں نے شیخ طوسی سے اس کتاب کا خلاصہ لکھنے کو کہا۔

۲۔ تہذیب الاحکام میں چونکہ موافق و مخالف روایات بیان ہوئی ہیں لہذا مصنف نے شیعہ بزرگوں کی درخواست پہ استبصار میں مخالف روایات کو جمع کرنے کی طرف زیادہ توجہ دیا ہے لہذا کتاب کا نام بھی الاستبصار فی مااختلف من الاخبار، "یعنی متعارض روایات کے بارے میں بصیرت وآگاہی دینا"، رکھا ہے۔

۳۔ مخالف و موافق روایات میں مطابقت پیش کرنا شیخ طوسی سے پہلے رائج نہیں تھا اور شیخ طوسی کے کہنے کے مطابق آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے یہ کام انجام دیا ہے۔

استبصار کا اسلوب تحریر

شیخ طوسی نے کتاب کے مقدمہ میں اسلوب تحریر کو یوں بیان کیا ہے:

'ہر باب کا آغاز اپنے فتوے اور اس سے متعلق روایات سے کیا ہے پھر مخالف روایات کو بیان اور ان کے درمیان جمع (جہاں تک ممکن تھا اور روایات کے کسی ایک گروہ کو حذف کرنے پہ مجبور نہ ہو جائے) کیا ہے اور اس کام کے لیے تہذیب الاحکام میں جو اسلوب اختیار کیا تھا وہی اسلوب یہاں پہ بھی استعمال کیا ہے اور کتاب کے آغاز میں روایات کے درمیان جمع کرنے کے اسلوب کو بیان کیا ہے۔۔۔۔۔ ہر باب کے آغاز میں جن روایات پہ عمل کیا ہے ان کے رجحان کے دلائل کو اختصار کی خاطر بیان نہیں کیا ہے ، اگرچہ اکثر موارد میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور کتاب کے آغاز میں رجحان کی وجوہات بیان کر دی ہے۔ ۳

شیخ طوسی نے "مشیخہ" کے آغاز میں استبصار کی اسلوب تحریر کو ان لوگوں سے خطاب کرکے جنہوں نے اس کتاب کو لکھنے کی درخواست کی تھی کہتے ہیں:

"میں نے تم لوگوں کی مختلف روایات کو جمع کرنے اور انہیں کتب فقہ کے مطابق یعنی طہارت سے دیات تک مرتب کرنے کی خواہش پوری کی۔ اور ہر باب میں اسی باب سے مخصوص روایات کو بیان کیا اور جہاں تک ممکن تھا اس قسم کی روایات کو بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔۔۔۔ اور اللہ سے دعا کرتا ہوں مشہور روایات کو بیان کرنے میں کوتاہی نہ کی ہو اور تمام روایات کو

۳۔ الاستبصار ج۱ ص ۴۴

بیان کیا ہو مگر وہ روایات جو بہت ہی نادر اور شاذ ہو کیونکہ میں اس فن کے تمام علمی پہلوؤں پر مکمل رسائی کا دعوی نہیں کرتا کیونکہ اصحاب کی تالیف کردہ اصول اور اس بارے میں لکھی گئی کتب کی تعداد بہت زیادہ ہیں۔۔۔ جن ابوبیات میں روایات کی تعداد کم تھیں تمام روایات کو اور جن ابوابیات میں روایات کی تعداد زیادہ تھیں لازمی وضروری روایات کو بیان ، باقی روایات کے لیے تہذیب الاحکام کا حوالہ دیا ہے۔کتاب کے آغاز میں اور پہلی ،دوسری جلد میں احادیث کو سند کے ہمراہ ذکر کیا ہے دوسری جلد میں اختصار کے پیش نظر صرف حدیث کے راوی کا نام جسکی کتاب یا اصل سے روایت نقل کی ہے کو ذکر کیا ہے کتاب کے آخر میں تمام اسناد کو تہذیب الاحکام کے اسلوب کے مطابق بیان کیا ہے۔۔۔اور یہ کتاب مخالف روایات کو بیان اور ان کے درمیان جمع وتاویل کے بارے میں ہے۔[۴]

شیخ کی اس گفتگو سے استبصار کی شناخت کے لیے چند اہم نکات سمجھ میں آتے ہیں:

۱۔استبصار شیعہ علماء اور بزرگوں کی درخواست پر مخالف روایات کو جمع کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔

۲۔کتاب کی تحریر کا اسلوب یوں ہے کہ: شیخ سب سے پہلے اپنے فتوے کو پھر روائی دلائل کو بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد مخالف روایات کا ذکر اور ان کے درمیان جمع و تبین کرتے ہیں ،لہذا کتاب کے مطالب کی چار قسم کی درجہ بندی کی جاتی ہیں:

۱) فتوے کا ذکر ۲) فتوے پہ دلالت کرنے والی روایات کا ذکر ۳) مخالف روایات کا ذکر ۴) موافق و مخالف روایات کے درمیان جمع۔

۳۔شیخ نے کتاب کے آغاز میں روایات کے درمیان جمع اور تشریح میں اپنے اصول و نظریات کو بیان کیا ہے اور کتاب کے آغاز سے اختتام تک ان اصولوں کی رعایت کی ہیں۔اور اپنے اصول کو اختصار کی خاطر موافق و مخالف روایات کی وضاحت میں مکرر بیان کرنے سے پرہیز کیا ہے۔

۴۔استبصار، تہذیب کی مانند نیز دیگر کتب فقہ من جملہ شیخ کی کتاب نہایہ کی طرح ابوابیات فقہ یعنی طہارت سے دیات تک پر مرتب ہوئی ہے۔

۵۔شیخ طوسی کا مقصد تمام ابواب میں مخالف روایات کو ذکر کرنا ہے مگر ان جگہوں پہ جہاں روایات میں کثرت کی وجہ سے بعض روایات کو ذکر اور بقایا روایات کے لیے تہذیب الاحکام کا حوالہ دیا ہے۔

۴۔الاستبصار ج ۴ ص ۳۱۷۔

۶۔ تیسری جلد میں (نیا ایڈیشن تیسری جلد کا کچھ حصہ اور چوتھی جلد کا تمام حصے کو شامل ہوتی ہے) اختصار کی خاطر روایات کی اسانید کو آخری راوی کے علاوہ حذف کیا ہے لیکن کتاب کے آخر میں مشیخہ کے عنوان سے طرق اور احادیث کی سند کو بیان کیا ہے۔

۷۔ شیخ نے تہذیب واستبصار کی فراہمی کے لیے بزرگان شیعہ کے توسط سے لکھی گئی کتب اور اصول سے استفادہ کیا ہے۔اس نکتے کے بارے میں ہم نے تاریخ حدیث شیعہ میں بحث کی ہے کہ شیعہ تاریخ حدیث اہل سنت کے برخلاف (شفاہی سنت پہ تاکید کرتے تھے) مکتوب سنت پر تاکید کرتے تھے۔

استبصار میں نقل روایات کی مثالیں

شیخ طوسی نے استبصار جلد نمبر ۳ باب نمبر ۳۶ میں "بابُ اجرِ المغنیہ، گانے والی عورت کی اجرت" کے عنوان سے چار روایات کو بیان کیا ہے جس میں کہا گیا ہے گانا گانے والی کنیز کا خرید و فروش حرام ہے اور اس کی اجرت سُحت اور کتے کی قیمت کے برابر ہے، ان کی تعلیم گمراہی اور ان کی آواز سننا نفاق کی نشانی ہے، شیخ طوسی نے اس کے بعد روایات کے ایک گروہ کو نقل کیا ہے جن میں شادیوں میں اس قسم کی عورتوں کا گانا گانا جائز اور انکی اجرت حلال سمجھا گیا ہے۔آپ کہتے ہیں:

فامامارواہ الحسین بن سعید، عن النضر بن سوید، عن یحی الحلبی، عن ایوب بن حر، عن ابی بصیر قال: قال ابو عبداللہ علیہ السلام: اجر المغنیہ التی تزفُ العرائسَ لیس بہ باس، لیست بالتی یدخل علیھاالرجال، امام صادقؑ نے فرمایا: شادی میں گانے والی عورتوں کی اجرت جائز ہے اس حال میں جب مرد وہاں پہ نہ ہو، عنہ عن حکمِ الحنّاتِ، عن ابی بصیر، عن ابی عبداللہؑ قال: المغنیۃُالی تزف العرائس، لا باس بکسبھا۔۔۔۔، امام صادقؑ نے فرمایا: شادی میں گانے والی عورتوں کی کمائی جائز ہے۔۵

شیخ طوسی تیسری روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

ان روایات کی اس طرح توجیہ کی جاسکتی ہے کہ: جہاں پہ گانے بجانے والی عورت کی اجرت جائز ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سخن باطل نہ ہو اور لہو ولعب کے آلات وابزار بھی نہ ہو جیسے بانسری وغیرہ اور صرف اشعار پڑھے جائے گندی اور باطل باتیں نہ بولی

۵۔ الاستبصار ج ۳ ص ۶۹

جائے لیکن موسیقی کے آلات وابزار جن کے ذریعے گا،ناگانے والی عورتیں گاتی ہیں وہ نہ ہی شادی میں جائز ہے اور نہ شادی کے علاوہ جائز ہے۔٦

تہذیب الاحکام اور استبصار کا تقابلی جائزہ

تہذیب اور استبصار دونوں ہی شیخ طوسی کی کتابیں ہیں اور استبصار تہذیب کے بعد لکھی گئی اور تہذیب سے متاثر ہے لہٰذا ان دونوں میں جو مشترک و مختلف خصوصیات ہیں ذیل میں بیان کیا جائے گا۔

مشترکہ خصوصیات

۱۔دونوں کتابوں میں روایات فقہ ہیں اور ابوابیات فقہ کی ترتیب پہ مرتب ہوئی ہیں۔

۲۔ موافق و مخالف روایات کا بیان اور تعارض کا حل دونوں کتب موجود ہے۔

۳۔ موافق و مخالف روایات کی تبین اور تعارض کے حل کے لیے شیخ طوسی کے اصول و معیارات ایک جیسے ہیں۔

۴۔دونوں کتب کے بعض حصوں میں روایت کی سند مکمل طور پہ بیان ہوئی ہے اور بعض جگھوں پہ صرف آخری راوی کا نام آیا ہے دونوں کتب کی آخری جلد میں "مشیخہ" کے عنوان سے روایات کی اسناد بیان ہوئی ہے۔

مختلف خصوصیات

۱. تہذیب الاحکام میں شیخ طوسی کا اصل مقصد شیعہ روایات میں تعارض پہ متعصب اہل سنت کے اعتراضات کا جواب دینا تھا لہٰذا تہذیب الاحکام میں مکمل اور جامع طور پہ روائی و غیر روائی دلائل کی جانچ پڑتال کی ہیں لیکن استبصار میں چونکہ شیعہ علماء کی درخواست پہ مخالف روایات کو بیان اور تعارض کو ختم کرنا تھا لہٰذا استبصار میں غیر روائی دلائل کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

۲. تہذیب الاحکام شیخ مفید کی کتاب "مقنعہ" پہ روائی شرح کے غرض سے لکھی گئی ہے لہٰذا تہذیب الاحکام مقنعہ اور شیخ مفید کے فتوے اور اس کی شرح کے گرد گھومتی ہے لیکن استبصار میں یہ خصوصیت نہیں ہے۔

۳. تہذیب میں فتوے کے مطابق تمام موافق و مخالف، توجیہ وتاویل کی روایات بیان ہوئی ہیں لیکن استبصار میں صرف موافق و مخالف روایات بیان ہوئی ہیں دوسری عبارت میں کہا جاسکتا ہے:۱) جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے شیخ نے جن

---

٦ ۔الاستبصار ج ۳ص ٦٩

ابوابیات میں روایات کی تعداد زیادہ تھیں صرف موافق و مخالف روایات کو بیان کیا ہے۔۲) روایات کا تیسرا حصہ یعنی وہ روایات جو شیخ طوسی کے نظریات کی تائید کرتی ہیں وہ استبصار میں بیان نہیں ہوئی ہیں، استبصار کا تہذیب الاحکام کی بہ نسبت کم حجم ہونے کی وجہ بھی یہی ہے۔

۴. فہم الحدیث کے مباحث اور روایات کی تنقید جسے ہم نے تہذیب الاحکام کی خصوصیات میں بیان کیا تھا استبصار میں بہت ہی کم بالخصوص متعارض روایات کے درمیان جمع اور ضروری مواقع پہ ہی استفادہ کیا ہے۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«آٹھارہواں سبق»

تہذیب الاحکام اور استبصار کی شروحات سے آشنائی

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

تہذیب الاحکام اور استبصار کی شروحات سے آشنائی

تہذیب اور استبصار کے لیے دس سے زیادہ شروحات لکھی جا چکی ہیں۔ احیاء الاحادیث، ملا محمد تقی مجلسی اول، غایہ المرام، نعمت اللہ جزائری، شہید ثانی کی شرح، یہ تہذیب کی شرحیں ہیں۔

جامع الاخبار فی شرح الاستبصار، عبد اللطیف عاملی، میرزا حسن حسینی زنوزی کی شرح، عبد الرضا طفیلی نجفی کی شرح، استبصار کی شروحات ہیں۔ان تمام شروحات میں سے تہذیب کی دو شرحیں اور استبصار کی ایک شرح کا تعارف بیان کریں گے۔

الف) ملاذ الاخیار فی فہم الاخبار، محمد باقر مجلسی

ملاذ الاخیار ، تہذیب الاحکام پہ لکھی گئی سب سے مکمل ، جامع اور بہترین شرح ہے۔مرحوم علامہ کے مراۃ العقول پہ لکھے گئے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے آپ کتب اربعہ پہ شرح لکھنا چاہتے تھے لہٰذا کافی کے بعد تہذیب پہ شرح لکھی ہیں آپ شرح کے مقدمہ میں کہتے ہیں:

تہذیب الاحکام، منابع احکام کے حوالے سے بہترین اور جامع کتاب ہے جس میں حلال و حرام کے ادلہ بیان ہوئے ہیں۔اس بات پہ توجہ کرتے ہوئے کہ پہلے بزرگوں کے سخنان سے استفادہ کرتے ہوئے متفرقہ طور پہ تہذیب کے لیے شرح فراہم کیا تھا اسی کو میرے بیٹے صادق کی درخواست پہ منظّم و مرتب کیا ہے۔ ۲

کتاب کے محقق نے اس کتاب کی تعریف میں بیان کیا ہے:

یہ کتاب مظبوط اور مکمل کتاب ہے مصنف نے اسے نئے اسلوب سے تالیف کیا ہے اور اس سے پہلے اس قسم کی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب کے آغاز میں اور روایات کے اسناد میں پہلے راویوں کی جرح و تعدیل پہ بحث کیا ہے اس کے بعد ہی متن پہ توجہ دیا ہے اس طرح روایات کے الفاظ کی وضاحت اور ان روایات سے قابل استنباط مطالب کے بارے میں مباحث بیان کئے ہیں اور ساری بحث ایک خاص اسلوب اور دلنشیں انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ ۳

۱۔ مراۃ العقول ج ۱ ص ۳، ۲،

۲۔ ملاذ الاخیار ج ۱ ص ۳-۵۔

۳ ۔ ملاذ الاخیار ج ۱ ص ۴۱

علامہ کا اسلوب یہ ہے کہ روایات کے متن کو بیان کرنے کے بعد مراۃالعقول کی طرح، صحیح، کالحسن، مرسل، ضعیف و۔۔۔۔۔۔

اس طرح کی عبارات کو لاتے ہوئے احادیث کی درجہ بندی کرتے ہیں پھر احادیث کے مشکل الفاظ اور عبارات کی تشریح کرتے ہوئے فقہاء کے نظریات کو بیان کرتے ہیں۔

علامہ اس شرح میں دیگر شارحین، شیخ بہائی اور معالم کے مصنف کے گفتار سے استفادہ کیا ہے، بالخصوص احیاء الاحادیث جو ان کے والد محترم (مجلسی اول کی تہذیب پہ شرح) کی شرح ہے نیز مولی عبداللہ تستری کے حاشیے سے استفادہ کیا ہے۔[۴]

ب) غایۃالمرام، فی شرح تہذیب الاحکام، سید نعمت اللہ جزائری

سید نعمت اللہ جزائری نے تہذیب الاحکام پہ دو شرحیں لکھی ہیں، پہلی شرح کا نام مقصود الانام، فی شرح تہذیب الاحکام، دوسری شرح، غایۃالمرام فی شرح تہذیب الاحکام ہے۔

پہلی شرح بارہ جلدوں میں دوسری شرح آٹھ جلدوں میں ہیں۔انہوں اپنی شرحوں کو شرح کبیر و شرح صغیر کا نام دیا ہے اور اس بارے میں کہتے ہیں:

شرح کبیر (مقصود الانام) کی تدوین کے دوران تمام جنگوں (ان کے زمانے میں حسین پادشاہ کا فتنہ) کا مشاہدہ کیا ہے اسی لیے اس شرح میں ایک قسم کا ضطراب اور ایک قسم کی پریشانی کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔[۵]

اس لیے پہلی شرح میں جو معاشرتی مسائل و مشکلات کے دوران لکھی گئی تھی اور کمی اور خامی رہ گئی تھی دوسری شرح میں ان خامیوں کا ازالہ کیا گیا ہے لہٰذا غایۃالمرام کو مقصود الانام سے زیادہ جامع اور مکمل سمجھا گیا ہے۔[۶]

ج) جلاء الابصار، فی شرح الاستبصار، عبدالرضا طفیلی

شیخ آغا بزرگ تہرانی اس شرح کی تعریف میں لکھتے ہیں:

عبدالرضا طفیلی کی استبصار پہ شرح چند جلدوں میں ہے۔۔۔آپ نے شیخ مفید کے حالات زندگی کو بیان کرتے ہوئے ان کے راویوں کو پرکھنا شروع کیا ہے اور ہر راوی کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے روایات کی دلالت پر بحث کی ہے۔[۷]

۴۔ ملاذ الاخیار ج ا ص ۴۳۔

۵۔ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار ج ا ص ۱۸۱۔

۶۔ کشف الاسرار فی شرح الاستبصار ج ا ص ۱۷۹۔

اس شرح میں فقہ الحدیث اور اور رجال کے مباحث وسیع طور پہ بیان ہوئے ہیں۔ یہ شرح کتاب صوم تک لکھی گئی ہے اور استبصار کے آخر تک شرح نہیں لکھی گئی ہے اور شارح نے شرائع الا سلام کی شرح شروع کی ہے اور استبصار پہ شرح کو نامکمل چھوڑنے کا سبب معلوم نہیں ہے۔ اگر شارح اس شرح کو مکمل کرتے تو استبصار پہ ایک مکمل اور جامع شرح موجود ہوتی۔ جلاء الابصار پانچ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

تہذیب الاحکام کے ابواب اور فصول

لائن	کتاب کا عنوان	باب نمبر	جلد نمبر
۱	کتاب الطہارۃ	۲۳	۱
۲	کتاب الصلواۃ	۵۰	۲
۳	کتاب الزکاۃ	۳۹	۳
۴	کتاب الصیام	۳۳	۴
۵	کتاب الحج	۲۶	۵
۶	کتاب موالید الائمہ والزیارۃ	۵۳	۶
۷	کتاب الجہاد وسیرۃ الامام	۲۷	۶
۸	کتاب الدیون والحولات والضمانات والوکالات	۶	۶
۹	کتاب القضایا والاحکام	۶	۶
۱۰	کتاب المکاسب	۲	۶
۱۱	کتاب التجارات	۲۱	۶
۱۲	کتاب النکاح	۲۲	۷
۱۳	کتاب الطلاق	۹	۸
۱۴	کتاب العتق والتدبیر والمکاتبہ	۹	۸۱

۷۔ جلاء الابصار ص ط۔ (مقدمہ)

۱۵	کتاب الایمان والنذور والکفارات	٦	۸
١٦	کتاب الصید والذبائح	۲	۹
۱۷	کتاب الوقوف والصدقات	۲	۹
۱۸	کتاب الوصایا	١٦	۹
۱۹	کتاب الفرائض والمواریث	۲٦	۹
۲۰	کتاب الحدود	۱۰	۱۰
۲۱	کتاب الدیات	۱۸	۱۰

استبصار کے ابواب اور فصول

لائن	کتاب کا عنوان	باب نمبر	جلد نمبر
۱	کتاب الطہارۃ		۱
۲	ابواب المیاۃ	١٦	۱
۳	حکم الآبار	۳۰	۱
۴	ما ینقض الوضو	۱۲	۱
۵	الاغسال	۳	۱
٦	الجنابہ	۱۵	۱
۷	الحیض والاستحاضہ والنفاس	۱۵	۱
۸	التیمم	۱۲	۱
۹	تطہیر الثوب والبدن من النجاسات	۱۱	۱
۱۰	الجنائز	۱۵	۱

۱۱	کتاب الصلوٰۃ	۱	۱
۱۲	ابواب الصلاۃ فی السفر	۱۴	۱
۱۳	المواقیت	۱۵	۱
۱۴	القبلہ	۳	۱
۱۵	الاذان والاقامہ	۶	۱
۱۶	کیفیۃ الصلوٰۃ	۱۱	۱
۱۷	الرکوع والسجود	۱۳	۱
۱۸	القنوت واحکامہ	۱۱	۱
۱۹	السہو والنسیان	۱۹	۱
۲۰	اللباس والمکان	۱۹	۱
۲۱	مایقطع الصلوٰۃ	۶	۱
۲۲	الجمعہ	۸	۱
۲۳	الجماعۃ	۱۸	۱
۲۴	الصواۃ فی العیدین	۸	۱
۲۵	صلوٰۃ الکسوف	۶	۱
۲۶	الصلوٰۃ علی الاموات	۱۵	۱
۲۷	کتاب الزکاۃ	۲۰	۲
۲۸	زکاۃ الفطرۃ	۱۲	۲
۲۹	کتاب الصیام	۱۵	۲

۳۰	ابواب ماینقض الصیام	۱۳	۲
۳۱	احکام المسافرین	۲۰	۲
۳۲	ابواب الاعتکاف	۱۰	۲
۳۳	کتاب الحج	۱۳	۲
۳۴	ابواب صفۃ الاحرام	۱۲	۲
۳۵	مایجب علی المحرم اجتنابہ	۹	۲
۳۶	مایلزم المحرم من الکفارات	۲۶	۲
۳۷	ابواب الطواف	۱۷	۲
۳۸	ابواب السعی	۱۷	۲
۳۹	الذبح	۲۰	۲
۴۰	الحلق	۸	۲
۴۱	رمی الجمار	۵	۲
۴۲	تفصیل فرائض الحج	۴	۲
۴۳	مایختصّ النساء من المناسک	۵	۲
۴۴	الزیادات	۶	۲
۴۵	العمرہ	۷	۲
۴۶	کتاب الجہاد	۳	۲
۴۷	کتاب الدیون	۱۵	۳
۴۸	کتاب الشہادات	۱۳	۳

۴۹	کتاب القضایا والاحکام	۴	۳
۵۰	کتاب المکاسب	۱۶	۳
۵۱	کتاب البیوع	۴۷	۳
۵۲	کتاب النکاح	---	۳
۵۳	تحلیل الرجل جاریتہ لغیرہ	۳	۳
۵۴	المتعۃ	۱۰	۳
۵۵	ما احل اللہ العقد علیھن وحرم	۲۳	۳
۵۶	الرضاع	۲	۳
۵۷	العقود علی الاماء	۱۰	۳
۵۸	مایرد النکاح	۶	۳
۵۹	کتاب الطلاق	-	۳
۶۰	الایلاء	۳	۳
۶۱	الظہار	۶	۳
۶۲	ابواب الطلاق	۲۳	۳
۶۳	العدد	۲۹	۳
۶۴	اللعان	۵	۳
۶۵	کتاب العتق	۱۴	۴
۶۶	ابواب التدبیر	۳	۴
۶۷	ابواب المکاتبین	۴	۴

۶۸	کتاب الایمان والنذو والکفارات	۵	۴
۶۹	ابواب النذر	۵	۴
۷۰	ابواب الکفارات	۶	۴
۷۱	کتاب الصید والذبائح	-	۴
۷۲	ابواب صید السمک	۳	۴
۷۳	ابواب الصید	۱۵	۴
۷۴	کتاب الاطعمہ والاشربہ	۵	۴
۷۵	کتاب الوقوف والصدقات	۷	۴
۷۶	کتاب الوصایا	-	۴
۷۷	ابواب الاقرار	۲۰	۴
۷۸	کتاب الفرائض	۲۹	۴
۷۹	کتاب الحدود	۱۳	۴
۸۰	ابواب القذف	۷	۴
۸۱	ابواب شرب الخمر	۲	۴
۸۲	ابواب السرقہ	۱۲	۴
۸۳	کتاب الدیات	۲۰	۴
۸۴	ابواب دیات الاعضاء	۹	۴

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«اونیساں سبق»

الوافی کا تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

الوافی کا تعارف

ا۔ الوافی فی جمع الاحادیث الکتب الاربعہ القدیمہ، فیض کاشانی (۱۰۹۱)

فیض کاشانی کی سوانح حیات

محمد بن مرتضی بن محمود، جو فیض کاشانی کے نام سے مشہور ہیں ۱۰۰۷ ہجری قمری کو کاشان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم علامہ رضی الدین شاہ مرتضی اول، عالم اور فقیہ تھے آپ کے دادا علامہ تاج الدین حکیم، عابد و زاہد و عارف و شاعر تھے ان کا تخلص "فقیر" تھا آپ کے فرزند مولی محمد علم الہدیٰ (۲۷ کتب کے مصنف)، مولی ابو الحسن معین الدین احمد (فقیہ اور محدث) دینی دانشور تھے۔ فیض کاشانی اپنے والد اور سید ماجد بحرانی (۱۰۲۸) صدر المتالھین شیرازی (م۱۰۵۰) میر داماد (م۱۰۴۱) شیخ بہائی (م۱۰۳۰) مولی خلیل قزوینی (م۱۰۸۹) محمد صالح مازندرانی (م۱۰۸۱) جیسے اساتذہ سے فقہ، حدیث، فلسفہ و عرفان کی تعلیم حاصل کی۔ ۱

فلسفہ و عرفان میں صدر المتالھین اور میر داماد فقہ و حدیث میں سید ماجد بحرانی و شیخ بہائی جیسے مشہور اساتذہ سے استفادہ نے ان کو جامع فکر و خیال دیا۔ ان کے کتب کی کثرت اس جامعیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

فیض کاشانی ۱۴۴ کتب کے مصنف ہیں فقہ میں ان کی اہم کتاب مفاتیح الشرائع؛ تفسیر میں: تفسیر صافی، حدیث میں وافی، اخلاق میں محجۃ البیضاء، ہے۔ ۲ان کے اہم شاگرد علامہ مجلسی، سید نعمت اللہ جزائری، قاضی سعید قمی ہیں۔ ۱۰۹۱ کو وفات پاگئے اور کاشان میں مدفون ہیں۔

چار مختلف پہلو سے آپ گذشتہ علماء پہ فوقیت رکھتے ہیں:

ا۔ فیض کاشانی کا خاندان اور ان کا اپنا گھر علما سے بھرے ہوئے ہیں یہاتتک کہ مشہور شیعہ عالم شیخ طوسی، ابو علی طبرسی، علامہ حلّی، شہید ثانی، شیخ بہائی وغیرہ بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

ا۔ وافی ج ا ص ۱۸ (مقدمہ)

۲۔ وافی ج ا ص ۲۳-۵۸۔ فیض کاشانی کی زندگی کے حالات سے زیادہ آشنائی کے لیے رک: تفسیر صافی، ج۱ (مقدمہ)، الکنی والالقاب ج ۳ ص ۳۹-۴۱، کاوشی در آراء کلامی فیض کاشانی، عبد الرضا جمال زادہ۔

۲۔مختلف علوم کی وسعت اور آگاہی کے لحاظ سے فیض کاشانی؛ فخر الدین رازی، خواجہ نصیر الدین طوسی، علاّمہ حلّی، قطب الدین شیرازی کے برابر تھے۔

۳۔فیض کاشانی نے فلسفہ کو شریعت سے ملاپ کیا ہے اور شریعت کو عقلانیت کا رنگ دینے میں اپنے ساتھیوں پہ سبقت لے گئے ہیں۔

۴۔تالیفات کی کثرت میں اکثر علما پہ سبقت لے گئے ہیں۔۳

شیعہ علما نے ان کی تعریف کی ہیں۔روضات الجنات کے مصنف ان کے بارے میں کہتے ہیں: فیض کاشانی اصول وفروع کی تفہیم میں تیز تھے معقول (عقلی) و منقول (نقلی) علوم پہ علمی احاط رکھتے تھے تالیف و تصنیف کی فراوانی و کثرت میں اور ان کے خوبصورت انداز تحریر وغیرہ شیعہ علما سے پوشیدہ نہیں ہے۔۴

محقق قمی ان کے بارے میں کہتے ہیں:

فیض، عالم، فاضل، کامل، عارف، محدث، محقق، مدقق، حکیم، متالّہ کے لقب سے مشہور ہیں، دیگر لوگوں نے بھی اس قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔۵

وافی کا تعارف

وافی پہلی اور جامع کتاب ہے جس میں کتب اربعہ کی تمام مکرر روایات کو حذف کرکے نئی ترتیب و تشریح کے ساتھ روایات نقل ہوئی ہیں اگر اہل سنت محدثین میں جلال الدین سیوطی نے صحاح ستّہ کی روایات کی تنظیم و ترتیب پہ کام کیا ہے تو شیعہ حضرات کے درمیان میں سے صرف فیض کاشانی نے یہ عظیم کام سرانجام دیا ہے ان کے بعد اس کام کی ضرورت محسوس کرتے ہوتے ہوئے بھی کسی نے اس طرف توجہ نہیں دیا ہے۔وافی، مقدمہ؛ چودہ کتب ۲۷۳ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے اور شیخ آغابزرگ تہرانی کے شمار کے مطابق ۵۰۰۰۰روایات وافی میں موجود ہیں گماں کیا جاتا ہے کہ کتب اربعہ کی روایات کی تشریح کے لیے بیان ہوئے روایات کو شمار کرکے یہ تعداد بنتی ہے۔

۳۔وافی ج۱ص۳۱(مقدمہ)

۴۔وافی ج۱ص۳۲۔

۵۔وافی ج۱ص۳۲۔

کتاب کے مقدمہ میں تین موضوع کا ذکر ہوا ہے۔ دینی علوم کی شناخت، اصطلاحات و اسانید کی شناخت، کتاب کی تدوین میں مصنف کا اسلوب۔

وافی کی چودہ کتب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عقل، جہل و توحید۔ ۲) کتاب حجت ۳) ایمان و کفر ۴) طہارت و زینت ۵) صلات، قرآن و دعا ۶) زکات، خمس و میراث ۷) صوم، اعتکاف و معاہدات ۸) حج عمرہ و زیارات ۹) امر بہ معروف و نہی از منکر، قضا و شہادات ۱۰) معایش و معاملات ۱۱) مطعم، شرب و تجمل ۱۲) نکاح، طلاق، ولادت ۱۳) موت، ارث و وصیت ۱۴) روضہ

وافی ۲۳ جلدوں میں چھاپ چکی ہے فیض کاشانی نے وافی کا خلاصہ کیا ہے اور الشافی المنتخب من الوافی کے نام سے منتشر ہوئی ہے۔[۶]

وافی کی تدوین کا محرک

فیض کاشانی وافی کے مقدمہ میں وافی کی تدوین کے محرک کو کتب اربعہ میں موجود کمی اور خامیاں بیان کرتے ہیں یہ خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ضروری روایات کے فقدان کے باعث کتب اربعہ کی روایات کا کافی نہ ہونا۔

۲۔ بکھرے ابواب کی وجہ سے ان سے مراجعہ کرنے میں دشواری۔

۳۔ مکرر روایات کی موجودگی کتب اربعہ کے طویل ہونے کا سبب بنا ہے۔[۷]

آپ کتب اربعہ کی چاروں کتب میں کمی و خامی کے قائل ہیں کافی کے بارے میں قائل ہیں کہ بہت سارے احکام کو بیان نہیں کیا ہے اور ابوابیات فقہ کو مکمل طور پہ درج نہیں کیا ہے متعارض روایات میں سے صرف ان روایات کو جو ان کی نظر میں ترجیح رکھتی تھیں کو بیان کیا ہے مبہم و مشکل روایات کو بغیر وضاحت کے بیان کیا ہے۔

فیض کاشانی من لایحضرہ الفقیہ کے بارے میں کہتے ہیں جو خامیاں کافی میں ہیں ان کے علاوہ بہت سارے ضروری ابوابیات و فصول من لایحضرہ الفقیہ میں بیان نہیں ہوئے ہیں۔ مصنف نے روایات اور ان کی تشریح میں فاصلہ نہیں ڈالا ہے لہٰذا روایت کے الفاظ

۶۔ وافی ج ۱۳ ص ۱۰۔

۷۔ وافی ج ۱ ص ۱۹۔۲۰

اور شیخ صدوق کے الفاظ خلط ملط ہو گئے ہیں۔ تہذیب و استبصار پہ جو اہم اعتراض ہے وہ متعارض روایات کے درمیان نادرست تاویلات اور جمع کرنا ہے۔۸

فیض کاشانی نے کتب اربعہ کی خامیوں کو نوٹ کرتے ہوئے ایک ایسی کتاب کی فراہمی کی کوشش کی ہے جس میں کتب اربعہ کی روایات کے بیان ہونے کے ساتھ ساتھ ان نقائص سے خالی ہے جو کتب اربعہ میں موجود ہیں آپ اپنی کتاب کے بارے میں کہتے ہیں:

" اس کتاب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی مسائل و احکام کی استنباط کے لیے زیادہ تفکر کی ضرورت نہیں ہوگی غلط اجتہاد اور نامعلوم اجماع و فقہی اصول اور متناقض و وہم آور نظریات سے اطمینان حاصل ہوگا۔۹

وافی کی خصوصیات اور امتیازات

۱۔ جامعیت: وافی کتب اربعہ کی تمام روایات کو ذکر کرنے اور مکرر روایات کو حذف کرنے کے باوجود وسائل الشیعہ کے برخلاف اصول و فروع دونوں کی روایات کو اکھٹا کیا ہے اس طرح کہ وافی کا مطالعہ کرنے سے کتب اربعہ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

۲۔ روایات کی تشریح اور بیان: جوامع حدیث میں روایات کی تشریح اور بیان رائج نہیں ہے اس کے باوجود مرحوم فیض نے وافی میں اس کام کو انجام دیا ہے اور روایات کی تفہیم کی راہ میں جو رکاوٹ اور مشکلات ہے اسے بیان کیا ہے۔

۳۔ روایات کے اسناد اور متون کا ذکر: وافی میں روایات کے اسناد مکمل طور پہ بیان ہوئے ہیں اور اس طرح من لایحضرہ الفقیہ اور تہذیب میں جو کوتاہی ہوئی تھی کا ازالہ کیا ہے اور اسناد کی تلخیص کے مسئلے کو حل کیا ہے وسائل الشیعہ کے برخلاف کہ اس میں روایات کو تقطیع کیا ہے وافی میں مکمل روایات کو بیان کیا ہے۔

۸۔ وافی ج۱ص۱۹-۲۰

۹۔ وافی ج۱ص۱۹-۲۰

۴۔ صحیح نسخوں پہ اعتماد: وسائل الشیعہ پہ ایک اہم اعتراض اصلی نسخوں کے علاوہ دیگر نسخوں سے استفادہ ہے جس کی وجہ سے بعض جگہوں پہ متن اور سند میں گڑ بڑ ہوئی ہے لیکن اس غلطی کا وافی میں بہت کم مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لیے علامہ ابوالحسن شعرانی، نے وافی کو وسائل پہ ترجیح دی ہے۔

وافی کا اسلوب تحریر

فیض کاشانی نے وافی کے مقدمہ میں اسلوب تحریر کو اس طرح بیان کیا ہے:

اپنی تمام تر کوششوں کو بروئے کار لایا ہے تاکہ کتب اربعہ کی کوئی ایک روایت بھی حذف نہ ہو جائے اور وہ احادیث جن کی تشریح کی ضرورت تھی مختصرا تشریح کی ہے روایات کی تشریح کے لیے دیگر حدیث کی کتب سے استفادہ کیا ہے اور جن روایات کو ابتدائی وبدوی تعارض کا سامنا تھا صحیح طریقہ کار سے جمع کیا ہے اور اس کام کے لیے تاویل جو حقیقت سے زیادہ قریب ہو اس تاویل سے استفادہ کیا ہے۔

انہوں نے ایک اور جگہ اس طرح کتاب کی تحریر کا مقصد اس طرح بیان کیا ہے:

کبھی ایک روایت کو جس میں دو حکم تھے دو حصوں میں تقسیم اور دو مختلف ابواب میں بیان کیا ہے اور عنوان کے رعایت کی خاطر اسناد کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور بعض موارد میں ایک حکم پہ دلالت کرنے والی روایت کو ایک باب میں اور دیگر روایات کو دوسرے باب میں بیان اور باب کا ذکر کیا ہے۔۔۔ جس حدیث کو تشریح کی ضرورت تھی دوسری حدیث (اگرچہ وہ حدیث کتب اربعہ میں نہ بیان ہوئی ہو) سے تشریح کی ہے۔ اگر کتب اربعہ کے کسی مصنف نے کسی حدیث کی شرح بیان کی ہو یا اہل لغت حضرات کے اقوال کا سامنا ہوا تو ان کی گفتار کو نقل کیا ہے اور اگر اس قسم کے کسی مسائل سے سامنا نہ ہوا تو اپنی عقل اور اندک دانش کے مطابق حدیث کی تشریح کی ہے اور اگر میری گفتار واقع کے مطابق ہوا تو سمجھو اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں لیکن اگر میری گفتار غلط ہوئی تو اللہ معاف کرنے والا ہے روایات کی جمع اور حل تعارض کے لیے سب سے پہلے من لایحضرہ الفقیہ سے استفادہ کیا ہے اس کے بعد تہذیب و استبصار سے استفادہ کیا ہے البتہ جہاں پہ تاویل حقیقت سے دور تھا ان تاویلات کو ذکر نہیں کیا ہے۔۔۔۔۔ جو تاویل حقیقت کے قریب تھی اسے بیان کیا ہے جہاں پہ روایات کو جمع کرنا ممکن نہ تھا وہاں پہ سند یا متن کو ترجیح کے شرائط (یعنی کتاب، سنت، عقل، اجماع، یا تقیہ پہ حمل، سے موافقت کی بنا پہ) کے مطابق ترجیح دی ہے۔

اگر ترجیح بھی ممکن نہ رہا تو ان روایات کو ایسے ہی چھوڑ دیا ہے۔۔۔کتاب کو ابوابیات کی ترتیب پہ مرتب کیا ہے۔ وہ روایات جو متفرقہ تھیں " نوادر" کے عنوان سے ایک باب میں بیان کیا ہے۔ وہ قرانی آیات جو روایات سے مطابقت رکھتی تھی کو ہر باب کے آغاز میں بیان کیا ہے۔۔۔ادیبوں کے اقوال سے استفادہ کیا ہے۔

فیض کاشانی کی گفتار کے مطابق وافی کی تدوین میں ان کے اسلوب کو مندرجہ ذیل محور میں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔مرحوم فیض نے کتاب وافی میں کتب اربعہ کی تمام روایات کو ذکر کرنے میں کافی توجہ دی ہے اور روایت کی مرتب سازی میں مندرجہ ذیل اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے:

۱-۱) ہر باب سے مناسبت رکھنے والی روایات کو اسی باب میں ذکر کیا ہے جو روایات دیگر روایات سے مطابقت نہیں رکھتی اسے الگ باب میں " نوادر" کے عنوان سے بیان کیا ہے۔ اور اس اسلوب سے کتب اربعہ کے مصنفین نے بھی استفادہ کیا تھا۔

۲-۱) روایات کو صرف اس وقت جب روایت دو مختلف حکم پہ مشتمل ہو تقطیع کیا ہے اور روایت کے باب اور مکان کا ذکر کرتے ہوئے روایت کے دوسرے حصے کو بیان کیا ہے۔

۲۔مرحوم فیض نے روایات کی تشریح میں مندرجہ اصولوں کا خیال رکھا ہے:

۱-۲) روایات کی تبیین اور تشریح کے لیے بہترین راہ دیگر روایات سے استفادہ کرنا ہے آپ نے اس اسلوب سے استفادہ کیا ہے اور اس کام کے لیے کتب اربعہ کی روایات کے علاوہ دیگر روائی کتب سے بھی استفادہ کیا ہے اس لحاظ سے کتاب وافی کتب اربعہ کی روایات کے علاوہ دیگر روایات پر بھی مشتمل ہے۔

۲-۲) دانشوروں کے نظریے سے استفادہ کرنا روایات کی فہم اور تبیین کے لیے فائدہ مند ہے اسی لیے دیگر علما بالخصوص کتب اربعہ کے مصنفین کی آرائ سے استفادہ کرنا فیض کاشانی خود کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔

۳-۲) روایات الفاظ اور عبارات کے بناوٹ میں عربی ادب کے قواعد سے وابستہ ہیں لہٰذا انہوں نے عربی ادیبوں کی سخن اور عربی ادب سے روایات کی تشریح میں کام لیا ہے۔

۴-۲) روایات پہ تبصرہ کرنا نہایت حساس کام ہے اسی لیے انہوں نے جہاں روایات کی تبیین میں اپنی عقل سے کام لیا ہے اور اپنی سوچ میں خطا کا گماں کرتے ہوئے توبہ و استغفار کی ہے۔

۳۔ فیض کاشانی نے متعارض روایات کو حل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریقوں کا استعمال کیا ہے۔

ا۔۳) جہاں تک روایات میں جمع ممکن تھا تاویل کے ذریعہ متعارض روایات کو جمع کیا ہے۔ اور اس کام میں انہوں نے تہذیب اور استبصار سے استفادہ کیا ہے لیکن شیخ طوسی کے (فیض کاشانی کے بقول) حقیقت سے دور تاویلات کو بیان نہیں کیا ہے، کیونکہ انہوں نے شیخ طوسی پہ حقیقت سے دور تاویل کرنے پہ تنقید کیا ہے۔

۲۔۳) جہاں پہ تاویل ممکن نہ تھا وہاں سند یا متن کے لحاظ سے ایک روایت کو دوسری روایت پہ ترجیح دی ہے۔

۳۔۳) جہاں پہ ترجیح ممکن نہ تھا وہاں متعارض روایات کو بغیر تبصرے کے چھوڑ دیا ہے۔

روایات سے تعامل کا بہترین طریقہ یہی تین مرحلے ہیں شیخ طوسی نے بھی تہذیب واستبصار کے مقدمہ میں اس بات کی تاکید کی ہے۔

۴۔ فیض کاشانی نے ہر باب سے مناسب آیات کو باب کے آغاز میں بیان کیا ہے اور ان کے بعد علامہ مجلسی نے اسی کام کو انجام دیا اور آج بھی روایات کو مرتب کرنے کے لیے اس کام پہ توجہ دیا جاتا ہے۔ وافی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیض کاشانی نے وافی کے آغاز سے اختتام تک اسی اسلوب سے استفادہ کیا ہے۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«بیسواں سبق»

تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ کا تعارف، شیخ حر عاملی (م ۱۱۰۴)

اس کتاب کو مختصراً وسائل الشیعہ یا وسائل کہا جاتا ہے یہ کتاب گیارہویں صدی میں شیخ محمد بن حسن حر عاملی کے توسط سے لکھی گئی ہے آغاز تدوین سے آج تک شیعہ دانشور بالخصوص فقہانے اس پہ زیادہ توجہ دیا ہے کیونکہ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت روایات کی ابوابیات فقہ کے مطابق ترتیب ہے۔ کیونکہ اس کتاب سے مراجعہ کرنے سے فقہا کتب اربعہ اور بعض دیگر کتب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

شیخ حر عاملی کی سوانح حیات

محمد بن حسن، حر عاملی ۱۰۳۳ ہجری قمری رجب کے مہینے میں شب جمعہ جنوب لبنان کے مشغرۃ نامی گاوں میں پیدا ہوئے آپ جبل عامل کے ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے ۲۱ رمضان ۱۱۰۴ ہجری قمری کو مشہد میں وفات پا گئے اور امام رضاؑ کے صحن میں میرزا جعفر کے مدرسے کے قریب دفن ہوئے آپ کا شجرہ نسب ۳۶ واسطوں سے حر بن یزید ریاحی کربلا کے آزاد مرد تک پہنچتا ہے ا آپ کے خاندان کے تمام افراد علما اور محدث تھے جن کے پاس انہوں نے تلمذ کیا وہ ان کے والد محترم، نانا، چچا، ماموں وغیرہ ہیں۔ معالم کے مصنف شیخ زین الدین محمد بن حسن بھی ان کے چچا تھے۔ ۲

جبل عامل: شیخ حر عاملی کی پیدائش کی جگہ جناب ابوذر غفاری کی شام سے جلا وطنی کے بعد سے شیعہ ہوگئے اور اس کی آغوش ہمیشہ مخلص اور پرجوش شیعوں کی استقبال کے لیے کھلی رہی اور بزرگ و لائق علما مذہب شیعہ کے حوالے کیا ہے۔ شہید اول و شہید ثانی، شیخ عبدالصمد، شیخ بہائی، محقق ثانی وغیرہ سب اسی جگہ تعلق رکھتے ہیں۔ شیخ حر عاملی کہتے ہیں: " شہید ثانی کے دور میں جبل عامل کے ایک گاؤں میں ایک جنازے پہ ۷۰ علما اکھٹے ہوئے تھے۔ ۳

شیخ حر عاملی نے اپنی زندگی کے حالات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اپنے گاؤں میں اپنے والد محترم، چچا محمد حر، نانا شیخ عبدالسلام بن محمد حر، والد کے ماموں شیخ علی بن محمود اور دیگر لوگوں سے تعلیم حاصل کیا پھر اسی گاؤں میں اپنے چچا شیخ زین الدین (معالم کے

ا۔ وسائل الشیعہ ج اص ۷۳-۷۴/ ھدایۃ الامۃ ج ا/ امل الآمل ج اص ۹/۸۔

۲۔ امل الامل ج اص ۱۰،۹

۳۔ وسائل الشیعہ ج اص ۷۶۔

مصنف) اور شیخ حسین ظہیری، کے   پاس آگئے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا ہے ۴۰ سال اپنے گاؤں میں رہنے کے بعد مقامات مقد سات کی ز یارت کے لیے ایران تشریف لے آئے اور اصفہان میں کچھ عرصہ سکو نت اختیار کرکے علامہ مجلسی سے نقل روا یت کی اجازت لی اور آپ نے بھی انہیں روا یت کی اجازت دی پھر امام رضاؑ کی ز یارت کے لیے مشہد چلے گئے اور ۱۷۰۳ ہجری قمری سے مشہد میں سکونت اختیار کی۔

مشہد میں آپ آخری عمر تک تدریس و تحقیق میں مصروف رہے، آپ سید حسین موسوی عاملی جبعی کے بارے میں کہتے ہیں کہ مشرقی بڑے صحن میں تدریس کے لیے خاص جگہ تھی آپ کے بعد وہ جگہ مجھے دی گئی ۴، اور علامہ سید محمد امین، شیخ محمد جزائری سے نقل کرتے ہیں کہ شیخ حر عاملی سے ۱۰۹۹ سنہ ہجری کو مشہد میں ملاقات ہوئی تھی جہاں اپ شاگردوں کے درمیان بیٹھ کے وسائل الشیعہ کی تدریس کیا کرتے تھے۔ ۵

آپ کے دو بیٹے شیخ محمد رضا اور شیخ حسن، سید محمد حسین اعرجی، محمد فاضل مشہدی، محمد تقی استر آبادی، ان افراد کا شمار آپ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ ۶

شیخ حر عاملی کی کتابیں

شیخ کے لیے ۲۴ کتابوں کا ذکر کیا ہے آپ نے خود ہی سوانح حیات میں ان کتابوں کا ذکر کیا ہے آپ کی کچھ کتابوں کا ذیل میں نام بیان کیا جارہا ہے:

۱۔ تفصیل وسائل الشیعہ: شیخ حر عاملی کی سب اہم اور سب سے زیادہ قابل عمل کتاب ہے۔

۲۔ اثبات الہداۃ بالنصوص والمعجزات: ۷ جلدوں پر مشتمل ہے مصنف کہتے ہیں ۲۰ ہزار حدیث اور ۷۰ ہزار اسناد ہیں اس کتاب کی روایات کو ۱۴۲ شیعہ ۲۴ اہل سنت کتب سے براہ راست نقل کیا ہے۔

۳۔ الفصول المہمۃ فی اصول الائمۃ، عقائد کے بیان میں اہل بیت علیم السلام کی روایات سے متعلق ہے طب اور فقہ کی روایات بھی ہے۔

۴۔ ھداۃ الامۃ: وسائل کی بعض روایات کا اسناد کے حذف کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

۴۔ امل الآمل ج ا ص ۱۶۔

۵۔ امل الآمل ج ا ص ۱۶۔

۶۔ امل الآمل ج ا ص ۱۶۔

۵۔الجواہر السنیۃ فی الاحادیث القدسیّۃ، شیخ حر اس کتاب کے مقدمہ میں واضح کرتے ہیں کہ آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث قدسیّہ کو اس طرح مرتب کیا ہے۔

۶۔الفوائد الطوسیّہ: اس کتاب میں سو فائدے بیان ہوئے ہیں اور اخباری حضرات کے عقائد کا بیان اور ان سے دفاع کے بارے میں ہے۔

۷۔رسالۃ فی الردّ علی الصوفیّہ

۸۔دیوان شعر: آپ شعر میں ذوق سخن رکھتے تھے آپ کہتے ہیں: میرے دیوان شعر میں بیس ہزار شعر کے بیت ہیں جو پیغمبر ﷺ اور ان کے آل کی مدح میں ہے اس کے علاوہ میراث وزکات۔۔۔ جیسے موضوعات میں بھی مختلف منظومے ہیں۔

شیخ حر عاملی کے کتب کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے آپ کا زیادہ تر توجہ روایات کو جمع کرنے پہ تھی اور اسی پہ بیشتر تحقیقات کیے ہیں اور اگر الفصول المہمۃ میں عقائد پہ کام کیا ہے تو وہ بھی روایات سے الہام لیتے ہوئے انجام دیا ہے۔

وسائل الشیعہ کا تعارف

شیعہ جوامع حدیث کی ایک اہم کتاب وسائل الشیعہ ہے جو گیارھویں صدی میں روایات فقہ کو منظّم کرنے اور کتب حدیث میں موجود نقائص کو دور کرنے، روایات کی پراکندگی اور تمام احادیث فقہ کا شامل نہ ہونا، اس قسم کے نقائص کو دور کرنے کے لیے تحریر کی گئی ہے۔

شیخ حر عاملی نے وسائل کی روایات کو کتب اربعہ اور دیگر ایک سواسی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں نئے رنگ میں ڈھالتے ہوئے اسناد و متون کی اختلافات پہ توجہ دیا ہے انہوں نے اس کام میں اٹھارہ یا بیس سال لگا دیئے ہیں آپ واضح الفاظ میں کہتے ہیں : اس کتاب میں بیاسی کتب سے بلا واسطہ اور چھیانونے کتب سے بالواسطہ روایات بیان کی ہیں۔۷

وسائل الشیعہ کی روایات ابوابیات فقہ کی بناپر طہارت سے شروع اور دیات پہ ختم ہوئی ہیں۔ کتاب کے مصنف نے روایات اور ابواب کی ترتیب، محقق حلی کی کتاب شرایع الاسلام فی مسائل الحلال والحرام کے مطابق مرتب کیا ہے اور حقیقتاً اسی کتاب کی شرح ہے، وسائل الشیعہ مقدمہ، اکتیس ابوابیات، اکیاون کتب فقہ اور ۳۵۸۵۰ روایات پہ مشتمل ہے۔۸

۷۔ وسائل الشیعہ ج۱ ص۸۸/ علم حدیث ص۸۸۔

۸۔ علم الحدیث ص۸۸۔

کتاب کے مصنف نے کتاب کے آخر میں "خاتمہ" کے عنوان سے ایک باب بنایا ہے اور اس میں بارہ فائدے بیان کیا ہے۔
شیخ حر نے روایات کی درستگی اور مواد کی اتقان کے لیے تدوین کے بعد تین بار کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور کتاب میں موجود نقائص کو دور کیا ہے۔۹

وسائل الشیعہ روایات فقہ کو مکمل اور جامع طور پہ بیان اور فقہی ابوابیات کی خوبصورت ترتیب کی وجہ سے آغاز سے لیکر آج تک شیعہ فقہاو مجتہدین کی توجہ کا خاص محور قرار پایا ہے۔ علامہ امینی اس بات کے قائل ہیں کہ: "سوانح حیات کی کتب میں شیخ حر عاملی کی تعریف کے ساتھ ساتھ وسائل الشیعہ کی تعریف بھی بیان ہوئی ہے۔"۱۰

مصنف کا ارادہ اس کتاب پہ مکمل شرح لکھنے کا تھا اور اس شرح کے لیے تحریر وسائل الشیعہ و تحبیر مسائل الشریعہ کا نام منتخب کیا تھا لیکن اس کام کے لیے فرصت نہیں پایا اور کتاب کی شرح کا کام نامکمل رہ گیا۔۱۱

مصنف کی ترتیب کے مطابق وسائل الشیعہ کی چھ جلدیں تھیں یہ کتاب آج تک کئی بار چھاپ چکی ہے۔

شیخ حر عاملی امل الآمل میں اپنے کتب کا نام لیتے ہوئے وسائل الشیعہ کی اہمیت کے بارے میں اس طرح کہتے ہیں:
"تفصیل وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ چھے جلدوں میں اور کتب اربعہ کی تمام احادیث فقہ نیز ستر سے زائد دیگر منابع حدیث سے استفادہ کیا ہے اس کتاب میں دیگر کتب کے نام اور اسانید بیان ہوئے ہیں نیز حسن ترتیب اور مختصر طور پہ احادیث کے درمیان جمع کے مختلف اشکال کو بیان کیا ہے اور ہر مسئلہ کے لیے حتی الامکان ایک باب مخصوص کیا ہے۔۱۲

۹۔ وسائل الشیعہ ج۱ص۹۵۔

۱۰۔ علم الحدیث ص۸۸

۱۱۔ شیخ آغابزرگ تہرانی کہتے ہیں: اس شرح کی ایک جلد شایع ہو چکی ہے۔ وسائل الشیعہ ج۱ص۸۹۔

۱۲۔ امل الآمل ج۱ص۱۴۱۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«اکیسواں سبق»

وسائل الشیعہ کی تحریر کا محرک

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

وسائل الشیعہ کی تحریر کا محرک

شیخ حر عاملی نے وسائل الشیعہ کے مقدمہ میں اس کتاب کی تالیف کا مقصد یوں بیان کیا ہے:

میں نے ہمیشہ عقل و قلم سے کام لیا، تا کہ ایک کتاب لکھوں جو میری خواہشات کو پوری کرے اور علم و عمل کے لیے کافی ہو اور شرعی مسائل اور احکام جو ہمارے معتبر کتب میں علما کے توسط سے بیان ہوئی ہے پر مشتمل ہوں۔۔۔۱

شیخ حر عاملی قدیم کتب حدیث کے نقائص کو ان کے اس کام میں اہم اور مؤثر عوامل میں سے جانتے ہیں اور کہتے ہیں:

جو کوئی کتب، احادیث فقہ کے روایات احکام شرعی سے متعلق نہیں ہے یا بہت سے روایات شرعی احکام کے مسائل سے خالی ہیں اگرچہ یہ کتب مجموعی طور پہ کفایت کرتی ہیں۔۲

آپ اس بات کے قائل ہیں کہ: وسائل الشیعہ پڑھنے سے قدیم کتب حدیث میں موجود اہم علمی نقائص سے واقف ہوتے ہیں مثال کے طور پر انہوں نے بہت ساری روایات کو ضعیف سمجھا ہے حالانکہ اسی روایت کو دوسری طریق سے درست سمجھا گیا ہے۔ یا کہا جاتا ہے بہت سارے علمی مسائل کے بارے میں نص نہیں ہے حالانکہ مسائل کے بارے میں واضح نص موجود ہے یا بعض مسائل کے لیے صرف دو تین روایات بیان کیے ہیں حالانکہ اس بارے میں روایات کی تعداد کافی زیادہ ہیں۔۳

شیخ حر عاملی کے گفتار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ ان کی نگاہ میں قدیم جوامع حدیث بالخصوص کتب اربعہ (ان کی گفتگو کا محور زیادہ تر کتب اربعہ ہے) میں یہ نقائص پائے جاتے تھے:

۱۔ ضعف ساختاری: ضعف ساختاری اور مناسب شیوہ کا نہ ہونا احادیث تک رسائی کو مشکل، اور احادیث کی پراکندگی کا باعث، اور فقہی روایات کا درست جگہ پہ ذکر نہ ہونے کا سبب بنا ہے ساختاری کمزوری اور مرتبط روایات پہ توجہ نہ دینے سے کتب اربعہ کے مصنفین نے بہت سے روایات کو ضعیف جانا ہے، یا بعض مسائل کو بغیر نص و دلیل کے سمجھا ہے۔

۱۔ وسائل الشیعہ ج۱ص۴۔

۲۔ وسائل الشیعہ ج۱ص۴۔

۳۔ وسائل الشیعہ ج۱ص۷۔

کتب اربعہ میں ضعف ساختاری بالخصوص احادیث فقہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کا فیض کاشانی نے بھی دعوی کیا ہے اور الوافی کی تحریر کا محرک بھی یہی بیان کیا ہے۔[۴]

جن کتابوں میں کتب اربعہ کے ضعف ساختاری کا ذکر کیا گیا ہے وہ کتب اربعہ کی تحریر کے پانچ صدیاں گزرنے کے بعد تحریر ہوئی ہیں لہذا کتب اربعہ پہ اعتراض فطری بات ہے کیونکہ ان کتب کے تحریر کے دوران تک علم فقہ اوج پہ پہنچ گیا تھا اور گذشتہ نقائص سے پاک ہو چکا تھا اور سینکڑوں کی تعداد میں فقہی موسوعے لکھے جا چکے تھے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے: فقہیات اور تحدیث کے درمیان نا ختم ہونے والا رابطہ ہے۔ فقہ کے ابوابیات اور فقہی مسائل کی ترتیب روایت اور کتب حدیث کی بناوٹ پر کافی تاثیر گذار ہے پانچویں صدی تک فقہ مناسب ساختار نہیں رکھتا تھا کہ اسی مناسب ساختار کی روشنی میں کتب حدیث کا ساختار بھی درست ہوتا۔

قدیم محدثین کی طرف سے حقیقت سے دور تاویلات اور روایات کے درمیان جمع کے بارے میں فیض کاشانی اور شیخ حر عاملی کا نظریہ ایک ہے۔ تاویلات درست ہیں یا نہیں اس کو الگ سے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ب) ضعف محتوائی (مواد کی کمزوری):

ضعف محتوائی سے مراد وہ نظریے ہیں جو کتب کے مصنفین نے روایات کی تشریح اور تناقض کو رفع کرنے کے لیے بیان کیا ہے اس کی کچھ مثالیں تہذیب الاحکام کی جانچ پڑتال میں ذکر کیا ہے۔ ناحق تاویل، اختلاف نگرش جیسی عبارات کا استفادہ اسی نکتہ کو بیان کرتیں ہیں۔ شیخ حر عاملی وسائل الشیعہ میں روایات کا منظّم ہونے اور ضعف ساختاری نہ ہونے پہ تاکید کرتے ہوئے اس بات کے مدعی ہیں کہ وسائل الشیعہ میں ضعف ساختاری بہت ہی کم ہے اور روایات کی جمع میں صحیح تاویل اور حقیقت سے قریب تاویل سے استفادہ کیا ہے۔[۵]

وسائل الشیعہ کی تحریری اسلوب

شیخ حر عاملی نے احادیث فقہ کی تنظیم و ترتیب کے لیے سب سے پہلے کتب اربعہ اور دیگر کتب حدیث کی شناخت حاصل کی ہے اس کے بعد ان منابع اور حوالہ جات کی صحت اور نادرستی کے بارے میں جانچ پڑتال شروع کیا ہے اور شرعی مسائل کے بارے میں

---

۴ ۔ وافی ج ۱ ص ۱۹/۲۰

۵ ۔ وافی ج ۱ ص ۱۹/۲۰۔

ان کے ذہن میں جو آئیڈیا تھا اس کے مطابق روایات کی تقطیع اور تنظیم کا کام شروع کیا اور ہر روایت کو مناسب جگہ پہ قرار دینے کے بعد پانچ بنیادی مسائل کی طرف توجہ دیا ہے:

۱۔ روایات کو اصلی نسخوں سے بیان کرنے کے باوجود دیگر نسخوں پہ بھی توجہ دیا گیا ہے اور نسخ میں موجود اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اگرچہ وسائل الشیعہ میں اس کام کو نہ کرنے کی وجہ سے تنقید کیا گیا ہے۔

۲۔ مختلف منابع سے نقل روایات کو بیک وقت انجام دینے کے بعد اسناد اور مختلف طرق اور متون میں موجود اختلاف کو بیان کیا ہے چاہے وہ اختلاف خوبیاں ہوں یا خامیاں۔

۳۔ روایات کے درمیان تعارض یا دیگر مشکل کے وقت مختصراراہ حل بیان کیا ہے۔

۴۔ بعض موارد میں مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے۔

۵۔ شیخ حر عاملی نے اختصار کی خاطر طرق روایات کو کتاب کے آخر میں بیان کیا ہے۔

وسائل الشیعہ کے مصنف کہتے ہیں:

میں نے اس کتاب کی روایات کو صرف ان کتب سے جن پہ شیعہ علما نے اعتبار کیا ہے اور صرف انہیں سے مراجعہ کرتے ہیں سے استفادہ کیا ہے اور کتاب کے آغاز میں جس کتاب سے روایت بیان کیا ہے کا نام ذکر کیا ہے اور وہ طرق اور کتب جو بھی اس سے مربوط ہے انہیں کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے، تاکہ روایات کے ان کتب سے انتخاذ پہ، تاکید کرتے ہوئے اطناب سے دوری اختیار کیا جائے۔ اس کام میں شیخ حر عاملی نے شیخ طوسی اور شیخ صدوق سے پیروی کی ہے اور ان کے اسانید کو کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے۔۔۔ اور اس کتاب میں صرف کتب اربعہ پہ اکتفا نہیں کیا ہے اس لیے کہ ان کتب کے علاوہ بھی دینی علماء کی مورد وثوق کتب موجود ہیں لہذا کتب اربعہ کے علاوہ جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کا نام بھی بیان کیا ہے۔

وسائل الشیعہ کے محقق اس کتاب کے تدوین کے مراحل کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۱۔ انہوں نے منابع حدیث کی اسناد کو جہاں ان کے مقصد کو نقصان نہ پہنچتا ہو اسناد کو مختصر کیا ہے انہوں نے اس کام کے لیے "اداء" اور تحمّل" کے الفاظ کو حذف کرکے انہیں "عن" میں تبدیل کیا ہے۔ اور کنیہ والقاب کو حذف کیا ہے اسناد کو ذکر کرتے ہوئے انہوں نے صرف راوی کے نام، القاب، یا کنیہ پہ کفایت کیا ہے مثلا "عبداللہ بن جعفر حمیری" کے بجائے صرف "حمیری" پہ اکتفا کیا ہے۔

۲۔ مصنف نے ا، یک روا، یت کوا، یک نص و متن اور ا، یک مآ خذ سے بیان کیا ہے لیکن پراکندہ موارد کو ذکر کرتے ہیں اسناد کے درمیان جمع کیا ہے اور اگر روایت کا مآخذ ایک سے زیادہ ہے تو اسناد کو خلاصہ کرکے اکھٹے ایک جگہ بیان کیا ہے لہٰذا جو کوئی اس فن سے آشنا نہ ہو تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ سند میں ناموں کا اضافہ ہوا ہے۔

۳۔ اگر روایات کے مآخذ ایک سے زیادہ ہوں تو ایک مآخذ سے روایت کو بیان کیا ہے پھر دیگر مآخذ کو ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں "مگر یہ کہ اس مآخذ میں یہ اضافہ ہوا ہے۔۔۔" یا یہ کہ "اس نے اس طرح کہا ہے۔۔۔"۶

شیخ حر عاملی بیس سال کے عرصے میں فقہ سے مربوط تمام روایات کو اس موسوعہ میں اکھٹا کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ نظر ثانی میں بھی کامیاب ہوئے اور اگر آپ کتاب کو مختصر نہ کرتے اور روایات کے اسناد بغیر حذف کیئے بیان کرتے تو اس کتاب کے سینکڑوں جلدیں بن جاتیں۔۷

۶۔ وسائل الشیعہ ج ا ص ۹۶/ ۹۷

۷ ۔۔ وسائل الشیعہ ج ا ص ۹۷

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«بائیسوں سبق»

وسائل الشیعہ کی خصوصیات

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

وسائل الشیعہ کی خصوصیات

جو کچھ وسائل الشیعہ کے تعارف میں بیان کیا گیا ہے اس سے مندرجہ ذیل خصوصیات کا پتا چلتا ہے:

ا۔ جامعیت۔ احادیث فقہ کی نسبت جامعیت؛ وسائل الشیعہ کے مصنف نے کتب اربعہ سے پرے ہٹ کر دیگر کتب سے بھی احادیث فقہ کو جمع کیا ہے اسی لیے فقہی مسائل کو منعکس کرنے والی کتب (تہذیب واستبصار) پر تنقید کے ضمن میں، یا تو غیر فقہی روایات بیان کرنے کی وجہ سے، یا تمام احادیث فقہ کو بیان نہ کرنے پر تنقید کرتے ہوئے وسائل الشیعہ کے آغاز سے اختتام تک اپنے مقررہ مقصد سے خارج نہیں ہوئے ہیں اور وہ روایات جو فقہ سے مربوط نہیں ہے اور دعاوزیارات ائمہ علیہم السلام پر مشتمل ہے انہیں بیان نہیں کیا ہے۔ لیکن فروعات فقہ کو، سنن اور دنیاوی آداب کو بیان کیا ہے۔ ا

مصنف نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے کتب اربعہ کے علاوہ شیعہ علما کے مورد وثوق ٧٠ کے قریب دیگر کتب سے بھی استفادہ کیا ہے بے شک شیخ حر عاملی نے جو کام انجام دیا ہے ان کے دور تک کسی اور نے اس قسم کا کام نہیں کیا تھا۔ اگر چہ بحار الانوار وسائل الشیعہ کے ساتھ ہی تحریر ہوئی ہے لیکن اس کا موضوع روایات فقہ نہیں ہے آج کے دور میں آیۃ اللہ بروجردی کے توسط سے یہی کام جامع احادیث الشیعہ میں انجام پایا ہے۔

۲۔ ابوابیات فقہ کے مطابق روایات کا انعکاس

فقہ سے متعلق مسائل و مباحث میں ترقی کی فقدان کہ وجہ سے بہت سارے روایات مناسب ابوابیات میں ذکر نہیں ہوئے تھے اور بعض موارد میں چند عناوین پر مشتمل روایت ایک ہی باب میں منعکس تھی شیخ حر عاملی نے احادیث فقہ اور موضوعات فقہ میں نئے اسلوب کا استعمال کرتے ہوئے ہر روایت کو اسی کے مناسب باب میں ذکر کیا ہے۔ اس بات کی طرف انہوں نے خود اشارہ کیا ہے۔

اس کام نے فقہا کے کام کو فتوے اور استنباط سے متعلق روایات سے استفادہ کو آسان بنا دیا ہے اور تقریباً مصنف کا بیان کردہ مشکل یعنی گذشتہ علما ایک مسئلہ کے بارے میں فقدان نص کے مدعی تھے کو حل کیا ہے۔

ا۔ وسائل الشیعہ ج ا ص ٦۔

۳۔ روایات اور اسناد کا تقابلی جائزہ؛ مختلف متون سے نقل روایات میں مصنف کا دقت نظر نے عملی طور پہ مختلف منابع حدیث اور متون میں تقابل فراہم کیا ہے، اس طرح روایات کی خامیاں، خوبیاں، اور کمزوریوں کو پرکھنے کے لیے محققین کے اختیار میں دیا ہے نیز اختلافی نسخوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۴۔ روایات کی تشریح میں ضروری وضاحت؛ مصنف نے مختصر الفاظ میں متعارض روایات کا حل پیش کیا ہے یا بعض مشکل الفاظ یا فہم روایات کو درپیش مشکلات کی تشریح بیان کی ہے۔

تحقیق کے ساتھ شائع شدہ وسائل الشیعہ میں اس کتاب کے لیے کچھ خصوصیات بیان ہوئی ہیں:

١. کتاب احادیث فقہ سے مخصوص ہے۔

٢. کتب اربعہ کی روایات پہ اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔

٣. کتاب کی ترتیب کتاب شرائع کی ترتیب کی بنا پہ کتب، ابواب، فصول، فروع، مسائل وغیرہ پہ مرتب کی گئی ہے۔

۴. اسناد روایات کا ذکر

۵. روایات کے متون میں اشباہ و نظائر کا جمع کرنا۔

٦. کتاب کے حجم میں کمی کرنے کی تا حد امکان کوشش

وسائل الشیعہ کی تالیف میں جن منابع سے استفادہ کیا گیا ہے:

پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے، وسائل الشیعہ کے آخر خاتمہ کے باب میں فائدہ نمبر ۴ میں جن کتب انہوں نے سے استفادہ کیا ہے ان کو بیان کیا ہے جن منابع سے براہ راست استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ۸۲ اور جن منابع سے اصلی کتب کے توسط سے رجوع کیا ہے ان کی تعداد ۹٦ کتب ہیں۔ مصنف اس فصل کے آغاز میں کہتے ہیں:

مورد وثوق کتب کے نام جن سے اس کتاب میں احادیث نقل کرنے کے لیے استفادہ کیا ہے دیگر مصنفین نے بھی ان کتب کی درستگی کی گواہی دی ہیں نیز مصنفین سے تواتر کے ذریعہ ثابت ہوئی ہیں یا بعض طرق کی بنا پہ ان کتب کی مصنفین سے انتساب یقینی ہے جیسا کہ کتب کا علما اور دانشوروں کے ہاتھ سے لکھا ہونا اور ان کی کتب میں ان کا مذکور ہونا اور ان کی درستگی کی گواہی

دینااور ان کتب کے مضامین معتبر اور متواتر کتب احادیث کے مطابق ہیں اور خبر واحد محفوف بہ قرائن کا نقل کرنا۔۔۔۔۔ یہ کتب؛کافی، من لایحضرہ الفقیہ وغیرہ ہیں۔۔۔۔۲

شیخ حر عاملی نے مذکورہ کلام میں مورد اعتماد کتب کی درستگی اور اعتبار کو ثابت کرنے کے لیے صحت کے قرائن بیان کیا ہے ان قرائن کو ایک طرح سے اندونی اور بیرونی قرائن میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، دانشوروں کی گواہی، علما کے دستخط سے لکھا ہونا، تکرار نقل، یہ بیرونی قرائن حساب میں آتا ہے، کتاب کی مواد و محتواکا دیگر کتب حدیث سے موافق ہونا، یہ اندرونی قرائن میں محسوب ہوتا ہے۔

محدث نوری اس بات کے قائل ہیں کہ شیخ حر عاملی نے ۱۸۷ کتب سے زائد کتب سے بلاواسطہ یا بالواسطہ استفادہ کیا ہے اس کے علاوہ دیگر منابع بھی ان کے پاس تھے لیکن دو دلائل کی بنا پہ ان منابع سے استفادہ نہیں کیا ہے۔

ا۔ان کتب کے بعض مصنفین کی وثاقت کا علم نہ ہونا۔ ۲۔ بعض مصنفین کا قابل اعتبار نہ ہونے پہ علم مثال کے طور پہ مصباح الشریعہ جوامام صادقؑ سے منسوب ہے؛ فقہ رضوی جو امام رضاؑ سے منسوب ہے، عوالی اللئالی جو ابن ابی جمہور احسائی کی ہے اور دیگر کتب۔ ۳

شیعہ دانشوروں کی نگاہ میں شیخ حر عامی اور وسائل الشیعہ کا مقام و مرتبہ

شیخ حر عاملی کا علمی اور معنوی مقام اور وہ خدمتیں جو انہوں نے مختلف کتب تحریر کرنے سے کی ہے من جملہ وسائل الشیعہ کی تحریر سے کی ہے علماء کی نگاہ میں قابل تعظیم واحترام ہیں اور بہت سارے شیعہ علما اور سوانح حیات نگاروں نے ان کے اس تعظیم واحترام کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور نہایت کم موقع پہ انہیں میں نقل گرائی اور تحقیق کی قلّت کی وجہ سے مورد تنقید ٹھہرایا ہے، یہاں مختصراان کے بارے میں موجود نظریات کو بیان کریں گے:

ا۔ علی بن مرزااحمد (صدرالدین مدنی) سلافۃالعصر میں یوں کہتے ہیں:

شیخ حر عاملی علم ودانش کے بزرگوں میں سے ہیں اور ان کے ہم منصب ان تک نہیں پہنچ سکیں اور صاحب فضیلت ہیں ان کی شخصیت تعریف سے باہر ہیں۔۔۔۔ان کی کتب غُرر ان کے الفاظ دُر ہیں۔ ۴

---

۲ ۔وسائل الشیعہ ج۲۰ص۳۶-۴۹

۳ ۔ خاتمہ المستدرک ج۱ص ۱۸

۴ ۔سلافۃ العصر ص۳۶۷؛امل الآمل ج۱ص۱۸

۲۔ شیخ کے بھائی: شیخ احمد حر عاملی، الدر السلوک میں ان کی وفات کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

" علم وفضیلت، عمل و عبادت، شیخ الاسلام والمسلمین، فقہا و محدثین کے وارث ۔۔۔۔۔" ۵

۳۔ محمد صادق مشہدی فہرس کافی کے مصنف کہتے ہیں:

شیخ اور ہمارے مولا۔۔۔افضل الافاضل۔۔۔د قت نظر رکھنے والا اور محقق، محدث۔۔۔ائمہ علیہ ال سلام کے اخبار کو جمع کرنے والا۔۔۔٦

۴۔ شیخ حسن بلاغی نجفی نے انہیں ثقہ عین (نامور) صحیح الحدیث، اچھے تصنیفات کے مالک۔۔۔سے یاد کیا ہے۔۷

۵۔ سید محمد باقر موسوی خوانساری کہتے ہیں:

آپ وسائل الشیعہ کے مصنف اور متاخر محمدون ثلاث میں سے ایک ہیں جنھوں نے شیعہ احادیث کو جمع کیا ہے اور مختلف کتب و رسائل کے مالک ہیں۔۸

٦۔ شیخ عباس قمی اس بارے میں کہتے ہیں:

محمد بن حسن بن علی مشغری، محدثین کے شیخ، متبحرین میں سب سے افضل، نامور فقیہ، زبردست محدث،۔۔۔مفید تصنیفات کے مالک من جملہ وسائل الشیعہ کے مصنف ہیں اس کتاب کو تحریر کرکے مسلمانوں پہ منت کیا ہے ایسی کتاب جو بے ساحل سمندر کی مانند ہے۔۹

۷۔علامہ امینی اس بارے میں کہتے ہیں:

آپ کے آثار اور برکات میں سے اہل بیتؑ کی احادیث کو مختلف جلدوں میں تدوین نیز امامت کی اثبات فضائل اور یاد اہل بیتؑ کا منتشر کرنا ان کے احکام و حکمات کو جمع کرنا ہے۔۱۰

۸۔علامہ طباطبائی وسائل الشیعہ کی تعریف میں بیان کیا ہے:

---

۵ ۔امل الآمل ج۱ص ۱۹
٦ ۔؛امل الآمل ج۱ص ۱۹
۷ ۔آمل الآمل ج۱ ۱۹۔۲۰
۸ آمل الآمل ج۱ص ۱۹ نقل از روضات الجنات ص ٦۴۴
۹ ۔الکنی والالقاب ج۲ص ۱۵۸۔
۱۰ ۔ھدایۃ الامۃ ج۱ص ن

تین سو سالوں سے علماء بالاتفاق اس کتاب سے رجوع کررہے ہیں اوراس کی روایات کو نقل اوراس سے استناد کرتے چلے آئے ہیں اور یہ صرف اور صرف اس کتاب کی بہترین ترتیب، ساخت، اور مصنف کا احادیث اہل بیتؑ پہ عبور رکھنا ہے۔[11]

[11] ۔ مستدرک الوسائل ج۱ص۳۳۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«تئیسواں سبق»

بحار الانوار اور مستدرک الوسائل کا تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

بحار الانوار اور مستدرک الوسائل کا تعارف

ا۔ بحار الانوار، الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الاطہارؑ؛ علّامہ مجلسیؒ (م ۱۱۱۱)،

بحار الانوار کتب شیعہ کی سب سے جامع روائی کتاب ہے جو علّامہ طباطبائی مشہور محدث کے توسط سے تدوین ہوئی، اس کتاب سے مکمل واقفیت کے لیے پہلے کتاب کے مصنف کے حالات زندگی سے واقف ہونگے۔

علامہ مجلسی کی سوانح حیات

علامہ مجلسی ۱۰۳۷ ہجری قمری کو اصفہان کے ایک علم و فضیلت والے خاندان میں پیدا ہوئے آپ کے والد محترم ملا محمد تقی مجلسی (۱۰۰۳-۱۰۷۰ قمری) شیعہ بزرگ عالم تھے انہوں نے شیعہ مذہب کے لیے شایاں ذکر خدمت انجام دیئے ہیں؛ روضۃ المتقین اور لوامع صاحبقرانی جو عربی اور فارسی زبان میں من لایحضرہ الفقیہ کی شرحیں ہیں (پہلے اسباق میں ان کتب کے بارے میں پڑھ چکے ہیں) آپ کے علمی مقام و مرتبے کی واضح دلیل ہے بالخصوص ان کے بیٹے باقر مجلسی نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اپنے والد محترم کے علم و دانش سے استفادہ کیا ہے اور بے نظیر علمی اور معنوی کمال تک پہنچے ہیں جیسا کہ میرزا عبداللہ افندی (مجلسی دوم کے شاگرد) نے مجلسی اول یعنی محمد تقی مجلسی کو مجلسی دوم کے استاد کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ مجلسی خاندان کے علم و فضیلت کی ایک اور گواہ ان کی بہن آمنہ بیگم ہیں جو کہ عالم فاضلہ اور مجتہدہ تھیں اور اپنے زمانے کی مثالی خاتون تھیں جن کا نکاح ملا صالح مازندرانی سے ہوا (مجلسی اول کے شاگرد اور اصول کافی کے مشہور شرح کے مصنف) اس خاتون کی علم و فضیلت کے لیے صرف اتنا بتانا کافی ہے کہ اپنے شوہر کو درپیش علمی مشکلات اور مسائل آپ کے ہاتھوں حل ہو جاتے تھے اور بحار الانوار کی تالیف میں اپنے بھائی کی مدد کیا کرتیں تھیں۔ جناب مجلسی کی دیگر اولادوں کو بھی علما و فضلا میں شمار کیا جاتا ہے۔[۲]

علامہ مجلسی نے اپنے والد محترم کے علاوہ دیگر اساتذہ سے بھی علم حاصل کیا ہے جن میں آغا حسین محقق خوانساری (م ۱۰۹۸)؛ میرزا عبداللہ افندی کے بقول علوم معقول کے استاد تھے۔ ملا صالح مازندرانی (م ۱۰۸۶)، ملا محسن فیض کاشانی (م ۱۰۹۱)، سید نور

ا۔ تفصیل کے لیے رک: علامہ مجلسی، بزرگمرد علم و دین، علی دوانی۔

۲۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ا ص ۱۹-۲۰۔

الدین عاملی (م۱۰۶۸) ۳ جیسی اہم شخصیات آپ کے اساتذہ کرام تھے۔ اگرچہ علامہ مجلسی کے اساتذہ میں آغا حسین محقق خوانساری، ملا صالح مازندرانی (م۱۰۸۶)، ملا محسن فیض کاشانی، جیسی شخصیات ہیں جو منقول اور معقول دونوں کے استاد تھے فلسفہ اور اسلامی عرفان کے ماہر تھے لیکن علامہ مجلسی کی تصنیفات سے معلوم ہوتا ہے نہ کبھی آپ نے معقولات میں دلچسپی ظاہر کی اور نہ ہی قرآن و حدیث کی طرح معقولات کے لیے جد و جہد کرنا ضروری سمجھا؛ بلکہ آپ نے فلسفہ اور عرفان سے عدم دلچسپی ظاہر کیا۴ اسی لیے انہوں نے ان لوگوں کے مقابل جنہوں نے ان کے والد محترم پر عرفان و تصوّف کی تہمت لگائی تھی سے دفاع کیا ہے اور اس بات کا دعوی کیا ہے کہ ان کے والد صرف اور صرف صوفیہ حضرات کی ہدایت کے لیے ان سے رفت وآمد کرتے تھے۔ ۵

علامہ مجلسی کے شاگرد

علامہ مجلسی تحقیق کے علاوہ دیگر معاشرتی مسائل یعنی شیخ الاسلام، امامت جمعہ اور جماعت، استفتائات کے جوابات دینا۔۔۔ وغیرہ جیسے مسائل میں مصروف تھے بحار الانوار میں بعض جگہ ان کی مصروفیات کا تذکرہ ملتا ہے ان مصروفیات کے باوجود آپ شاگردوں کی تعلیم وتربیت سے غافل نہ ہوئے نوری (آپ کے شاگرد) اس بارے میں کہتے ہیں:

علامہ مجلسی کو تدریس کا کافی شوق تھا اور ان کے علم سے کافی علماء اور فضلاء مستفیض ہوئے اور عبداللہ افندی کے بقول ان کے شاگردوں کی تعداد ہزار تھی۔

استاد علی دوانی " علامہ مجلسی، بزرگمرد علم ودین" نامی کتاب میں علامہ مجلسی کے شاگردوں کی تعداد سو بتاتے ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں: سید نعمۃ اللہ جزائری، بہت زیادہ کتب کے مصنف من جملہ: استبصار اور معانی الاخبار پہ شروحات لکھی ہیں، میرزا عبداللہ افندی، ریاض العلما نامی مشہور کتاب کے مصنف، حاج محمد اردبیلی جامع الرواۃ کے مصنف، محمد بن مرتضی عرف نور الدین تفسیر الوجیز اور درالبحار (بحار الانوار کا خلاصہ) کے مصنف، ملا رفیعا گیلانی، محمد صالح خاتون آبادی، میرزا محمد مشہدی تفسیر کنز الدقائق کے مصنف۔ ۶

---

۳ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۵۶-۵۸ ص ۴۷، بحار الانوار ج ۱۰۱ ص ۷۶، ۸۲۔

۴ ۔ رک: مقالہ علامہ مجلسی و نقد دیدگاہ ہای فلسفی، راقم الحروف، فصلنامہ علوم حدیث نیز رک: المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ص ۸۴۔۸۵۔

۵ ۔ صفویہ در عرصہ دین، فرہنگ و سیاستص ۵۳۱،۵۳۰۔

۶ ۔ علامہ مجلسی بزرگمرد علم ودین ص ۴۵۰، ۴۲۵؛ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۱ ص ۵۹،۵۸۔

بحار الانوار کا تعارف

کتاب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک نورانی سمندر ہے جو اپنے اندر گوہر نایاب سمیٹا ہوا ہے، علامہ مجلسی کتاب کے لیے اس طرح کا عنوان منتخب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے ائمہ علیہم السلام کی تمام یا اکثر روایات کو موضوعات کے مطابق اکٹھا کیا ہے بحار الانوار شناخت دین کے محور من جملہ شناخت خدا، کائنات کی شناخت، شناخت پیغمبر و امام، معاد کی شناخت و۔۔۔۔ پہ لکھی گئی ہے لہٰذا پہلی اور مکمل انسائیکلوپیڈیا آف شیعہ ہے جس میں علامہ مجلسی نے روایات کو جمع اور تبویب و ترتیب کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اپنے لائق و فائق شاگردوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور صفوی بادشاہ کی مالی امداد سے ۴۰ سال کے عرصے تک تدوین کا سلسلہ جاری رکھا؛ علامہ مجلسی نے بحار میں صرف روایات کو نقل نہیں کیا بلکہ مختلف موارد میں روایات کے مدلول کی تشریح اور کلامی تفسیر وغیرہ بیان کی ہے اس کام سے اس کتاب کی عظمت اور بڑھتی ہے۔

کام کی وسعت کی وجہ سے علامہ مجلسی اپنے دور حیات میں اس کتاب کی مکمل شرح اور تبیین نہ کر سکیں جیسا کہ علامہ کے شاگرد میرزا افندی اور نوری کا کہنا ہے کہ پندرہویں جلد سے پچیسویں جلد تک، اٹھارویں جلد (نماز کے بارے میں) بائیسویں جلد (باب زیارات) کے علاوہ مصنف کے دور حیات میں مکمل مرتب نہ ہوئی۔[۷]

یہ جلدیں علامہ مجلسی کے ایک وارث کے پاس رہ گئی یہاں تک کہ میرزا افندی نے ان نسخوں کو ان کے وارث سے خرید لیا اور ان کو مرتب کیا سولہویں جلد جو علامہ مجلسی کے اولیہ پروگرام کے مطابق آداب و سنن کے بارے میں ہے اصلی نسخہ ملنے کے بعد اصلی کتاب میں شمولیت حاصل کر چکی ہے۔[۸]

علامہ مجلسی کے کلام کے مطابق آپ بحار کے بارے میں دو اہم کام انجام دینا چاہتے تھے:

۱۔ تحقیق اور تتبع کے دوران منابع حدیث سے آشنا ہوئے لہٰذا بحار جو ایک خاص ڈھانچے میں منظّم ہوئی تھی ان روایات کو مستدرک البحار میں جمع کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ بحار الانوار پہ مکمل شرح لکھنا چاہتے تھے انہوں نے بعض روایات کی توضیح و تشریح کو پچیسویں جلد تک ملتوی کیا[۹] لیکن ان کی

۷۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۲ ص۹۲/ بحار الانوار ج۱۰۱ ص۳۲۔

۸۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۲ ص۹۲/ بہ نقل از اعیان الشیعہ ج۹ ص۱۸۳۔

۹۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ ص۱۰۶۔

عمر نے ان کاموں میں ان کا ساتھ نہ دیا اور نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس بلند مرتبہ عالم کے عالی مقاصد سے عالم اسلام محروم رہ گیا۔

مصنف کی درجہ بندی کے مطابق بحار الانوار ۴۴ کتاب اور ۲۹۸۴ باب اور ۲۵ جلدوں پہ مشتمل ہے۔۱۰

۱۰۔ الذریعہ ج ۳ ص ۱۸-۲۹۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چوبیسواں سبق»

بحار الانوار کے تدوین کا محرک

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

بحار الانوار کے تدوین کا محرک

علامہ مجلسیؒ روایات کا گہرا علم رکھتے تھے نیز کتب احادیث کی مشکلات سے بھی واقف تھے ان مشکلات میں سے ایک موضوع سے متعلقہ روایات مختلف کتب میں نقل ہوئی تھیں لہٰذا حدیث کے محقق کے لیے ضروری تھا اہل بیت علیہم السلام کے نظریات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ان کتب سے رجوع کیا جائے۔

اسی لیے انہوں نے سب سے پہلے مشہور شیعہ کتب احادیث سے دس عنوان کو منتخب کیا اور ان عناوین کے لیے فہرست لکھنے کا کام شروع کیا ان کتابوں کا نام ذیل میں درج کیا جارہا ہے: احتجاج طبرسی، امالی، خصال، عیون الاخبار الرضاؑ، علل الشرایع، معانی الاخبار، توحید صدوق، قرب الاسناد، مجالس شیخ طوسی، علی بن ابراہیم کی تفسیر، اس فہرست کے بعد انہیں محسوس ہوا کہ ابوابیات اور فصول کے متفرق ہونے کی وجہ سے روایات کا حوالہ دینا بہت دشوار کام ہے لہٰذا ایک بڑی کتاب جو موضوعی احادیث پہ مشتمل ہوں کو تحریر کرنے کا سوچا، بحار الانوار کی تحریر اسی سوچ کا نتیجہ ہے، موضوعی احادیث کو فراہم کرنے کے علاوہ تین دیگر اہم عوامل بھی اس میں شامل ہیں:

۱۔ علامہ مجلسی کے والد محمد تقی مجلسی، اور ملا صالح مازندرانی جیسے اساتذہ کے کردار نے علامہ مجلسی کی علمی شخصیت اور ان کی سوچ کو حدیث اور علم حدیث کے گرد زیادہ مضبوط کیا تھا لہٰذا ان کے تمام کتب پر حدیث کا رنگ غالب ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے بحار الانوار کے مقدمہ میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ ساری زندگی دیگر علوم کی جستجو میں گزارنے کے بعد پتہ چلا کہ دنیا و آخرت کی سعادت پہ مشتمل علم صرف قرآن و علوم آل محمد ﷺ میں تلاش کیا جاسکتا ہے اسی لیے اپنی گذشتہ عمر کو تباہ شدہ سمجھتے ہیں۔ اور علامہ مجلسی کا یہ کلام، صدر المتالھین کے کلام کی طرح ہے جس کا انہوں نے سورہ واقعہ کی تفسیر کے آغاز میں ذکر کیا ہے اور علوم عقلی کی حصول میں گزاری زندگی کو برباد فرض کیا ہے اور اس زندگی سے افسوس کا اظہار کیا ہے ان دو علما کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ صدر المتالھین نے علامہ مجلسی کی بہ نسبت زیادہ عمر علوم عقلی کے حصول میں گذارا تھا۔

علامہ مجلسی خود اس بارے میں کہتے ہیں:

۱۔ تفسیر القرآن الکریم ج ۷ ص ۱۰/۱۱

میں جوانی کے ایّام ہی سے حصول علم کا بہت شوق رکھتا تھااللہ کے فضل و کرم سے مختلف علوم کا ماہر ہو گیااور میرا دامن مختلف علوم سے بھر گیا۔۔۔۔اس وقت ان علوم کے فوائد و طالبان علم کے مقاصد و علمی کمالات میں غور و فکر کیااور جو چیز قیامت میں فائدہ اور کمال تک پہنچائے گی کے بارے میں سوچا تو اللہ کے فضل و کرم سے اس نتیجے تک پہنچا کہ علم و دانش وہ جو وحی الٰہی اور دین کے رہنماؤں کے توسط سے حاصل کیا جائے تو انسان کو سیراب کرے گا، نیز پتہ چلا کہ تمام علوم خدا کی کتاب اور اہل بیت علیہم السلام کی روایات میں موجود ہیں نیز علوم قران سے استنباط کرنا صرف اہل بیت علیہم السلام جن کے گھر میں روح الامین جبرئیل نازل ہوئے ہیں سے ممکن ہے، لہٰذا ان علوم کو جس نے میری زندگی کے چند سالوں کو ضائع کیا کو چھوڑ کر قیامت میں فائدہ پہنچانے والے علوم کی جانب رخ کیا اگرچہ میرے زمانے میں ان علوم کی طرف رجوع بہت ہی کم ہے۔[۲]

علامہ مجلسی کے کلام سے تین نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ علامہ مجلسی علم حاصل کرنے کے دوران نیز تحقیق وتدریس کے دوران ہمیشہ پرجوش ہوتے ہیں اور علم حاصل کرنے اور اسے نشر کرنے کی کوشش کرتے تھے کرتے ہیں۔

۲۔ دیگر تمام اسلامی علوم میں سے صرف قرآن و سنت کے علوم کو انتخاب کرنا،ان کے علوم عقلی سے گریز اور ان علوم کے گرداب میں پھنسنے سے خطرہ محسوس کرنے کو حکایت کرتی ہے اور یہ نکتہ ان کے تمام کتب میں قابل مشاہدہ ہے آپ اس بات پہ تاکید کرتے ہیں کہ فہم قرآن اہل بیتؑ کی مدد کے بغیر ناممکن ہے نیز اس نکتے کی تاکید کرتے ہیں کہ مذہبی شناخت کے دائرے میں داخل ہونا بہت حساس کام ہے اور اس راہ میں آگے قدم بڑھانا اہل بیت علیہ السلام کی ہدایت کے بنا خطرناک ہے اور اس نظریے میں تمام اخباری حضرات علامہ مجلسی کے ہمصدا ہیں البتہ اس نظریے میں شدت و ضعف پایا جاتا ہے۔

علامہ مجلسی اس محتاطانہ رویے کے باوجود اس بات کے قائل ہیں کہ کتاب و سنت میں جستجو قیامت کے لیے فائدہ مند ہے دنیاوی فائدے پر آخرت کے فائدے کو ترجیح دینا علامہ مجلسی کے خدا پہ پختہ یقین پہ دلالت کرتا ہے۔

۳۔اس زمانے میں لوگوں کا قرآن و حدیث پہ توجہ نہ دینا،اس کے باوجود علامہ مجلسی کا قرآن و حدیث کے علوم کیطرف رخ کرنا قرآن کے مہجور ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ مجلسی کے فرض شناسی اور ذمہ داری پہ دلالت کرتا ہے

۲۔ بحارالانوار ج۱ص ۲/۳۔

۲۔علامہ مجلسی نے اپنی ذہانت سے دریافت کیا کہ مختلف حوادث اور واقعات احادیث کے اصلی منابع کے ختم ہونے کا سبب بنا ہے اصول اربعماۃاور دانشوروں کی کتب شیخ مفید و طوسی کی کتبجیسے علماء کی کتابیں حوادچ زمانہ کا نذر ہوگیں نیز چھاپ و نشر کی سہولت نہ ہونے سے نیز کتب کی استنتاج میں ناسخان کی بے توجہی نے روایات کی صحیح ضبط وثبت میں رکاوٹیں پیدا کی ہے انہوں نے بحار الانوار کی تالیف اور مختلف نسخوں کے تقابل سے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

بحار الانوار کا اسلوب تحریر

علامہ مجلسی بحار لانوار کے مقدمہ میں کہتے ہیں:

میں نے ہر باب کے آغاز میں اسی باب سے متعلقہ آیات کو بیان کیا ہے جہاں پہ آیات کی تفسیر کی ضرورت محسوس کی ہے وہاں مفسرین کی تفاسیر بیان کی ہیں اس کے بعد اس باب سے متعلقہ روایات کے تمام حصوں کو یا اس باب کے موضوع سے متعلقہ حصے کو ذکر کیا ہے اور مکمل روایت کو اسی کے مناسب جگہ ذکر کیا ہے کبھی اختصار کی خاطر روایت کا صرف حوالہ دیا گیا ہے وہ روایات جن کی تشریح کی ضرورت تھی کتاب کے طویل ہونے کے خوف سے مختصرا بیان کیا ہے اگر زندگی نے فرصت دی تو اس کتاب کے لیے مکمل شرح لکھوں گا۔۔۔[۳]

مصنف کے کلام کے مطابق بحار الانوار کی تدوین کے اسلوب کو مندرجہ ذیل محور میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ہر باب کا آغاز قرآن کی آیات سے کیا ہے: علامہ مجلسی نے ہر باب کے مناسب آیات کو سورتوں کی ترتیب کے مطابق ذکر کیا ہے، علامہ نے اس روش کو منتخب کرکے آیات اور روایات کے درمیان رابطہ بر قرار کیا ہے نیز آیات کو منتخب کرنے میں دقت نظر کی ہے یہاں تک کہ بحار الانوار کی آیات کا حصہ خود ایک قرآنی موضوعی معجم کو تشکیل دیتی ہے اور اس بات کا دعوی کیا جاسکتا ہے کہ:

علامہ مجلسی پہلے عالم ہیں جنہوں نے تین صدیاں پہلے آیات کو موضوعات کی بنا پہ نظم وترتیب دیا اور آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تفسیر موضوعی کی روش کو استحکام بخشا۔[۴]

۳۔ بحار الانوار ج۱ص ۴-۵۔

۴۔ المعجم المفھرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص۶-۷۔

علامہ مجلسی نے شیعہ مفسران کے نظر یات میں شیخ طوسی اور علامہ طبرسی کے نظر یات کو بیان کیا ہے اور اور اہل سنت تفاسیر میں سے مفاتیح الغیب، کشاف زمخشری، تفسیر بیضاوی وغیرہ سے استفادہ کیا ہے انہوں نے صرف نظریات کو نقل نہیں کیا بلکہ ضرورت پڑنے پہ ان کی تائید یا تنقید بھی کی ہیں۔

۲۔ دو قسم کی روش یعنی روایات کو مکمل نقل اور تقطیع کے ساتھ نقل کرنا

تقطیع حدیث، حدیث کے لیے آفت ہے کیونکہ صدر و ذیل کے قرائن جو حدیث کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے کو قارئین کے اختیار میں نہیں دیتی ہے اس لیے علم درایۃ الحدیث میں محدّث کا اصلی فریضہ روایات کو مکمل طور پہ بیان کرنا ہے لہٰذا وسائل الشیعہ میں روایات کو تقطیع کی وجہ سے تنقید کیا گیا ہے۔ دوسری جانب سے روایات کا طویل ہونا نیز مختلف موضوعات کو شامل ہونا باعث بنتا ہے کہ روایات مکرر بیان کیا جائے اور یہ کتاب کے طولانی ہونے کا باعث بنتا ہے اس مشکل سے رہائی کے لیے بہترین کام وہی ہے جسے علامہ مجلسی نے انجام دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوتاہ روایات کو مکمل طور پہ بیان کیا جائے اور طویل روایات کی تقطیع میں تین نکات کا خیال رکھا ہے پہلا نکتہ یہ کہ: کتاب کے کسی ایک جگہ پہ روایت کو مکمل طور پہ بیان کیا ہے دوسرا نکتہ یہ کہ: جہاں روایت کے صدر و ذیل اور دیگر حصوں میں کوئی ارتباط نہ ہو یعنی کہ: روایات کا ہر حصہ الگ موضوع کو بیان کرتی ہو وہاں پہ روایت کو تقطیع کیا ہے تیسرا نکتہ: جہاں پہ روایت تقطیع ہوئی ہے وہاں اصلی منابع جہاں روایت مکمل نقل ہوئی ہے کا حوالہ دیا ہے۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«پچیسوں سبق»

بحار الانوار کی خصوصیات

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

بحارالانوار کی خصوصیات

بحارالانوار بہت ساری خصوصیات کے حامل ہے اور ان میں سے بحار کی بعض خصوصیات منفرد ہیں اور کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی یہاں ان اہم خصوصیات پہ گفتگو کریں گے:

۱۔جامعیت: علامہ مجلسی نے فریقین کے چھے سو منابع جن میں سے دو تہائی سے زیادہ شیعہ علما کی کتب ہیں سے استفادہ کیا ہے ان میں سے بعض منابع، توحید مفضل، اھلیجہ یہ وغیرہ ہیں۔یہ اس کتاب کی جامعیت کو پہنچاتی ہے اگرچہ مکمل جامعیت پہ تو دلالت نہیں کرتی جس طرح مجلسی کی دلی خواہش تھی کہ مستدرک البحار فراہم کیا جائے، بحارالانوار کی جامعیت (جسے چھوٹی لائبریری سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس لحاظ سے محقق کے لیے مشکل کشا ہے کہ محقق کو سینکڑوں کتب حدیث سے بے نیاز کرتی ہے اور بحار کا ملاحظہ کرنے سے اس کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔

۲۔نص گرائی: علامہ مجلسی کا روایات سے متعلق محتاطانہ رویہ نیز علمی وسوسہ اور دقت نظر کی وجہ سے انہوں نے روایات کے نقل و قول میں نص کو بغیر کسی تبدیلی اور نقل بہ معنا کئے بغیر بیان کیا ہے اس کام کی تعمیل کے لیے آپ نے روایات کی تشریح کو روایت کے آخر میں، ایضاح، تبیین، بیان جیسے عناوین کے ذریعہ بیان کیا ہے، تاکہ قارئین روایات اور تشریح میں خلط ملط نہ کریں۔۱جیساکہ علم درایۃ میں بیان ہوا ہے کتب حدیث کی ایک خصوصیت اسی نکتے کی رعایت کرنا ہے۔اسی لیے من لایحضرہ الفقیہ، روایات کے الفاظ اور مصنف کی تشریح میں خلط ملط کرنے کی وجہ سے مورد تنقید ٹھہرایا ہے۔

۳۔ضرورت کے مواقع پہ روایات کی تبیین و تشریح

جوامع حدیث میں مصنفین کا اصل مقصد روایات کو جمع کرنا ہے اور روایات کی تشریح و تبیین اصل مقصد نہیں ہے علامہ مجلسی نے نقل روایات کے علاوہ روایات کی تشریح بھی بیان کیا ہے اور اس حصے کو مختلف ان الفاظ میں نقل کیا ہے بیان، ایضاح، توضیح، شرح وغیرہ۔۔۔یہ کتاب اسلامی علوم کے اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

۱۔شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۱ص۷۷۔

مصنف کے نظریے کے مطابق روا یات کی تشریح کاکام نہا یت مختصر ہے بعض موارد میں مصروفیات کی بنا پہ احاد یث کادلخواہ تشریح نہیں ہوئی ہیں اس کے باوجود بحار میں اکثر مواقع پہ مکمل اور وسیع طور پہ روایات کی تشریح کی گئی ہے۔ مثلاکتاب العقل والجہل ،اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے خطبے کی تشریح۔۔۔۲

۴۔استناد سازی؛ بحار الانوار کا شمار کتب اربعہ کی طرح اولیہ کتب میں نہیں ہوتا ہے کیونکہ مصنف نے روایات کو ائمہ علیہم السلام کے راو یان سے بلاواسطہ نقل نہیں کیا بلکہ اس کتاب کی روا یات گذشتہ کتب حد یث سے وابستہ ہے ظاہری طور پہ حوالہ جات کا ذکر کرنا مصنف کو روایات کی استناد سے بے نیاز کراتا ہے کیونکہ اس میں روایت حوالہ اور سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور کتاب کے قارئین کتاب میں ذکر شدہ حوالہ جات سے رجوع کرکے روا یت کی درستگی یا غلط کا فیصلہ کر سکتا ہے اور اگر روا یت بغیر سند کے ہو تو مصنف اپنی طرف سے سند سازی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ نقل و تحدیث حدیث سے کافی وقت گذر چکا ہے، لیکن علامہ مجلسی نے ہر روایت کا منبع اور مآخذ کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ روایات کا مکمل اسناد بھی بیان کیا ہے اور جہاں سند مشہور تھا وہاں راوی کے والد کا نام یا القاب کو ذکر کیا ہے اور کتاب کے آغاز میں "مشیخہ" میں آپ نے سند کو ذکر کیا ہے علامہ بحار کے مقدمہ میں کہتے ہیں:

اسناد کے بارے میں میری روش اختصار ہے روا یات کو محض مرسل بیان کرنا روا یت سے اعتبار کو ختم کراتا ہے اکثر مصنفین کا سند کو بیان کرنے کا مقصد کتاب کی خوبصورتی اور ابوابیات کی کثرت کی خاطر ہے، بعض مصنفین سند کو مکمل حذف کرتے ہیں اس کام سے روا یات کی اعتبار ختم ہو جاتی ہے نیز روا یت کی ضعف و قوت و کمال و نقصان کا پتہ نہیں چلتا ہے، میں نے مشہور روایان کے بارے میں ان کے والد کا نام اور القاب کو ذکر کیا ہے۔۔۔۳

بحار الانوار کے مآخذ

علامہ مجلسی تمہیدی بحث میں ایک باب کو "فی بیان الاصول والکتب الماخوذ منھا" کے عنوان سے منابع و مآخذ کو بیان کیا ہے آپ نے اس باب میں چار سو شیعہ کتب اور پچاسی اہل سنت کی کتب کا نام لیا ہے مجموعی طور پہ چار سو پچاسی کتب سے آپ نے استفادہ کیا ہے اور بحار الانوار کا ماخذ چھے سو بیس کتب ہونگے۔ان ماخذ کو دو قسم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۲۔ تفصیل کے لیے رک: المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص ۷۶/۷۷۔

۳۔ بحار الانوار ج۱ص ۴۸-۴۹۔

۱۔وہ ماخذ جن سے بلاواسطہ روایات نقل ہوئی ہیں شیخ مفید، شیخ صدوق وغیرہ کی کتب، ۲۔وہ ماخذ جن سے علامہ نے روایات کی تشریح کے لیے استفادہ کیا ہے تفسیر اور لغات کی کتب کی طرح۔

بحار الانوار کے ماخذ کو شیعہ اور اہل سنت کتب پہ بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے اس کے باوجود کہ بحار اہل بیت علیہم السلام کے احادیث کو جمع کرنے کے لیے تدوین ہوئی ہے نیز علامہ مجلسی اہل سنت مآخذ کی بے اعتباری کے قائل ہیں اس کے باوجود آپ نے اہل سنت کے صحاح ستّہ اور تفاسیر ، زمخشری، فخر رازی، بیضاوی کی تفسیر یا لغوی کتب میں جوہری کا صحاح سے روایات کی تشریح کے لیے استفادہ کیا ہے۔

علامہ مجلسی نے اس کا سبب یوں بیان کیا ہے:

روایات کے الفاظ کی تصحیح اور معنی معیّن کرنے کے لیے مخالفین کی کتب سے مدد لی ہے، لغت کی کتب میں جوہری کا صحاح، فیروزآبادی کا قاموس، ابن جزری کا نہایۃ۔۔۔طیبّی کا مشکاۃ پہ شرح، ابن حجر کی کتاب فتح الباری فی شرح البخاری، قسطلانی کی شرح۔۔۔اور بعض موارد میں ان کے منابع حدیث سے روایت نقل کیا ہے اور اس کی وجہ یا اہل سنّت کی روایت کو ردّ کرنے یا تقیہ والی روایات کو بیان کرنے یا شیعہ روایت کی تائید کے لیے جیسا کہ صحاح ستّہ، ابن اثیر کی جامع الاصول سے استفادہ کیا ہے۔۔[۴]

علامہ مجلسی دوسرے باب "فی بیان وثوق علی الکتب المذکورہ واختلافھا" میں فرماتے ہیں شیعہ منابع حدیث کا اعتبار اور اختلاف کے بارے میں بحث اور ان سے دفاع کی ہے۔[۵]

علامہ مجلسی کی رائے کے مطابق قابل استناد اور معتبر منابع تین قسم کی ہے:

۱۔وہ منابع جن کی مصنفین سے نسبت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے یہ منابع دو قسم پہ تقسیم ہوتی ہیں: الف: وہ منابع جن کے مصنفین کی وثاقت اور مقام و مرتبہ نیز کتاب کا قابل قبول محتوا اور مواد تمام یا اکثر ماہرین اور صاحبان رائے کے لیے قابل قبول ہیں؛ شیخ صدوق کے کتب کی طرح۔علامہ مجلسی اس بارے میں رقم طراز ہیں:

روایات کو نقل کرنے میں اکثر کتب جن پہ اعتماد کیا ہے وہ مشہور کتب ہیں اور ان کے مصنف بھی معیّن و مشخص ہیں، شیخ صدوقؒ کے کتب کی طرح (الھدایہ اور صفات الشیعہ کے علاوہ) جو کسی بھی طرح کتب اربعہ سے کم نہیں ہے۔[٦]

---

۴ ۔ بحار الانوار ج۱ص ۲۴۔

۵ ۔ بحار الانوار ج۱ص۲٦-۴۲۔

ب: مصنفین سے استناد درست ہے لیکن مصنف کے نظریات اور محتوائی لحاظ سے کتب قابل اعتبار نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ ان کتب کا محتوا دیگر قرائن کو پیش نظر رکھتے ہوئے قابل اعتماد ہے، ابن جمہور کی کتاب؛ عوالی اللہ ٰالی، حافظ رجب برسی کی مشارق الانوار، اور الفین، کا شمار ان کتب میں ہوتا ہے:

عوالی اللہ ٰالی مشہور کتاب ہے اور کا مصنف علم و فضیلت والا شخص ہے لیکن آپ صحیح اور غلط کی تشخیص نہ کر سکے اور متعصب مخالفین کی روایات کو اصحاب ائمہؑ کی روایات کے ہمراہ بیان کیا ہے اس لیے اس کتاب کے بعض حصوں کو بیان کیا ہے۔ نثر اللہ ٰالی اور جامع الاخبار بھی اسی طرح کی کتاب ہے۔۷

علامہ مجلسی "برسی" کی کتب کے بارے میں فرماتے ہیں:

مشارق الانوار اور الفین میں جو مطالب حافظ رجب برسی نے نقل کیا ہے اس پہ اعتماد نہیں کرتا کیونکہ ان کتب میں غلط مبالغہ آمیز مطالب بیان ہوئے ہیں لہٰذا میں نے صرف ان روایات کو جو اصول سے نقل ہوئے ہیں کو بیان کیا ہے۔۸

منابع کا دوسرا گروہ: ان منابع کو مصنفین سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن مصنفین سے کتب کی نسبت میں شک و شبہ ہے یہ منابع بھی دو قسم پہ تقسیم ہوتی ہیں:

الف: متن کی استحکام کی بنا پہ قابل اعتماد ہیں اور مصنفین سے نسبت دی جا سکتی ہے جیسا کہ۔ سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب، توحید اور اہلیلجہ اور فقہ الرضاؑ، امام حسن عسکریؑ کی تفسیر اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ مجلسی اس بات کے قائل ہیں کہ اہلیلجہ اور کتاب التوحید کا سیاق کتاب کی درستگی اور امام صادقؑ سے نسبت پہ دلالت کرتی ہے۔۹ اور اس بات کے مدعی ہیں کہ فقہ الرضا پہ امام رضاؑ کا دستخط دیکھا گیا ہے۱۰ آپ امام حسن عسکریؑ کی تفسیر کے بارے میں کہتے ہیں بعض لوگوں نے اس کی درستگی میں شک کیا ہے لیکن شیخ صدوق جو سب سے زیادہ عالم ہیں انہوں نے اس کتاب کو صحیح جانا ہے لہٰذا یہ کتاب قابل استناد ہے۔۱۱

---

۶ ۔ بحار الانوار ج ا ص ۲۶۔

۷ ۔ بحار الانوار ج ا ص ۲۶۔

۸ ۔ بحار الانوار ج ا ص ۱۰۔

۹ ۔ بحار الانوار ج ا ص ۳۲۔

۱۰ ۔ بحار الانوار ج ا ص ۱۱/۱۲۔

۱۱ ۔ بحار الانوار ج ا ص ۲۸۔

ب: وہ منابع جن کے مصنفین سے نسبت پہ تسلّی بخش قرائن اور نشانی موجود نہیں ہے مصباح الشریعہ جو امام صادقؑ سے منسوب ہے اس قسم کی کتاب ہے۔ علامہ مجلسی اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں:

مصباح الشریعہ میں ایسے مطالب ہیں جو ماہر محدث کو شک میں گرفتار کراتا ہے اور اس کے کلمات ائمہؑ کے دیگر کلمات سے علٰحیدہ ہے شیخ طوسی کتاب "مجالس" کے بعض روا یات میں کہتے ہیں: بعض روا یان نے ابوالمفضل شیبانی کے اسناد سے شقیق بلخی سے بعض اہل علم سے اس طرح روا یت کی ہے۔" شیخ طوسی کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب (مصباح الشریعہ) شیخ کے پاس موجود اور اس سے روا یت نقل کرتے تھے لیکن مکمل اعتماد نہیں کرتے اور شیخ طوسی کے لیے ثابت نہ ہوا کہ یہ کتاب واقعی امام صادقؑ کی ہے اس کتاب کی سند صوفیہ پہ ختم ہوتی ہے نیز اس میں صوفی اصطلاحات استعمال ہوا ہے نیز صوفی مشائخ سے روایت بیان ہوئی ہے۔" ۱۲

تیسرا گروہ: وہ منابع جن کے روا یات کی اسناد نہیں ہیں لیکن موضوع کے اعتبار سے دعا، آداب، اخلاق و طب پر مشتمل ہے لہٰذا علامہ مجلسی کی نگاہ میں اس قسم کی روایات کے لیے سند کی ضرورت نہیں ہے اور فاقد سند ہوتے ہوئے بھی قابل اعتماد ہیں، مثلا علامہ مجلسی طب الائمہ کے بارے میں کہتے ہیں:

"طب الائمہ کی کتاب ایک مشہور کتاب ہے لیکن اعتبار کے لحاظ سے دیگر کتب کی طرح نہیں ہے لیکن اس سے کتاب کا اعتبار ختم نہیں ہوتی کیونکہ اس میں سے بہت ہی کم روایات فقہ اور احکام پہ مشتمل ہے اور دعا اور دوا میں سند کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۳

ممکن ہے علامہ مجلسی کا اس قسم کی روا یات اور کتب پہ اعتماد مورد تنازعہ ہو اور کہا جائے آپ نے ان منابع کے بارے میں حسن ظن اور تساہل (غفلت) برتا ہے اور اکثر اختلافی موارد میں یہی ہوتا ہے لیکن جو نکتہ یہاں اہمیت رکھتا ہے وہ یہ کہ علامہ مجلسی نے روایات کو نقل کرنے میں ان منابع سے استناد کیا ہے جو ان کی نگاہ میں ان کے لیے معتبر تھیں۔

بحار الانوار کے منابع کے بارے میں جو اہم نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ علامہ مجلسی نے کتب اربعہ اور نہج البلاغہ کے مطالب کو بہت کم موارد کے علاوہ بیان نہیں کیا ہے؛ علامہ اس کام کے سبب کو یوں بیان کرتے ہیں:

۱۲۔ بحار الانوار ج۱ص۳۲۔

۱۳۔ بحار الانوار ج۱ص۲۹۔

"کتب اربعہ کی روایات ۱۴۱ کو اس کتاب میں بیان نہیں کیا ہے کیونکہ کتب اربعہ کی روایات متواتر و مظبوط ہے اور ان کا استنتاج کرنا مناسب نہیں ہے۔"

۱۴۔ بحار الانوار ج ا ص ۴۸۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چھبیسواں سبق»

بحار الانوار شیعہ دانشوروں کی نگاہ میں

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

بحار الانوار شیعہ دانشوروں کی نگاہ میں

علامہ مجلسی کا بحار کی تدوین کا عظیم کارنامہ سرانجام دینے کے بارے میں تمام ماہرین متفق ہیں کہ یہ کتاب اسلامی انسائیکلوپیڈیا ہے اور عالم اسلام میں علامہ مجلسی کے زمانے تک بلکہ بعض ماہرین کے بقول آج تک کسی نے اس قسم کی کتاب فراہم نہیں کی اسلامی علوم کے کوئی بھی شیعہ محقق و عالم اس کتاب سے بے نیاز نہیں ہیں۔ یہاں پہ کچھ ماہرین کی تعاریف کو بیان کریں گے:

۱۔ مناقب الفضلاء کا مصنف اس بارے میں رقم طراز ہیں:

مذہب امامیہ میں سب سے عظیم کتاب جو لکھی گئی ہے وہ بحار الانوار ہے۔۔۔ میری جان کی قسم! اس کتاب کے برابر آج تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے یہ کتاب روایات کا صحیح حفظ اور تصحیح کے علاوہ تحقیقات اور بے شمار فوائد پر مشتمل ہیں۔

۲۔ محدث نوری کہتے ہیں: علامہ مجلسی نے بحار الانوار تحریر کرکے اسلام کے لیے اہم خدمت پیش کیا ہے۔ انہوں نے دوسری تمام روایات کو جو دیگر کتب حدیث میں جمع نہ ہوئی تھیں بحار الانوار کے مجلدات میں جمع کیا۔ کتب اربعہ کی روایات بحار الانوار کی روایات کے مقابل پانی کا قطرہ دریا کے برابر ہے بحار الانوار ایک ایسی کتاب ہے جس کی ایک جلد بھی دیگر علما تحریر نہیں کر سکتے ہیں۔ شیعہ مذہب میں کوئی دوسری کتاب روایات کو جمع اور ضبط کرنے اور ادلہ واقوال کو بیان کرنے میں بحار کے برابر نہیں ہے۔[۱]

۳۔ تنکابنی: فریقین میں اس کتاب کی مانند نہیں لکھی گئی ہے اور علامہ مجلسی بحار کے تمہید میں فرماتے ہیں فریقین میں سے کوئی مجھ پہ سبقت نہیں لے گیا۔۔۔ آپ نے یہ درست فرمایا ہے۔[۲]

۴۔ سید محسن جبل عاملی کہتے ہیں:

بحار الانوار (بعض خامیوں کے باوجود) شیعہ مذہب کا انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں اکثر روایات اور شیعہ علوم کا ذکر ہوا ہے۔

۵۔ شیخ آغا بزرگ تہرانی بحار الانوار کی تعریف میں کہتے ہیں:

۱۔ بحار الانوار ج۱۰۲، ص۷۲، اسی قسم کی تعریف کو علامہ مجلسی کے شاگرد صالح حسینی نے بھی بحار الانوار کے بارے میں کی ہے۔ رک: المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص۵۷۔

۲۔ قصص العلماء ص۲۱۱۔

ایک ایسا مجموعہ جس سے پہلے اور بعد میں اس کی طرح کوئی کتاب تحریر نہیں ہوئی ہے، کیونکہ یہ کتاب تمام روایات کو شامل ہے نیز روایات کے بارے میں دقیق تحقیق، شرح اور وسیع بیاں ہے جو دیگر کتب میں نہیں ملتے۔۔۔ علامہ مجلسی کے بعد جتنے عظیم علما پیدا ہوئے ہیں سب نے اسی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔۳

۶۔علامہ شعرانی اس بات کے قائل ہیں:

بحار الانوار؛کے بارے میں تمام اہل حل وعقد متفق ہیں کہ یہ کتاب ایک جامع کتاب ہے علامہ مجلسی نے جس میں پراکندہ اور متفرقہ روایات کو مرتب کیا ہے نیز شیعہ علماکے نظریات کی انعکاس کا مکمل کتاب ہے۔یہ ایسی کتاب ہے جس سے فقیہ و محدث، واعظ و مورخ، مفسر یا متکلم، یہاں تک کہ فلاسفی اور حکیم بھی بے نیاز نہیں ہیں۔کیونکہ اس میں ہر قسم کے مطالب بیان ہوئے ہیں۔۴

۷۔ علامہ طباطبائی: آپ ہمیشہ بحار کی تعریف کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ شیعہ مذہب کی بہترین انسائیکلوپیڈیا ہے جس میں تمام روایات کو جمع کیا گیا ہے، علامہ مجلسی کی روش اس کتاب میں تعریف کے قابل ہے مصنف نے کتاب کے ابواب کو مرتب کیا ہے اور ہر باب کے لیے مناسب آیات کو سورتوں کی ترتیب سے بیان کیا ہے،اور مختصر طور پہ آیات کی تفسیر اور روایات کی تشریح کی ہے۔لہٰذا علامہ مجلسی کو ائمہ علیہم السلام کی روایات کو زندہ کرنے والا شخص سمجھا جائے تو مبالغہ سے کام نہیں لیا ہے۔۵

۸۔امام خمینی بحار الانوار کی یوں تعریف کرتے ہیں:

عالم دین وعالی مقام محدث؛ علامہ مجلسی کی کتاب بحار الانوار ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں چار سو کتب اور رسالے ہیں حقیقت میں یہ کتاب ایک چھوٹی لائبریری ہے جسے ایک نام سے پکارا گیا ہے اس کتاب کے مصنف نے جب اس بات کا مشاہدہ کیا کہ چھوٹی کتابیں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ محو ہو جاتی ہیں لہٰذا تمام کتب کی صحت اور درستگی پر دقت کرنے کو لازمی نہ سمجھتے ہوئے بحار الانوار میں جمع کیا۔۔۔اور میں بحار الانوار اصل میں ان تمام روایات کا خزانہ ہے جسے دینی پیشواؤں سے نسبت دی گئیں ہیں۔۶

۳۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۲ص۹۸۔

۴۔رک: المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص۷۵۔

۵۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار ج۱ص۷۵

۶۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۲ص۴۷۳ بہ نقل از کشف الاسرار ص۳۱۹۔

دیگر علما اور بزرگوں من جملہ میرزا حسین نوری، محمد صادق بحر العلوم، سید محمد مہدی خراسانی، علامہ حسن زادہ آملی وغیرہ نے بھی بحار الانوار کی تعریف کی ہیں۔۔۷

خود علامہ مجلسی نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے اور کہتے ہیں:

اس کتاب کی ایک خاص خصوصیت مفید کتب اور ابواب پہ مشتمل ہونا ہے اس کام سے ہمارے بزرگوں نے غفلت برتا تھا اور اس کے لیے مستقل باب یا کتاب قرار نہیں دیا تھا جیسا کہ کتاب عدل و معاد، تاریخ انبیاء۔۔۔۔۔ پس اے دینی بھائیو! جو ولایت اہل بیتؑ کے دعویدار ہیں، میرے بچھائے ہوئے دستر خوان کی سمت جلدی سے آؤ، تم کو مبارک ہو ایسی کتاب جس میں تمام مقاصد موجود ہیں اور تمام خوبیاں اس میں جمع ہیں اور زمانے نے آج تک اس قسم کی قیمتی اور گرنقدر کتاب معاشرہ کے حوالے نہیں کیا غیب کے افق پر چمکتا روشن ستارہ دیکھنے والوں نے آج تک اس کی نور اور روشنی کی مانند کوئی نور نہیں دیکھا۔۔۔۔ یہ کتاب علوم و اور حکمات و اسرار پہ مشتمل ہے اور دیگر کتب سے بے نیاز کرتی ہے اور میں نے اس کا نام بحار الانوار الجامعۃ لدرر اخبار الائمۃ الاطہار رکھا ہے۔۔۔۸

بحار الانوار پہ کئے گئے کام:

بحار الانوار ۱۳۰۳ سے ۱۳۰۵ کے عرصے میں مرحوم کمپانی کی ہمت سے ۲۵ جلدوں میں سنگی طباعت میں شائع کیا گیا، پھر دو صدیاں پہلے حجت الاسلام حاجی شیخ محمد آخوندی کے توسط سے دار الکتب الاسلامیہ تہران علما کے ایک گروہ من جملہ علامہ طباطبائی، ربانی شیرازی، علی اکبر غفاری، محمد باقر بہبودی، کی کوششوں سے ایک سو دس جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد لبنانی انسٹیٹوٹ الوفا اور دار الاحیاء التراث الاسلامی کے توسط سے تیسری اور چوتھی بار چھاپ چکی ہے۔۹

بحار الانوار پہ جو اہم کام انجام ہوئے ہیں اور ان میں سے کچھ شائع کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

۷۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۲ص ۹۷۳بہ نقل از کشف الاسرار ص۳۱۹۔

۸۔ بحار الانوار ج۱ص ۵۔

۹۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج۲ص۹۶۔۹۷۔

ا۔ تلخیص: اب تک بحار کا یا اس کے بعض حصوں کا انتیس بار خلاصہ کیا گیا ہے درر البحار یا نور الانوار ۱۰ انور الدین محمد بن محمد یا الشفاء فی اخبار آل مصطفیٰ، محمد رضا عبد اللطیف تبریزی، منتخب بحار الانوار، مولی محمد ہادی، بنادر البحار، فیض کاشانی؛ بحار الانوار کے اہم خلاصے ہیں۔ ۱۱

۲۔ مستدرکات: بحار الانوار پہ بارہ مستدرک لکھے جا چکے ہیں۔

ا۔ جنّۃ المآوی: بحار الانوار جلد نمبر تیرہ پر مستدرک ہے۔

۲۔ مستدرک مزار البحار: جلد نمبر بائیس پر مستدرک ہے۔ اور ان تین کتابوں کے مصنف محدث نوری ہیں۔

۳۔ مستدرک بحار الانوار، میرزا محمد عسکری۔

۴۔ مستدرک البحار۔ آیہ اللہ سید محمد حجت کوہ کمری۔ ۱۲

ج: معاجم اور بحار کی فہرستیں: بحار الانوار پہ یا اس کی کچھ جلدوں پہ معاجم اور فہرست لکھی جا چکی ہیں ان میں کچھ اہم معاجم کا یہاں ذکر کریں گے:

ا۔ سفینۃ البحار: محدث نوری، آیندہ اسباق میں اس کتاب کے بارے میں تفصیلی گفتگو کریں گے۔

۲۔ معجم احادیث الشیعہ: محمد حسین حسینی جلالی، بحار کے علاوہ وسائل اور مستدرک الوسائل کی روایات بھی حروف تہجی کی ترتیب سے بیان ہوئے ہیں۔

۳۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث البحار الانوار؛ علی رجا برازش؛ کے زیر نگرانی میں تیس جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔

۴۔ المعجم المفہرس لالفاظ احادیث بحار الانوار، مرکز مطالعات و تحقیقات دفتر تبلیغات اسلامی کے توسط سے چودہ جلدوں میں شائع کیا گیا ہے۔ ۱۳

د: حواشی اور تعلیقہ جات: بحار کے پہلی آٹھ جلدوں پہ علامہ طباطبائی کا حاشیہ، آیت اللہ ربانی شیرازی، سید عبد الاعلی سبزاواری نے بھی بحار پہ حاشیہ اور تعلیقہ لکھے ہیں۔ ۱۴

---

۱۰ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۲۵۶/۲۵۹۔

۱۱ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۹۵۔

۱۲ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۲۔ ص ۲۵۰-۲۶۱۔

۱۳ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۲۶۱-۲۶۵۔

ہ: ترجمے: بحار الانوار کا مکمل ترجمہ کسی شخص یا گروہ کے توسط سے نہیں ہوا ہے صرف پہلی دوسری، چھٹی سے ، بائیسویں جلدوں کا ترجمہ مختلف افراد نے فارسی اور شاید اردو میں کی ہیں۔ ۱۵

بحار الانوار کے جلدوں کی فہرست

۱	عقل ؛ جہل، فضیلت علم و علماء، حجیت روایات
۲	توحید، اسماء و صفات الہی
۳	عدل، قضاو قدر و معاد
۴	احتجاجات اور مناجات ائمہ
۵	قصص پیامبران
۶	پیغمبر اسلام ﷺ اور بعض اصحاب کے حالات زندگی
۷	امامت
۸	پیغمبر ﷺ کے بعد پیش آئے واقعات اور امیر المؤمنینؑ کی حکومت
۹	امام علیؑ کے حالات زندگی
۱۰	حضرت فاطمہؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ کے حالات زندگی
۱۱	امام سجادؑ، امام باقرؑ، امام صادقؑ کے حالات زندگی
۱۲	امام رضاؑ، امام جوادؑ، امام ہادیؑ اور امام حسن عسکریؑ کے حالات زندگی
۱۳	امام زمانہؑ کے حالات زندگی
۱۴	آسمان اور کائنات اور مخلوقات کی اقسام
۱۵	ایمان اور کفر
۱۶	معاشرت اور سنن کے آداب

---

۱۴ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۲۶۵-۲۶۶۔

۱۵ ۔۔ شناخت نامہ علامہ مجلسی ج ۲ ص ۲۶۷-۲۷۵۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«ستائیسواں سبق»

مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل؛ محدث نوری (م۱۳۲۰)

محدث نوری کی سوانح حیات

شیخ آغا بزرگ تہرانی: محدث نوری کے حالات زندگی کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

ہمارے استاد اٹھارہ شوال ۱۲۵۴ ہجری کو "یالو" نامی مازندران کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد وفات پاگئے اور یتیمی کی حالت میں بڑے ہوگئے، بالغ ہونے سے پہلے مولی محمد علی محلاتی جیسے بزرگ استاد اور عالم دین سے علم حاصل کیا اس کے بعد تہران ہجرت کر گئے اور اپنے سسر شیخ عبد الرحیم بروجردی کے علم سے فائدہ مند ہوئے ۱۲۷۳ کو اپنے استاد کے ہمراہ نجف اشرف تشریف لے گئے اور تقریبا چار سال کا عرصہ نجف میں رہے ۱۲۷۸ ہجری قمری کو ایران واپس لوٹنے کے بعد دوبارہ نجف واپس گئے اور شیخ عبد الحسین تہرانی مشہور بہ شیخ العراقین سے علم حاصل کیا۔۱

شیخ آغا بزرگ تہرانی اپنے استاد کے سفر اور زیارات کو بیان کرتے ہوئے ان کے اساتذہ اور تحصیل علم کی مدت کو بیان کیا ہے ان کے اساتذہ کا نام ذیل میں بیان کیا جارہا ہے: شیخ مرتضی انصاری، مجدد شیرازی، مولی فتح علی سلطان آبادی آپ کے استاد تھے۔۲

محدث نوری ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۲۰ ہجری کو وفات پاگئے اور امام علیؑ کے حرم مطہر میں دفن ہوئے ۳

محدث نوری کے لیے جو خصوصیت حاصل ہے وہ میرزا شیرازی (تاریخ تنباکو کی اہم شخصیت) کا دور ہے شیخ آغا بزرگ کہتے ہیں:

سامرا میں رہنے کے دوران میرزا شیرازی کے بزرگ ساتھیوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور سید شیرازی کے اہم کام آپ کے سپرد ہوتا تھا اور آپ ان کی رائے کو صادر کیا کرتے تھے۔۔۔ آپ کا شمار سید شیرازی کے اہم شاگردوں میں ہوتا تھا سید شیرازی کے خطوط کے جوابات اور ان کو مختلف شہروں میں آپ بھیجا کرتے تھے اور سامرا ہجرت کرنے والوں کے کام بھی۔۔۔۔ اور میرزا شیرازی کے تمام امور آپ کے ہاتھوں انجام پاتے اور سید کے پاس آپ کا ایک الگ اور خاص مقام تھا یہاں تک کہ آپ کو ہمیشہ "حاج آغا" کہہ کر پکارتے تھے۔۔۔۴

۱۔ مستدرک الوسائل ج۱ ص ۴۲/۴۳۔

۲ ۔ مستدرک الوسائل ج۱ ص ۴۲/۴۳۔

۳ ۔ الفوائد الرضویہ ج۱ ص ۱۵۰۔

۴ ۔ مستدرک الوسائل ج۱ ص ۴۲/۴۳۔

محدث نوری کی علمی اور معنوی شخصیت

محدث نوری کے اہم شاگرد آغا بزرگ تہرانی اپنے استاد کی شخصیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

پورا نام مرزا حسین نوری (۱۲۵۴-۱۳۲۰) مرزا حسین بن مرزا محمد تقی۔۔۔نوری طبرسی، حدیث اور رجال کے پیشواؤں کے پیشوا تھے اور دور حاضر کے شیعہ عالم ہیں۔جب اس نام کو لکھتا ہوں تو قلم لرزتا ہے جب اپنے استاد کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں تو میری سوچ کا دائرہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔۔۔ان کا مقام مجھے تعظیم پہ مجبور کرتا ہے حیرت کی بات نہیں ہے اگر کسی دوسری ہستی کے بارے میں سخن کہنا آسان تھا لیکن اس عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ بولنا مشکل ہے اور یہاں میرا کلام صرف ان کے حق ادا کرنے کی خاطر ہے۔۵

یہ باتیں ایک ایسی ہستی نے کی ہے جن کی عظمت اور بزرگی اور علمی تحقیقی مقام اور امانتداری کے سب قائل ہیں۔

ان کے ایک اور مشہور شاگرد شیخ عباس قمی اس بارے میں یوں کہتے ہیں:

شیخ عالی مقام، متقدمین و متاخرین کے بزرگ، خاتم فقہا و محدثان، علم بے ساحل کے مالک، روایات کے خزانوں کو ڈھونڈنے والا، روایات کو زندہ کرنے والا، فضیلتوں کا خزانہ، ہمارے شیخ اور مولا، علامہ محدث نوری۔۔۔اللہ کی بڑی نعمت ان پہ یہ ہے کہ مختلف سفر کے باوجود بہت ساری تصنیفات اور تالیفات تحریر کئے ہیں جن کا شمار ۳۰ کتب سے زائد ہیں ان میں سے ہر ایک ان کے علم و دانش پہ دلالت کرتی ہے۔آپ حدیث و رجال و اقوال، آیات و روایات کے نکات کے ماہر اور آگاہ تھے یہاں تک کہ علما محدث قمی کے معادن روایات سے کیفیت استخراج جواہر روایات پہ حیرت زدہ ہیں۔ سبحان اللہ ان کے علم و اگاہی اور علوم و روایات و سنن میں تبحر سے۔۔۔٦

محدث نوری کے واضح اخلاقی فضیلت جن کے بارے میں ان کے شاگردوں نے گفتگو کی ہیں اور ان کو نمونہ عمل قرار دیا ہے وہ ان کی کثرت عبادت اور وقت کی پابندی ہے۔ شیخ آغا بزرگ اس بارے میں کہتے ہیں:

ہمارے استاد شرعی ذمہ داریوں کے پابند تھے آپ کے ہر روز و ساعت کے لیے ایک خاص پروگرام ہوتا جس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے نماز عصر کے بعد سے غروب تک ان کے مطالعے کا ٹائم ہوتا تھا نماز عشا کے بعد سونے کا ٹائم ہوتا تھا کبھی بھی بغیر وضو کے نہیں سوتے تھے۔ راتوں کو بہت کم سویا کرتے۔ نماز فجر سے دو گھنٹے پہلے اٹھ جایا کرتے اور تجدید وضو کرتے۔۔۔ نماز

---

۵ ۔ مستدرک الوسائل ج۱ ص۴۱ (شیخ آغا بزرگ تہرانی کے قلم قلم سے)

٦ ۔ الفوائد الرضویہ ص۱۴۹-۱۵۲۔

فجر سے ا یک گھنٹہ پہلے حرم امام علیؑ تشریف لے جاتے سردی گرمی دونوں میں ، باب قبلہ کے پشت کی طرف کھڑے ہوتے اور نماز تہجد پڑھتے یہاں ، تک کہ روضے کا خادم سید دواد آتے اور حرم کا دروازہ کھول دیتا تھا اور ہمارے استاد حرم آنے والا پہلا شخص ہو ، تا تھا چراغوں کو ح بلانے میں خادم کامدد کرتے پھر سر مبارک کی طرف جا کر طلوع فجر ، تک نماز میں مصروف رہتے تھے طلوع آفتاب سے کچھ دیر پہلے گھر واپس آتے اور اپنے لائبریری میں جو ، ہزاروں کتب سے بھری ہوئی تھی جاتے اور ضرورت پڑنے پہ ہی ، باہر آتے صبح کے ، تاہم ان کے بعض شاگرد آتے اور تصحیح ، تقابل اور استنتاج کتب میں مدد کرتے تھے اگر کوئی شاگرد کتب کے تقابل کے وقت آتے تو آپ سے معذرت کرتے اور جلدی کام سمیٹ کر جانے کی کوشش کرتے تاکہ ان کے لیے مزاحمت ایجاد نہ ہو جائے لیکن مستدرک کی تدوین کے دوران آپ نے ، بالکل لوگوں سے رابطہ ختم کیا۔۔۔ جمعہ کے دن ان کی روٹین میں تبدیلی آتی اور حرم سے واپس آنے کے بعد بعض کتب کا مطالعہ کرتے اور گھر میں ذکر مصا ئب کرتے اور طلوع آفتاب کے ا یک گھنٹہ بعد عمومی مجلس میں داخل ہوتے۔۔۔۔ اور یہ روٹین آپ کی وفات تک باقی رہی۔۷

محدث قمی کہتے ہیں:

آپ اپنی عمر کے بارے میں بہت محتاط اور سخت لیتے تھے اور ایک ایک منٹ کا حساب کرتے تھے اور ایک منٹ ضایع نہ ہونے دیتے اور متفرقہ روایات کو جمع کرنا یا ذکر و تلاوت و نماز یا مستحب نمازوں میں گذارتے تھے آپ تمام مستحبات کو انجام دیتے تھے اور لوگوں کو بھی نصیحت کیا کرتے تھے اور عمل سے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔۸

محدث نوری کے علمی کام

محدث نوری علمی کاموں کے ساتھ ساتھ میرزا شیرازی کے امور بھی انجام د ، یا کرتے تھے نیز تدریس کرتے تھے اور ۳۰ کتابوں کی تحریر کا کام بھی انجام دیا۔ شیخ آغا بزرگ تہرانی نے محدث نوری کے کتب کو دو گروہ میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ مصنف کے دور حیات میں شایع شدہ کتب: نفس الرحمان فی فضائل سید ، نا سلمان، دار السلام، مستدرک الوسائل، یہ کتب مصنف کے دور حیات میں شائع شدہ کتابیں ہیں۔

۲۔ وہ کتب جو مصنف کے وفات کے بعد منتشر ہوئی ہیں: " مواقع النجوم " اور " اخبار حفظ القرآن " مصنف کی وفات کے بعد شائع ہوئی ہیں۔۹

---

۷ ۔ مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۴۳۔

۸ ۔ الفوائد الرضویہ ص ۱۵۲۔

شیخ آغا بزرگ آپ کے علمی کارناموں کے بارے میں کہتے ہیں:

آپ نے بہت اہم کتابیں، یادگار کے طور پہ چھوڑ گئے ہیں وقت نے آج، تک اس قسم کے کتب کا مشاہدہ نہیں کیا ہے اگر مشاہدہ کیا بھی ہے تو بہت کم، جو کوئی ان کے کتب اور نسخوں میں دقت نظر کرے گا تو ان کے بے نظر علمی مقام سے شناخت حاصل کرے گا اور بے شک آپ روح القدس کی طرف سے تائید شدہ ہے۔۔۔۱۰

محدث قمی اپنے استاد کی تصنیفات کو ان کی علمی وسعت کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔۱۱

۹۔ مستدرک الوسائل ج۱ص۴۸-۵۶

۱۰۔ مستدرک الوسائل ج۱ص۴۸۔

۱۱۔ الفوائد الرضویہ ص۱۵۱۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«اٹھائیسواں سبق»

مستدرک الوسائل کی تالیف کا محرک

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

مستدرک الوسائل کی تالیف کا محرک

محدث قمی، شیخ حر عاملی اور وسائل الشیعہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد اس کتاب کی خامیوں کو اس طرح بیان کیا ہے:

ان تمام خوبیوں کے ،باوجود حب ائمہؑ کی اصحاب کے کتب میں جستجو کیا تو بہت سارے روایات کو پایا جن کا ذکر وسائل الشیعہ میں نہیں ہوا تھا نیز متقدم و متاخر علما کی کتب میں بھی ذکر نہیں ہوا تھا لہٰذا ان روایات کو چند گروہ میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ۱) وہ روایات جن کا قدیم کتب میں ذکر ہوا ہے لیکن وسائل الشیعہ کے مصنف کی دسترس میں نہیں تھا۔ ۲) وہ روایات جن کا ذکر قدیم کتب میں ہوا تو ہے لیکن شیخ حر عاملی نے مصنفین کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا ہے خاتمہ کے فوائد میں ان کتب کے مصنفین اور ان کی کتب پہ اعتماد کے دلائل کو ذکر کریں گے۔ ۳) وہ روایات جو ان کے مورد اعتماد کتب میں ذکر ہوئے ہیں لیکن وسائل کے مصنف نے بعض وجوہات کی بنا پہ انہیں ذکر نہیں کیا ،یا ان کی نقل سے غفلت برتا ہے ،یا ان روایات سے مطلع نہیں ہوئے ہیں حب میں نے ان روایات کا مشاہدہ کیا تو ان روایات کو جمع اور مرتب کرنا اور وسائل الشیعہ سے ملحق کر دینے کو االلہ کی اطاعت اور اللہ سے قربت کا بہترین وسیلہ نظر آیا کیونکہ اس کام میں بہت فائدہ اور اس میں بہت منافع ہیں دین کا بنیاد اس کام سے مکمل ہوتا ہے۔۱

اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ وسائل الشیعہ کو مستقل طور پہ ایک جامع کتاب حدیث سمجھا جاسکتا ہے مستدرک الوسائل کی وسائل الشیعہ کی نسبت خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے:

بہت ساری روایات جن کو وسائل الشیعہ میں ضعیف فرض کیا گیا ہے لیکن مستدرک الوسائل میں ان کی درستگی کو ثابت کی گیا ہے ،یا وہ روایت جسے واحد غریب فرض کیا گیا ہے مستدرک میں اسے کثرت کے ذیل میں بیان کیا ہے ،یا ایک روایت جو اصل میں مرسل تھیمستدرک میں اس کی سند اور طریق مل گئی ہے یا اس کے اصل مستند کو ذکر کیا ہے یا وہ روایت جس کا ظہور واضح نہیں تھا مستدرک میں اس کی دلالت واضح ہو گئی ہے ،یا شرعی سنّت جس کا وسائل میں ذکر نہیں ہوا ہے مستدرک میں ذکر ہوا ہے فقہی فرع فقہ جس کا وسائل میں نص نہ تھا مستدرک میں اس کا نص بیان ہوا ہے۔۲

۱۔ مستدرک الوسائل ج۱ص۶۱-۶۲۔

۲۔ مستدرک الوسائل ج۱ص۶۲۔

مستدرک کے مصنف کی اس گفتار سے مستدرک الوسائل کے لکھنے کا مقصد واضح ہو جاتا ہے نیز مستدرک کی وسائل الشیعہ پہ برتری بھی ثابت ہوتی ہے علامہ حر عاملی جن کے بارے میں پہلے پڑھ چکے ہیں کہتے ہیں کہ: کچھ دلائل کی بنا پہ بعض کتب سے روایات نقل نہیں کیا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ محدث نوری جو کتب احادیث کے جستجو اور ان میں غور و فکر کا اشتیاق رکھنے والا انسان ہیں انہوں نے یقیناً ان روایات کو دریافت کیا ہوگا۔

جس چیز کو محدث نوری اپنی کتاب کے لیے خصوصیت سمجھا ہے وہ ایسی خصوصیت ہے جو ہر مستدرک کتاب میں موجود ہوتی ہے کیونکہ اکثر موارد میں قلم سے چھوٹنے والی روایات کے انعکاس سے گم شدہ سند و طریق مل جاتے ہیں اور مبہم مدلول سے بھی پردہ اٹھ جاتا ہے۔

لیکن ممکن ہے یہاں یہ سوال پیش آئے کہ استدراک سے مراد یہ ہے کہ مصنف کتاب کے شرائط کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جائے ان شرائط کے مطابق یہ روایات چھوٹ گئی تھی۔ جیسا کہ حاکم نیشابوری نے اسی فرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے بخاری اور مسلم کی صحیح پہ مستدرک تحریر کیا، یعنی روایات کی بڑی تعداد بخاری اور مسلم کے شرائط کے مطابق ان کے قلم سے چھوٹ گئی تھیں، البتہ ان کی کتاب کی بعض روایات ان کی اپنی شرط صحت روایات سے مطابقت رکھتی ہیں۔

مستدرک الوسائل کے اسلوب تحریر

محدث نوری کتاب کے اسلوب تحریر کے بارے میں کہتے ہیں:

میں نے کتاب کے ابواب کو وسائل الشیعہ کے ابواب کی ترتیب پہ مرتب کیا ہے اور ہر باب کے عنوان کو بھی وسائل سے منتخب کیا ہے یہاں تک کہ میری رائے مصنف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اس لیے کہ ان کتابوں سے رجوع کرنے والا شخص پریشانی سے دوچار نہ ہو جائے اور ان دو کتابوں کے درمیان اختلاف نظر نہ آئے صرف یہ کہ ہر باب کے آخر میں میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور ہر اس باب کے لیے جس کے بارے میں روایت نہ ملی اسے حذف کیا ہے، اور کبھی اختصار کی خاطر وسائل کے مصنف کو "شیخ" اور ان کی کتاب کو "تفصیل" کے نام سے ذکر کیا ہے ہر باب کے آخر میں غالباً ایک باب کو "نوادر" کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور اگر کسی نے ایسی روایت کا مشاہدہ کیا جسے وسائل نے بھی ذکر کیا ہے تو مجھے عتاب کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں

کیونکہ و سائل کے مصنف نے بعض روایات کو اندک عنایت اور توجہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے حالانکہ ان روایات کو کسی دوسرے باب میں رکھنا زیادہ مناسب تھا۔۔[۳]

مستدرک کے اسلوب تحریر کو واضح کرنے کے لیے یہاں بعض روایات کا ذکر کریں گے:

مستدرک کے پہلی جلد میں "ابواب مقدّمۃ العبادات" میں امام صادقؑ کی روایت کو ابراہیم اپنے والد حسن بن محبوب سے وہ ہشام بن سالم سے وہ عباد بن موسی سے اسطرح نقل کیا ہے:

ان اول مایسئل عنہ العبد، اذا وقف بین یدی اللہ-عزّوجل- عن الصلوات المفروضات و عن الزکاۃ المفروضہ و عن الصیام المفروض و عن الحج المفروض و عن ولایتنا-اہل بیتؑ-: پہلی چیز جس سے خدا کے سامنے حاضر ہونے کے بعد پوچھا جائے گا وہ واجب نمازیں، واجب زکات، واجب حج، اور ہم اہل بیتؑ کی ولایت ہے۔[۴]

اس کے بعد معانی الاخبار اور شیخ صدوق کی کتاب خصال سے ان کے والد سے وہ سعد بن عبداللہ سے وہ ابراہیم بن ہاشم سے وہ ابن ابی عمیر سے وہ جعفر بن عثمان سے وہ ابو بصیر سے وہ امام باقرؑ سے روایت نقل کیا ہے: جس میں امام باقرؑ نے ایمان کا مفہوم اور اسلام سے فرق کو بیان ہے، پھر سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب سے ابان بن ابی عیاش سے وہ امام علیؑ سے تفسیر عیاشی سے ہشام بن جلان سے وہ امام صادقؑ سے روایت کو اسی بارے میں بیان کیا ہے اس کے بعد کتاب الروضہ سے استناد کرتے ہوئے شاذان بن جبرئیل قمی سے اور کتاب الفضائل، سے پیغمبر ﷺ سے مرفوع روایت کو اسلامی بنیادوں کی تفسیر و تبیین میں بیان کیا ہے۔

آپ اسی طرح جلد نمبر ۸ میں "ابواب مقدّمات الحدود واحکامہا العامّۃ" کے عنوان سے نیز "باب وجوب اقامتہا بشُروطہا و تحریم تعطیلہا" کے عنوان سے کھولا ہے اور دعائم السلام سے روایات کو نقل کیا ہے۔

جو کچھ مصنف نے اسلوب تحریر کے بارے میں بیان کیا ہے اور روایات کو مثال کے طور پہ بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مصنف کے قابل توجہ محور یہ تھے:

۱۔ مستدرک الوسائل شکل اور ساخت، ابواب کی ترتیب، عنوان وغیرہ میں وسائل الشیعہ سے متاثر ہے۔

۲۔ مصنف ضروری سمجھتے ہیں ایک روایت کے ماٰخذ کو بیان کرنے کے بعد اس کی سند کو مکمل ذکر کیا جائے نیز مختلف منابع سے اسی روایت کے مضمون سے ہماہنگ روایات کو ذکر کرتے ہوئے اختلاف یا اتحاد کو بیان کرتے ہیں۔

۳۔ مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۶۲۔

۴۔ مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۷۰۔

مستدرک الوسائل کے منابع

جو کچھ مستدرک الو سائل کے تدوین کا محرک بنا ہے اس کو بیان سے معلوم ہو تا ہے کہ اس کتاب کے مصنف نے دو قسم کے منابع کو قا بل ا ستناد جا نا ہے وہ یہ ہیں: ۱) قدیم منابع جو شیخ حر عاملی کے دسترس میں نہیں تھے۔ ۲) وہ منابع جن سے و سائل کے مصنف نے روایات نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ یا اس لیے کہ ان کتب کے مصنف کی وثاقت سے مطمئن نہ تھے یا ان کتابوں کی ضعف و کمزوری ان پہ مکشوف تھا۔

محدث نوری نے بھی ان تیرہ کتابوں میں سے سات کتابوں کو و سائل کے مصنف کی طرح غیر قا بل اعتماد جا نا ہے ، باقی چھے کتابوں کو معتبر جانتے ہیں جو یہ ہیں: ۱) مصباح الشریعہ جو امام صادقؑ سے منسوب ہے ۲) الفقہ الرضوی جو امام رضاؑ سے منسوب ہے ۳) عوالی اللئالی، ابن ابی جمہور احسائی ۴) الشہاب، ابن سلامہ قضاعی ۴) جامع الاخبار، محمد بن محمد سبزاواری ۶) الدرر والغرر، آمدی۔ ۵

شیخ حر عاملی، سید بن طاؤوس کی دس کتابوں کو معتبر جانتے ہیں محدث نوری" فلاح المسائل و سعد السعود" جن کا سید بن طاؤوس سے انتساب قطعی ہے سے بھی روایات نقل کیا ہے۔ ۶

---

۵ ۔ مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۱۸۔

۶ ۔ مستدرک الوسائل ج ۱ ص ۱۹/۲۰

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«انتیسواں سبق»

مستدرک الوسائل کے اختتامی حصے پہ ایک نظر

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

مستدرک الوسائل کے اختتامی حصے پہ ایک نظر (فوائد)

محدث نوری نے شیخ حر عاملی کی پیروی کرتے ہوئے، کتاب کے آخر میں ، بارہ فوائد کا ذکر کیا ہے یہ فوائد اپنی اہمیت کی وجہ سے مستدرک الوسائل کے آخر میں خاتمہ کے عنوان سے الگ ذکر ہوا ہے، بے شک اس کتاب کی ایک خصوصیت ان فوائد کا انعکاس ہے یہ بہت اہم اور مفید بحث ہے جو محدث نوری کی علمی صلاحیت اور عمیق دانش کو بیان کرتی ہے سے یہ نکتہ ان دو کتب کے فوائد کا تقابل کرنے سمجھ میں آتا ہے ان بارہ فوائد کے عناوین کو ذیل میں ذکر کریں گے:

(۱) کتب اربعہ کے بارے میں (۲) کتب اربعہ کے مصنف کی وثاقت (۳) مشائخ حدیث تک مصنف کے طرق (۴) کتاب کافی کے بارے میں کچھ مطالب (۵) من لایحضرہ الفقیہ میں شیخ صدوق کے طرق (۶) تہذیب الاحکام میں شیخ طوسی کے طرق (۷) اصحاب اجماع کے بارے میں مطالب (۸) امام صادقؑ کے مجہول اصحاب کی وثاقت کی اثبات کے لیے عام قرائن کا ذکر (۹) احادیث حسنہ کا احادیث صحیح کی طرف ارجاع (۱۰) ثقہ اور ممدوح راویان (۱۱) حجیت قطع کے بارے میں اخباریین کا نظریہ (۱۲) علم حدیث کی منزلت۔

ان بارہ فوائد میں سے دوسرا فائدہ زیادہ اہمیت کے حائز ہے۔ فائدہ نمبر ۱ میں محدث نوری اپنے قابل استناد منابع کا تعارف کرنے کے بعد فائدہ نمبر ۲ کی اعتبار و اتقان سے دفاع کیا ہے جو کہ سب سے اہم فائدہ ہے۔ اس فائدے میں تین محور کی بنا پہ کتب کی چھان بین کی گئی ہے: ۱) کتاب کے بارے میں بحث ۲) کتب کے مصنفین کے بارے میں بحث ۳) پچھلے دونوں محور کے بارے میں بحث۔ پہلے محور سے اس طرح گفتگو کیا ہے: اول: کتب کی توصیف یا کتابشناسی دوم: ان کی اعتبار کا اثبات، مصنف کتابشناسی کے محور میں کتب کا دقیق نام، کتب کا آغاز و انجام کا بیان، تالیف کی تاریخ، روایات فقہ کی تعداد وغیرہ پہ توجہ دی ہے۔ مصنف نے دوسرے حصے میں کتب کی ضعف و اعتبار کے بارے میں علما کی اختلاف آراء کو بیان کیا ہے؛ پھر قرائن و شواہد کو بیان کرتے ہوئے کتب کی اعتبار سے دفاع کیا ہے اعتبار کتب کے بعض شواہد مصنف کی نگاہ سے یہ ہیں: ۱) کتاب پہ لکھی گئی شروح کی تعداد کا شمار؛ یہ گذشتہ علما کی کتب کے نسبت اہمیت کو بیان کرتی ہے ۲) کتاب کے طرق کا تفصیلی بیان ۳) گذشتہ اور حالیہ علما کے اسامی کا ذکر جنہوں نے کتاب سے دفاع کی ہیں۔

محدث نوری کتب کے مصنفین کے تعارف والے حصے میں تفصیل سے ان کے علمی مقام اور ان کا مرتبہ شیعہ علما کی نگاہ میں حدیث کی حفاظت وصیانت میں ان کا کردار پہ روشنی ڈالی ہے۔آپ اسامی کو دقیق طور پہ ثبت کرنے کے بعد اہل سنت علما اور شیعہ علما کی تضعیفات اور ان کے بارے میں رائے کی چھان بین اور ان پہ تنقید کی ہیں۔١

مستدرک الوسائل کا مقام شیعہ دانشوروں کی نگاہ میں

شیخ آغا بزرگ آخوند ملا محمد کاظم خراسانی جو کہ کفایہ الاصول (جسے دینی مدارس کے عالیہ سطوح میں متن اصولی کے طور پہ پڑھایا جاتا ہے) کے مصنف سے نقل کیا ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کے درمیان جن کی تعداد پانچ سو سے زیادہ تھی اور ان میں سے اکثر یا تو مجتہد تھے یا مجتہد کی سطح پہ پہنچے ہوئے تھے اس طرح فرمایا:

ہمارے زمانے کے مجتہدوں پہ حجت اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک مستدرک سے رجوع اور اس کی روایات سے آگاہ نہ ہو جائے۔٢

کفایہ کے مصنف خود اس کام کے پابند تھے استفتاءات کی جوابات کے لیے وسائل کے علاوہ اس کتاب سے رجوع کرنے کو اپنے شاگردوں کے لیے ضروری جانتے تھے۔٣

شیخ آغا بزرگ تہرانی مستدرک الوسائل کے بارے میں کہتے ہیں:

مستدرک الوسائل محدث نوری کی تالیف کردہ کتاب، متاخر جوامع حدیث میں سے ہے اور تیئیس ہزار سے زائد روایات اس میں موجود ہیں جنہیں مصنف نے حدیث کے متفرق کتب سے جمع کیا ہے اور الشیعہ کی ترتیب پہ مرتب کیا ہے کتاب کے پایان میں فوائد کا ذکر کیا ہے جو کسی دوسرے اصحاب کی کتب میں نہیں ملتا ہے۔۔۔۔ یہ کتاب متاخر دانشوروں کی نگاہ میں معتبر قیمتی اور قابل اعتبار ہے سب نے اسے قبول کیا ہے اور مصنف کی ثابت قدمی اور تبحر کو تسلیم کیا ہے یہاں تک کہ یہ کتاب دیگر جوامع کے برابر اور انہیں کے لائن میں قرار پایا ہے، اس لیے تمام مجتہدین کے لیے ضروری ہے احکام کی استنباط کے لیے اس کتاب کے ادلہ سے رجوع کیا جائے۔٤

---

١ ۔ مستدرک الوسائل ج١ص ٢٣-٢٩۔

٢ ۔ مستدرک الوسائل ج١ص ٥٣۔

٣ ۔ مستدرک الوسائل ج١ص ٥٤۔

٤ ۔ مستدرک الوسائل ج١ص ٥٣۔

اس بات کی طرف متوجہ رہیں کہ بعض علما جیسا کہ امام خمینیؒ نے مستدرک الوسائل پہ ضعیف روایات کو نقل کرنے کی وجہ سے شدت سے تنقید کی ہے۔ اسی طرح "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" جس میں تحریف قرآن کا شبہہ ہے اور مصنف نے اس کتاب کو تحریر کیا ہے اس کتاب نے مصنف کے علمی ساکھ کو نقصان پہنچایا ہے اور مصنف کے دور حیات میں ان کی کتاب پہ ردّ لکھا گیا ہے۔ ۵

سوالات:

- علامہ مجلسی کا بحار الانوار کی تحریر کا محرک اور اس کا پس منظر بیان کیجئے؟
- بحار الانوار کی خصوصیات اور امتیازات کی چھان بین کیجئے؟
- بحار الانوار کے منابع اور علامہ مجلسی کا منابع کو منتخب کرنے کے معیارات بیان کیجئے؟
- شیعہ دانشوروں کی نگاہ میں بحار الانوار کی کیا اہمیت ہے؟
- آقابزرگ کی زبانی محدث نوری کے علمی مقام کو بیان کیجئے؟
- مستدرک الوسائل کا اسوب تحریر کو بیان کیجئے؟

---

۵ ۔ تفصیل کے لیے رک: تحریف ناپذیری قران ص ۸۳/۸۴/۱۲۰-۱۲۵

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«تیسواں سبق»

متاخر شیعہ جوامع حدیث

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

متاخر شیعہ جوامع حدیث

سفینۃ البحار ومدینۃ الحکم والآثار، محدث قمی (م ۱۳۲۲)۔

محدث قمی کی سوانح حیات

شیخ عباس بن محمد رضا قمی، چودھویں صدی کے محدثین میں سے ہیں آپ ۱۲۹۴ہجری قمری کو قم میں پیدا ہوئے، آپ کے والد حاج محمد رضا کا شمار قم کے صالح وزاہدوں میں ہوتا تھا آپ کی والدہ بھی صالح خاتون تھیں شیخ عباس قمی کے بقول بچپن میں آپ کو ہمیشہ باطہارت دودھ پلایا کرتی تھیں۔۱

محدث قمی نے بچپن ہی سے قم کے دینی مدارس میں تعلیم کا آغاز کیا اس دوران میں آپ کے سب سے اہم استاد جس نے آپکی علمی اور روحی تربیت کی شیخ محمد ارباب تھے جو میرزا شیرازی کے شاگرد تھے ۲۔

آپ ۱۳۱۶ہجری کو مزید تعلیم حاصل کرنے نجف اشرف ہجرت کر گئےاور اس زمانے کے مشہور اساتذہ من جملہ سید محمد کاظم یزدی، شیخ الشریعہ اصفہانی، محدث نوری کے علم سے استفادہ کیا اور ان کے خاص شاگرد بن گئے ۳ محدث قمی کی علمی اور حدیث کی شخصیت کی تشکیل میں سب سے زیادہ اور اہم کردار محدث نوری کا ہے آپ نے مکرر اپنے استاد کی تعریف کی ہیں ۴ اور استاد کے آخری عمر تک ان کے ہمراہ رہے ہیں۔

آپ ۱۳۲۲ہجری کو پھیپھڑوں کی بیماری کی وجہ سے ایران واپس آئے اور اپنے وطن میں سکونت اختیار کی اور اس مدت میں مفاتیح الجنان لکھنے سے ایران میں ہر سو آپ کی شہرت پھیل گئی؛ محدث قمی ۱۳۳۲ہجری کو مشہد تشریف لے گئےاور حاج آغا حسین قمی کی خواہش پہ اس شہر میں تدریس اور تحقیق کے کاموں میں مصروف ہوگئے آخرکار ۱۳۵۷ہجری کو نجف میں وفات پاگئے۔ ۵

۱۔ منازل الآخرہ والمطالب الفاخرہ ص ۴۳ (مقدمہ)

۲۔ مفاخر الاسلام (نامی گرامی محدث، شیخ عباس قمی، چہرہ درخشان روحانیت شیعہ) ج ۱۱ بخش اول ص ۴۶

۳۔ تفصیل کے لیے رک: مفاخر الاسلام (نامی گرامی محدث، شیخ عباس قمی، چہرہ درخشان روحانیت شیعہ) ج ۱۱ بخش اول ص ۲۵۸/۲۳۹/۶۰۔

۴۔ منازل الآخرہ والمطالب الفاخرہ ص ۵۸/۴۵۔

۵۔ منازل الآخرہ والمطالب الفاخرہ ص ۶۲/۶۳۔

محدث قمی کی علمی حیات

محدث قمی کے علمی حیات کی ایک خصوصیت تحقیق اور تصنیف کے سلسلے میں ان کی مسلسل سنجیدگی سے تلاش اور فرض شناسی ہے تصنیف کی کثرت اور زندگی کے تمام لحات میں تحقیقی تقاضے کا پیچھا کرتے رہنااس دعوی کی بہترین دلیل ہے۔ تاہم، آپ اس تمام دوران میں پھیپھڑوں کی بیماری میں مبتلا تھے اور اٹھنے بیٹھنے اور کتاب اٹھانے میں بہت تکلیف محسوس کرتے تھے شیخ آغا بزرگ اس بارے میں کہتے ہیں:

محدّث قمی ہمیشہ لکھنے، تدوین، بحث و چھان بین کا نہایت شوقین تھے اس طرح کہ کوئی بھی کام انہیں ان کے علمی مصروفیات سے نہیں روک سکتے تھے۶

محدث قمی کے بیٹے (شیخ علی محدث زادہ) اس بارے میں کہتے ہیں:

والد محترم مسلسل لکھنے میں مصروف ہوتے تھے یہاں تک کہ بیماری کی حالت میں بھی روزانہ سترہ گھنٹے مطالعہ اور لکھنے میں مصروف ہوتے تھے۔۷

آپ بعض علمی کتب کو مہیّا کرنے اور مسلسل تعلیم حاصل کرنے کے لیے قم سے تہران پیدل سفر کرتے تھے۸

استاد دوانی کہتے ہیں:

انہوں نے اپنی بابرکت عمر کے ۶۵ سالوں میں سے روزانہ، ہفتہ وار، اور ماہانہ ۵۰ سال علم کے میدان میں گذارے ہیں اور کہہ سکتے ہیں اپنی عمر کا ایک گھنٹہ بھی ضایع نہ ہونے دیا ہے۔۹

اس مسلسل کوشش کا نتیجہ ۹۵ علمی کتب ہیں کہ ان میں ۴۵ کتابیں شایع ہوچکی ہیں من جملہ: فوائد الرجبیہ، ھدیۃ الزائرین، منتھی الآمال، الکنی والالقاب، سفینۃ البحار شائع شدہ کتابیں ہیں۔ استاد علی دوانی نے اپنی کتاب "محدث نامی، حاج شیخ عباس قمی، چھرہ درخشان روحانیت شیعہ" میں ان کی کتب کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۱۰

محدث قمی کے کتب کو موضوع کے لحاظ سے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۶۔ منازل الآخرہ والمطالب الفاخرہ ص۔ ۶۲/۶۳

۷۔ مفاخر الاسلام ج۱۱۴۵

۸۔ منازل الآخرہ والمطالب الفاخرہ ص ۶۲

۹۔ منازل الآخرہ والمطالب الفاخرہ ص ۶۲/بہ نقل از مردان علم و میدان عمل ج۱ص۹۶۔

۱۰۔ مفاخر الاسلام ج۱۱ص ۴۸۴-۵۱۷۔

۱۔ کتب حدیث: نقلی علوم کا رجحان محدث قمی کے افکار پہ حاکم ہونے کہ وجہ سے آپ حدیث کے عالم محدث نوری کی طرف زیادہ مائل تھے اور ان کی اکثر کتب حدیث پہ مشتمل ہیں اور کچھ کتابیں من جملہ سفینہ البحار روایات اور ان کی ترتیب پہ مشتمل ہے۔

۲۔ کتب تاریخ: کتب تاریخ سے مراد وہ کتب ہیں جو اسلامی تاریخ، بالخصوص حضور اکرم ﷺ اور ان کی اہلبیتؑ پہ مشتمل ہو۔ محدث قمی کا یہ کام ان کا دینی رہنماؤں سے محبت کی علامت ہے، منتہی الآمال اور نفس المہموم۔۔۔ تاریخ کی کتابیں ہیں۔

۳۔ سوانح حیات نگاری: محدث قمی نے الکنی والالقاب، الفوائد الرضویہ، ہدیہ احباب، جیسی کتب میں آغاز سے لیکر اپنے زمانے تک کے شیعہ علما اور بزرگوں کا مختصر تعارف کیا ہے۔

۴۔ کتب اعمال، دعا اور زیارات: محدث قمی کو کتب دعا کی تحریر اور اس ثقافت کو عوام میں پھیلانے میں خاص دلچسپی تھی، مفاتیح الجنان ان کی ہمت اور اخلاص کی وجہ سے تمام مسجدوں اور گھروں میں پایا جاتا ہے فوئد الرجبیہ اور ہدیۃ الزائرین بھی اسی سلسلے میں تحریر کی گئی کتابیں ہیں۔

۵۔ کتب تربیت: منازل الآخرۃ۔۔۔ یہ کتاب تربیتی مباحث کی اہمیت کے پیش نظر من جملہ: آخرت شناسی، تحریر ہوئی ہے۔

محدث قمی کے کتب کے مجموعے سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آپ اہل سنت کے عالم جلال الدین سیوطی کی طرح روایات کو جمع اور ترتیب میں خاص دلچسپی رکھتے تھے لیکن آپ نے اپنی کتب کے بارے میں بہت تبصرہ و تحقیق کیا ہے اسی لیے احادیث اور بزرگوں کے اقوال اور اعمال کا حوالہ ان کے کام میں ظاہر ہے۔

سفینۃ البحار کا تعارف

اس کتاب کا مکمل نام سفینۃ البحار و مدینۃ الحکم والآثار مع تطبیق نصوص الواردہ فیھا علی البحار، ہے محدث قمی اس کتاب کو بحار الانوار کا مطالعہ کرنے والوں کی آسانی اور اس کتاب کی روایات سے استفادہ کرنے کے لیے فہرست موضوعی کے طور پر تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب علامہ مجلسی کی کتاب بحار الانوار میں غوطہ ور ہونے کے لیے لکھا ہے۔

محدث قمی کتاب کے آغاز میں علم حدیث کی تعریف بیان کرنے کے بعد کتاب کی تحریر کا مقصد اس طرح بیان کیا ہے:

اللہ کے فضل و کرم سے جوانی ہی سے علم حدیث اور روایات کے حصول کا نہایت شوق رکھتا تھا بہت سارے کتب حدیث کا مطالعہ اور ان میں غور و فکر کیا۔۔۔ پھر ان کتابوں میں سے ایک کتاب کو منتخب کیا جو تمام مقاصد کا جامع اور مکمل ہے۔۔ گذشتہ زمانے میں اس کی مانند کوئی کتاب تحریر نہیں ہوئی ہے اور وہ کتاب "بحار الانوار الجامع لدرر اخبار الائمۃ الاطہار" ہے۔۔۔ ابوابیات میں

روایات بکھرے ہوئے ہیں اور ان تک رسائی بہت محنت طلب ہے۔۔۔۔ لہذا اللہ سے مدد مانگا اور ارادہ کیا کہ حروف کی ترتیب سے معجم تحریر کروں تاکہ اس کتاب کی روایات تک رسائی میں آسانی ہو جائے۔۱۱

محدث قمی نے اس کتاب کی تحریر کے لیے دو بار بحار الانوار کی تمام روایات کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے انہوں نے حروف معجم کی بنیاد پہ روایات کی ترتیب کو النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ابن اثیر، کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار مصنف کے دور حیات ہی میں مرزا احمد زنجانی کے دستخط سے ۱۳۵۵ ہجری کو منتشر ہو چکی ہے۔ لیکن حوالہ جات بحار الانوار کے قدیم طباعت کے مطابق تھی لہذا جدید بحار الانوار سے مطابقت کی خاطر عبد الکریم مبارک کی تحقیق کے ساتھ آٹھ جلدوں میں شایع ہو چکی ہے، شیخ علی نمازی نے مستدرک سفینۃ البحار کو ۱۰ جلدوں میں تحریر کرکے محدث قمی کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔

سفینۃ البحار کی اسلوب تحریر

سفینۃ البحار چونکہ بحار الانوار کی فہرست ہے لہذا مصنف نے کسی بھی روایت کو بیان کرنے سے پہلے بحار الانوار کی جلد نمبر اور باب نیز جن منابع سے بحار میں روایت نقل ہوئی ہے کو بیان کیا ہے۔ اور تکرار سے بچنے کے لیے منابع اور روایت کے حوالہ جات کے لیے کوڈ رکھا ہے مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں بحار کی ابواب اور جلد اور منابع کے لیے رموز قرار دیئے ہیں اور یہ رموز علامہ مجلسی کی بحار الانوار میں قرار دیئے گئے رموز کے مطابق ہے۔ مثال کے طور پر: "ا" بحار کی پہلی جلد کا رمز "ب" دوسری جلد کا رمز، "مع" تیسری جلد کا رمز (کیونکہ تیسری جلد کا موضوع معاد ہے)، "و" چوتھی جلد کا رمز۔۔۔۱۲

اس کے بعد بحار الانوار کے منابع کے رموز کو بیان کیا ہے: مثال کے طور پہ: "بشا" "کتاب بشارت المصطفیٰ کا رمز، "ج" سے مراد کتاب احتجاج، "جع" سے مراد جامع الاخبار۔۔۔۔۱۳

مصنف کی وضاحت کی بنا پہ سفینۃ البحار کی حروف تہجی کی ترتیب پہ منظم ہونا ابن اثیر کی کتاب النہایہ کی بنا پہ ہے ۱۴ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ایک وہ مفید معلومات ہے جو بحار الانوار میں بیان نہیں ہوئے ہیں۔ محدث قمی اس بارے میں کہتے ہیں:

۱۱۔ سفینۃ البحار ج ا ص ۲۔

۱۲۔ سفینۃ البحار ج ا س ۳۔

۱۳۔ سفینۃ البحار ج ا س ۴-۶۔

۱۴۔ سفینۃ البحار ج ا ص ۳۔

میں نے صرف بحار الانوار کی روایات کو ذکر نہیں کیا بلکہ جس موضوع میں حدیث مختصر تھی وہاں حدیث کو مکمل بیان کیا ہے جہاں حدیث طویل تھی روایات کے مواد کو یا ضروری حصے کو بیان کیا ہے اور جس حدیث کے بارے میں خاص قسم کی تحقیق موجود تھی اس تحقیق کے خلاصے کو بیان کیا ہے ان تمام کاموں کے باوجود مشہور اصحاب کی اور اہل بیتؑ نیز فریقین کے بزرگوں کی سوانح حیات بیان کی ہے۔ ۱۵

۱۵۔ سفینۃ البحار ج ۱ س ۲۔۳۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«اکتیسواں سبق»

جامع الاحادیث الشیعہ

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

جامع الاحادیث الشیعہ، آیت اللہ بروجردی (م ۱۳۸۰)

وسائل الشیعہ کے بعد جامع الاحادیث الشیعہ , آیت اللہ بروجردی کی کتاب ہے اور یہ کتاب شیعہ جوامع روایت کی بہترین اور مکمل کتاب ہے جس میں روایات کو جمع کرنے کے علاوہ وہ روایات جن کا گذشتہ کتب میں ذکر نہیں ہوا کو جمع کیا ہے۔

آیت اللہ بروجردی چونکہ فقہ میں جدید اسلوب کے بانی ہیں لہٰذا وسائل الشیعہ کا مسلسل مطالعہ اور مکرر ملاحظہ کرنے سے وسائل الشیعہ میں موجود خامیوں کی طرف متوجہ ہوئے، روایات کی تقطیع، احکام اور آداب و سنن میں خلط ملط، مسلسل تکرار، احادیث سے متعلقہ آیات کا ذکر نہ کرنا وسائل الشیعہ کی من جملہ خامیاں ہیں۔

اسی لیے انہوں نے فقہ کے موضوع پہ ایک جامع کتاب تحریر کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے طالب علموں کو اپنے اس ارادے سے آگاہ کیا اور طلباء کی ایک کمیٹی تشکیل دے کر گروپ کی شکل میں کام کا آغاز کر دیا۔ جن طلباء نے اس کام میں آیت اللہ بروجردی کی مدد کی ان کی تعداد میں اختلاف ہے آیۃ اللہ واعظ زادہ ۱۶۹فراد، آیہ اللہ استادی ۱۲۰ افراد کا نام لیتے ہیں کچھ مدت بعد یہ گروپ متفرق ہو گئے صرف چند افراد رہ گئے آخر کار ایک طالب علم شیخ اسماعیل ملایری نامی نے اس کام کو مکمل کیا۔ مصنف کی زندگی کے دوران جامع الاحادیث کی ایک جلد اور ان کی وفات کے بعد ۲۶ جلدیں شایع ہوئیں ہیں۔

آیت اللہ بروجردی کی سوانح حیات

آیۃ اللہ حاج حسین طباطبائی بروجردی (آپ کا شجرہ نسب امام حسن مجتبیٰؑ تک پہنچتا ہے بروجرد میں پیدا ہوئے آپ کے اباء واجداد زیادہ تر علما اور بزرگ تھے آپ کا نسب دو واسطوں سے مجلسی اول کی بیٹی آمنہ بیگم تک پہنچتا ہے جن کا ذکر ہم نے پچھلے اسباق میں کیا تھا، بروجرد میں ابتدائی دینی علوم سے آشنائی حاصل کرنے کے بعد اصفہان (قم کے دینی مدارس سے پہلے اصفہان دینی علوم کا مرکز تھا اور آیت اللہ حائری نے دینی مدرسہ کھول رکھا تھا جو اس زمانے میں ایران کا سب سے بڑا دینی مدرسہ تھا) چلے گئے تین سال وہاں سطوح عالیہ میں تعلیم حاصل کیا اس کے بعد نجف چلے گئے اور آٹھ سال وہاں کے ماہر استاذہ سے علم حاصل کیا من جملہ شیخ الشریعہ اصفہانی، سید محمد کاظم یزدی، آخوند ملا محمد کاظم خراسانی کفایۃ الاصول کے مصنف۔ آخوند خراسانی سے اجتہاد کی اجازت حاصل کرنے کے بعد بروجرد واپس پلٹے اور ۳۳ سال تبلیغ، تدریس، تحقیق اور طلباء کی تربیت میں گذارے اور اس دور میں کئی کتابیں تحریر کیں، بالخصوص ان کی عروۃ الوثقی پہ حاشیہ نے اس دور کے علما اور مراجع میں دھوم مچا دی سفر کے دوران مختلف شیعہ

علما سے ملاقات کی اور ان ملاقاتوں نے علما کے سامنے ان کی علمی مقام کو اور مظبوط کر دیا۔آیت اللہ بروجردی کا زمانہ رضاخان کے تاریک و سیاہ حکومت کا دور تھا نیز پہلوی حکومت کا کچھ عرصہ آپ نے علما کرام کے درمیان علمی اور روحانی حیثیت کا استعمال کرتے ہوئے علما و روحانیت اور دینی مدارس کی عزت و قدرت سے دفاع کی۔

دینی مدارس کو آیت اللہ خوانساری اور شہید صدر کا مالی امور سے استعفیٰ دینے کے بعد نیا نظم دینے کی ضرورت تھی نیز رضاخان کی حکومت کے سقوط کے بعد دینی مدارس کو درپیش محدودیت ختم ہو گئی تھی نیز آیت اللہ بروجردی کا تہران میں فقاہت کے اختتام کے بعد آپ کو قم کے دینی مدارس کی ذمہ داری اور عامہ مرجعیّت سونپنے کیے لیے قم بلایا گیا۔قم میں آپ کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا نیز جب مشہد مقدس تشریف لیے گئے تو حاج میرزا احمد کفایتی (آخوند خراسانی کے بیٹے) اس زمانے کا مشہور عالم کا آیت اللہ بروجردی کے استقبال کو آنے سے ان کے علمی مقام کو اور زیادہ مضبوط کر گئے یہی کام دینی مدارس کی ترقی اور رونق کا باعث بنا اس حد تک کہ رضاخان کے دور میں دینی طلبا کی تعداد ۳۰۰ تھیں آیت اللہ بروجردی کے دور میں ۱۷۰۰۰ افراد تک پہنچ گئے۔

آیت اللہ بروجردی نے تدریس و تحقیق اور مدارس کی بحالی کے ساتھ ساتھ سماجی اور ثقافتی خدمات انجام دیئے من جملہ حضرت معصومہؑ کے حرم مطھر کے قریب مسجد اعظم کی تعمیر مختلف مدارس اور مساجد کی تعمیر آفریقا میں چار مسجدیں بنائیں ہیمبرگ میں شیعہ ثقافتی مرکز کی تعمیر کی (جو ابھی بھی اہل بیتؑ کی ثقافت کو فروغ دینے میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے)۔

آیت اللہ بروجردی کی اٹھارہ تصنیفات یادگار رہ گئے ہیں، کفایۃالاصول پہ حاشیہ، نہایۃ، شیخ طوسی کی کتاب پہ حاشیہ، رسالہ در تجرید اسانید کافی، رسالہ در رجال کشّی۔۔۔۔وغیرہ آپ کی کتابیں ہیں۔آپ بارہ شوّال ۱۳۸۰ ہجری جمعرات کے دن وفات پاگئے اور حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم میں دفن ہوئے۔[1]

جامع الاحادیث کی خصوصیات

جامع الاحادیث کے مقدمہ میں اس کتاب کے لے مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ روایات بیان کرنے سے پہلے عناوین سے متعلقہ آیات کو سورتوں کی ترتیب کے مطابق بیان کیا ہے۔

۲۔وسائل الشیعہ اور مستدرک الوسائل اور دیگر منابع کو توجہ اور احتیاط سے ثبت کیا ہے۔

۱۔ تفصیل کے لیے: رک: شکوہ فقاہت (یادنامہ آیۃاللہ بروجردی) ماھنامہ، زمانہ سال دوم نمبر ۲۱-۲۳۔

۳۔ حتی المقدور روایات کو اصلی کتب سے بیان کیا ہے۔

۴۔ روایات کو اصلی منابع سے نقل کیا ہے۔

۵۔ روایات کے الفاظ، سند اور متن میں بغیر کسی تغییر اور تبدیلی کے نقل کئے ہیں سند اور متن کے اختلافی مقامات پہ توجہ کرتے ہوئے مشترک مقامات پہ بھی توجہ دیا ہے۔

۶۔ ہر روایت کے آغاز میں جس منابع سے استناد کیا ہے اس کے نام کو بغیر رموز (محدود جگہوں کے علاوہ) کے واضح طور پہ بیان کیا ہے۔

۷۔ جہاں پہ پہلی روایت اور دوسری روایت کا سند مشترک تھا وہاں تکرار سند سے گریز کیا ہے۔

۸۔ ایک حدیث کو مکرر بیان نہیں کیا ہے۔

۹۔ اسناد تقطیع شدہ ہے اور مختلف ابواب میں تکرار نہیں ہوا ہے۔

۱۰۔ مختلف ابواب میں اسناد کو تقطیع نہیں کیا ہے، بالخصوص کتب اربعہ کی روایات کو، مگر یہ کہ حدیث بہت طویل ہو اور مختلف مسائل پہ مشتمل ہو جس کا تقطیع کرنے سے فہم روایت کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو وہاں تقطیع کیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث وصیت اور حدیث مناہی تقطیع کے بعض نمونے ہیں۔

۱۱۔ وہ حدیث جس میں دو حکم تھے کا تکرار نہیں ہوا ہے۔

۱۲۔ ہر باب میں متعلقہ ابواب کا ذکر ہوا ہے۔

۱۳۔ ہر باب میں نقل شدہ احادیث کے درمیان رابطہ موجود ہے۔

۱۴۔ احادیث، فتوا سے مطابقت رکھنے والی احادیث، معارض احادیث، ابتدائی اختلاف رکھنے والی احادیث، تخصیص و تقیید پہ دلالت کرنے والی احادیث کی ترتیب سے مرتب ہوئی ہے۔

۱۵۔ کتاب کے ابواب میں نظم کی رعایت کیا گیا ہے۔

۱۶۔ متعارض اور مخالف روایات کو جمع کرنے میں شیخ طوسی کے اسلوب کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۷۔ روایات کے متن میں موجود ابہام کی وضاحت، جیسا کہ ضمائر کے پلٹنے کی جگہ (مرجع ضمیر) اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کیا گیا ہے۔

۱۸۔ سنن، آداب، سے متعلقہ روایات کا ذکر۔

۱۹۔ روایات کی مکمل تصحیح، اور اصلی نسخوں سے تقابل کرنا۔

۲۰۔ کتاب کے منابع اور مآخذ کا بیان۔ ۲

مذکورہ خصوصیات جامع الاحادیث کے انداز تحریر کو بیاں کرتی ہیں، مثال کے طور پہ ہر باب میں آیات کا ذکر، فقہ الحدیث کے بعض نکات کا ذکر۔۔۔۔ نیز اس کتاب کی اہمیت اور اس کی تحریر میں برداشت کیے گئے مشقت کو واضح کرتی ہے۔

۲۔ جامع الاحادیث الشیعہ ج ا صف-ث۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«بتیسواں سبق»

آثار الصادقین

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

آثار الصادقین، حاج صادق احسان بخش (م۱۳۸۰ش)

آیت اللہ احسان بخش عصر حاضر کے خدمت گذار عالم ہیں ۱۳۰۹ رشت کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اپنے شہر میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۲۷ کو مزید پڑھائی کے لیے قم تشریف لائے اور اس زمانے کے مشہور اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ آیت اللہ صدوقی، منتظری، لاکانی، علامہ طباطبائی، امام خمینی جیسے علما سے مستفید ہوئے اور رشت کے مشہور عالم آیت اللہ ضیابری کی درخواست پہ ۱۳۴۰ اپنے وطن واپس لوٹے اور زندگی کے آخری لمحوں تک اس شہر میں تبلیغ اور سماجی سرگرمیوں میں مصروف عمل رہے نماز جمعہ اور امام جماعت رہے اس کے علاوہ تحقیقی کاموں میں سرگرم عمل رہے ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد امام خمینی کی طرف سے گیلان اور رشت کا امام جمعہ بنایا گیا اور قوم و ملک کے لیے قابل تعریف خدمات انجام دیئے آخرکار ۱۳۸۰ شمسی کو ۷۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ کی مختلف کتابیں موجود ہیں، آثار الصادقین، خوارج، اور بعض سورتوں کی تفسیر من جملہ آپ کی کتابیں ہیں۔

جس وقت مصنف آثار الصادقین کی تصنیف میں مصروف تھے ۱۳۶۱ شمسی صاحب رشت کی مسجد "کاسہ فروشان" میں منافقوں نے آپ پہ حملہ کیا اور آپ زخمی ہوگئے تھے اور تہران کے ہسپتال میں ایڈمٹ تھے اور نقاہت و کمزوری کے دنوں میں محدث قمی کی کتاب سفینۃ البحار سے آشنا ہوئے۔[1]

آپ خود اس بارے میں کہتے ہیں معالجے کے دوران سفینۃ البحار کا زیادہ مطالعہ کیا کرتا تھا اس کتاب کا اسلوب تحریر محرک بنا کہ میں اپنی کتاب کو اسی اسلوب پہ تحریر کروں اور ہر روایت کے لیے شیعہ اور اہل سنت کی کتب سے منابع ذکر کروں اور ترجمے میں بھی الفاظ اور معنی میں امانت کا رعایت کیا ہے اور روایات کی تشریح و وضاحت سے گریز کیا ہے۔[2]

آثار الصادقین کا اسلوب تحریر

مصنف نے سفینۃ البحار کے مصنف کی پیروی کرتے ہوئے روایات کے لیے حروف تہجی کے مطابق اثر، اجر، اجل، اخ، ادب، اذن، اذی۔۔۔ جیسے عناوین کا انتخاب کیا ہے۔ لہٰذا ہر باب کے مدخل کے آغاز میں اسی سے متعلقہ آیات کا ذکر ہوا ہے پھر حدیث کا

۱۔ تفصیل کے لیے رک: ماہنامہ آیینہ پژوہش سال دوازدہم شمارہ ۲/ ص ۲۵۳/ ۲۵۴۔

۲۔ آثار الصادقین ج۱ص ۱۰۲۔

عنوان ذکر ہوا ہے۔۔۔اسکے بعد روایات کا ذکر ہوا ہے۔ مصنف ہر روایت کے آغاز میں منبع کا نام، جلد نمبر صفحہ نمبر کو بیان کیا ہے اور سند کو ذکر کیے بغیر پیغمبر ﷺ یا امام کے نام لینے کے بعد روایت کے متن کو بیان کیا ہے۔

مصنف حرف "م" کو مسلسل کے لیے "آ" کو آیت کے لیے "ع" حدیث کے لیے علامت کے طور پہ استفادہ کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ۵۰ کتابوں کا نام لیا ہے جن سے آپ نے استفادہ کیا تھا ان میں سے ۳۸ کتب شیعہ کتب ہیں کتب اربعہ، شیخ صدوق کی کتب حدیث، تفاسیر وغیرہ ہیں اسی طرح اہل سنت کی بارہ کتب من جملہ صحاح ستہ، بیہقی کا سنن، کنز العمال جیسی کتب کا ذکر ہوا ہے۔۔اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام آیات اور روایات کا فارسی زباں میں ترجمہ ہے اور فارس زبان دانوں کا اہل بیتؑ کے معارف سے مستفید ہونے کا راہ ہموار کر دیا ہے۔

میزان الحکمہ، محمدی ری شہری (معاصر)

حجۃ الاسلام ری شہری، معاصر حدیث کے محقق ہیں دار الحدیث انسٹیٹوٹ کی تعمیر اور علوم حدیث یونیورسٹی نیز بعض کتب حدیث کو منتشر کرتے ہوئے علوم حدیث کو پھیلانے میں اہم اقدامات کیے گئے ہیں آپ نے میزان الحکمہ کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے آغاز ہی سے قران اور حدیث کے علوم سے خاص دلچسپی رکھتے تھے اور اسلامی دانشوروں کا دین کی شناخت اور عقائدی مباحث میں ان دو منبع سے استفادہ نہ کرنے پہ افسوس کا اظہار کیا ہے، بالخصوص روایات قرآن کی شارح اور مفسر ہونے کی وجہ سے آیات سے ان کی مراد کو کشف کرنے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ۳

مصنف اس قسم کی فکری پس منظر کے ساتھ ۱۳۸۸ش میں بحار الانوار کا مطالعہ اور حروف تہجی کی ترتیب سے اس منبع کی روایات کے مطابق روایات کو مرتب کیا نیز اہل سنت کی کتاب کنز العمال سے بھی رجوع کیا اور اس کام کے نتائج کو شہید مطہری کی نصیحت پہ عمل کرتے ہوئے جلد از جلد منظر عام پہ لے آئے۔

مصنف نے دار الحدیث انسٹیٹوٹ کی بنیاد رکھنے کے بعد کے بعد اس انسٹیٹوٹ کے محققان اور جدید سوفٹ ویئر سے استفادہ کرتے ہوئے میزان الحکمہ کی ابواب اور موضوعات کو وسعت بخشی اور وسیع طور پہ موسوعۃ حدیث پہ کام شروع کیا۔ العقل والحکمۃ فی الکتاب والسنۃ، اہل بیت فی الکتاب والسنۃ، الحج فی الکتاب والسنۃ کو تحریر کیا۔۔۔نیز موسوعۃ الامام علیؑ، بارہ جلدوں میں میزان الحکمہ کے توسعہ یافتہ ابوابیات ہیں۔

۳۔ میزان الحکمہ ج ۱ ص ۷/۸

میزان الحکمہ کا اسلوب تحریر

مصنف نے سب سے پہلے آثار الصادقین اور سفینۃ البحار کی طرح ابواب اور مدخل کو حروف تہجی کی ترتیب سے بیان کیا ہے مثلا ایثار، اجر، اجارہ، اجل، آخرت۔۔۔۔۔ پھر ہر باب سے متعلق باب کو بحار الانوار، وسائل الشیعہ، تحف العقول، کنزالعمال۔۔۔۔ کے مطابق بیان کیا ہے۔ پھر اسی باب سے متعلقہ دیگر ابواب جو میزان الحکمہ میں ہیں کو بیان کیا ہے قارئین تفصیل کے لیے ان ابواب کو ملاحظہ کریں پھر تمام روایات کے لیے عنوان منتخب کیا ہے اور اگر اس عنوان کے مطابق آیت موجود ہو تو اس آیت کو "الکتاب" کے عنوان سے نقل کیا ہے بعض موارد میں عناوین کے ذیل میں صرف آیات ہی بیان ہوئی ہیں۔

مصنف نے روایات سے پہلے آیات کو ذکر کرنے میں علامہ مجلسی کے اسلوب سے استفادہ کیا ہے پھر کچھ موارد میں علامہ طباطبائی کی تفسیر سے روایات کی تشریح کے لیے استفادہ کیا ہے سند یا روایت کے آخری راوی کا نام لیے بغیر پیغمبر ﷺ یا امامؑ صحابہ یا تابعی جس سے روایت بیان ہوئی ہے کا نام اور روایت کے متن کو ذکر کیا ہے پاورقی میں ان منابع کو بیان کیا ہے جن سے روایت نقل ہوئی ہے میزان الحکمہ کے منابع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے احادیث کے منابع کے علاوہ تاریخی منابع سے بھی استفادہ کیا ہے۔

الحیاۃ، حکیمی برادران (معاصر)

حکیمی برادران سے مراد محمد رضا، محمد، اور علی حکیمی ہیں ان میں سے استاد محمد رضا حکیمی کا نام ہر محقق کے لیے آشنا ہے استاد حکیمی کا اصل مقصد علوم اسلامی کا گہرا مطالعہ اور فہم، قرآن اور سنّت کی طرف رخ کرنے کی ضرورت اور ان دونوں منابع کا فرد و معاشرے کی حیات پہ تاثیر نیز سماجی و طبقاتی مشکلات کا حل آپ کے کتب میں صاف نظر آتا ہے۔[۴]

الحیاۃ کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا نام "الحیاہ" منتخب کرنے کی وجہ اسی قسم کے سوچ کا نتیجہ ہے۔ حکیمی برادران نے الحیاۃ کے مقدمہ میں اس بات کی تاکید کی ہے کہ اسلام ایک الہیٰ منظّم نظام ہے جو قرآن و روایات میں منعکس ہے اسلام کی شناخت اور دین میں تفقّہ ان دو منابع سے بطور مکرر رجوع سے حاصل ہوتا ہے انہوں نے مکتب تفکیک جس کے بانی شیخ مجتبیٰ

۴۔ استاد محمد رضا حکیمی کے بارے میں تفصیلات کے لیے: فیلسوف عدالت، کریم فیضی۔

قزوینی ہیں جنھوں نے معارف قرآن کو فلاسفہ اور عرفان کے مبانی سے علحیدہ کیا ہے اور الفرقان نامی کتاب تحریر کی ہے۔ الحیاۃ کتاب وسنّت کے نظریات کو مختلف موضوعات میں بیان کرتی ہے۔۵

یہ کتاب اسلامی عقیدتی اور اخلاقی نظام کو منعکس کرنے کے لیے لکھی گئی ہے لہٰذا اس کتاب کے مباحث مندرجہ ذیل موضوعات سے مخصوص ہیں:

پہلی جلد معرفت اور اس کے مبانی۔ دوسری جلد: پیغمبروں کی رسالت کے کلّی اصول، قرآن، علما کی ذمہ داریاں، سیاسی فلاسفہ، تیسری جلد سے چھٹی جلد تک: اسلامی معاشی نظام سے مخصوص ہے۔

یہ قیمتی کتاب چھٹی جلد کے بعد متوقف ہو گئی ہے اور مصنفین کا ارادہ تحریر کو آگے بڑھانا ہے یا نہیں کچھ اندازہ نہیں ہے اگرچہ کتاب کے مقدمہ میں دس سے بارہ جلدوں کا ذکر ہوا ہے۔٦

الحیاۃ کا اسلوب تحریر

الحیاۃ کے مصنفین نے کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کرنے کے بعد ہر فصل کے آغاز میں "الکتاب" کے عنوان سے اسی فصل سے مربوط آیات کو سورتوں کی ترتیب سے ذکر کیا ہے پھر "الحدیث" کے عنوان سے مربوط روایات کو بیان کیا گیا ہے روایات کو ذکر کرتے ہوئے ان کے اسناد کو حذف اور رفرنس میں مورد استفادہ منابع کا ذکر کیا ہے روایات کے متن میں صرف مورد نظر فقرے کو ذکر کیا ہے اور بہت سارے موارد میں روایت کا آغاز واختتام میں نقطہ لا کر قاری کو متوجہ کیا گیا ہے کہ حدیث کا آغاز اور پایان حذف ہوا ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت علمی مطالب کا ذکر ہے جسے مصنفین نے الفات نظر، نظرۃ الی الباب۔۔۔کے عنوان سے بیان کیا ہے جو مجموعہ آیات وروایات کی تحلیل سے حاصل شدہ نکات ہے مثال کے طور پہ: پہلا باب جو کہ معرفت کا باب ہے اس کے بعد معرفت شناسی کے حوالے سے ۲۰ صفحات میں ۲۳ نکات بیان ہوئے ہیں جو کہ آیات وروایات سے حاصل شدہ ہے۔ ۷

باب نمبر ۴ کے آخر میں "اللہ کے آیڈولوجیک علامات" کے عنوان سے "نظرۃ الی الباب" کے عنوان کو ذکر کرتے ہوئے الٰہی جہان بینی کے لیے ۱۱ خصوصیات کو ذکر کیا ہے۸۔

---

۵ ۔ الحیاۃ ج ۲ ص ۱۵۔

٦ ۔ الحیاۃ ج ۱ ص ۲۱-۳۰۔

۷ ۔ الحیاۃ ج ۱ ص ۱۸۰-۲۰۰۔

استاد محمد رضا حکیمی اس بارے میں کہتے ہیں:

کتاب الحیاۃ میں اس کام کی کوشش ہوئی ہے کہ ا سلامی پیغام کو مستند طور پہ بیان کیا جائے اور دین حق کا چہرہ نما یاں کیا جائے اور "قرآنی شخصیت" "قرآنی معاشرہ" "قرآنی حاکمیت" تک پہنچانے والے راستوں کی نشاندہی کیا جائے۔۹

آغا آیینہ وند "الحیاۃ" کے بارے میں کہتے ہیں:

الحیاۃ ایک انسائکلیو پیڈیا ہے جسے دو مقاصد کے تحت تحریر کیا گیا ہے: الف: شیعہ احادیث اور روایات کے صحیح اور منقّح متون کو جمع کرنا۔ ب: ان احادیث کو ابواب میں منظّم و مرتب کرنا۔ شاید شیعہ کتب میں (وسائل الشیعہ حر عاملی کی جو خاص مقصد کے لیے منظّم ہوئی ہے) تحف العقل کے بعد الحیاۃ روایات کا دوسرا مجموعہ ہے جو شیعہ روایات کی تدوین کی تاریخ میں پہلی بار روشمند اور ہدفمند منظم ہوئی ہے۔۱۰

دلچسپ نثر، جمع کرنے میں احتیاط اور توجہ، احادیث کو جمع کرنا اور آیات سے تلفیق کرنا آیات و روایات کی تفسیر بیان کرنا یہ اس کتاب کی دیگر خصوصیات ہیں۔۱۱

۸۔: الحیاۃ ج ا ص ۴۲۳۔۴۳۴ تفصیل کے لیے رک: الحیاۃ رک: فصلنامہ بیّنات، سال دہم شمارہ ۴۔۴ ویژہ شناختنامہ الحیاۃ۔

۹۔ فصلنامہ بیّنات، سال دہم شمارہ ۴۔۴ ویژہ شناختنامہ الحیاۃ ص ۷۔

۱۰۔ فصلنامہ بیّنات، سال دہم شمارہ ۴۔۴ ویژہ شناختنامہ الحیاۃ ص ۳۷۲

۱۱۔ فصلنامہ بیّنات، سال دہم شمارہ ۴۔۴ ویژہ شناختنامہ الحیاۃ ۳۸۱۔۳۸۲

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«تینتیسواں سبق»

موطّا مالک کا تعارف

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

موطّا مالک اور احمد بن حنبل کے مسند کا تعارف

جیسا کہ اہل سنت کے حدیث کی تاریخ میں بیان کر چکے ہیں اصحاح ستّہ کی تدوین سے پہلے مختلف حدیث کی کتابیں لکھی جاچکی تھیں اور مسند نویسی کا دور دورہ تھا اور حدیث کے اس دور میں چھے کتابوں کا سب سے زیادہ ذکر کیا جاتا ہے جو یہ ہیں: ۱) موطّا مالک (م۱۷۹)، ۲) مسند طیالسی (م۲۰۳)، ۳) المصنف صنعانی، (م۲۱۱)، ۴) مسند حمیدی ۵ (۲۱۹)،) مسند ابن راہویہ (م۲۳۸)، ۶) مسند احمد بن حنبل (م۲۴۱)، اس کتاب میں اختصار کی خاطر موطّا مالک اور احمد بن حنبل کے مسند کے بارے میں بیان کریں گے۔

موطا مالک (م۱۷۹)

مالک بن انس ۹۳ ہجری کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ ہجری کو اسی شہر میں وفات پا گئے۲ آپ اسلامی دار الحکومت میں پیدا اور بڑے ہوئے ہیں اور مشہور اسلامی اساتذہ من جملہ ربیعۃ الرائی، ابن شہاب زہری، زید بن اسلم، یحیٰی بن سعید انصاری وغیرہ سے تعلیم حاصل کیا۳ انہوں نے کچھ عرصہ امام صادقؑ کی شاگردی کی اور ہمیشہ آپؑ کو کثرت عبادت کی وجہ سے تعریف کیا کرتے تھے ۴ کوفہ کے برخلاف جہاں رائے اور قیاس اور عقلیت کا دور دورہ تھا مدینہ کے علماء کرام احتیاط اور حدیث کی طرف زیادہ رغبت رکھتے تھے لہٰذا اس ماحول نے مالک کو ایک محطاط اور عقلیتی فرد بناڈالا اور یہ خصوصیت "موطّا" اور ان کی دیگر فقہی کتب میں مشہود ہے۔

مالک نے موطّا کو منصور عباسی کی خواہش پہ ۱۹۷ میں تحریر کیا ہے امام شافعی اس بارے میں کہتے ہیں:

منصور ۱۴۷ ہجری کو مدینہ آیا اور مالک بن انس کو طلب کیا اور ان سے کہا: عراق کے لوگ اختلاف کا شکار ہوئے ہیں تم سے چاہتا ہوں ایک ایسی کتاب لکھو جس سے لوگوں میں اتحاد اور اتفاق برقرار ہو جائے مالک نے منصور کے کہنے پہ موطّا تحریر کیا۔۵

۱۔ حدیث شناسی ج۱ص۷ ۱۲۹/۱۲۔

۲۔ تاریخ الاسلام ج۱۱ص۳۱۸۔

۳۔ سیر اعلام النبلاء ج۸ص۴۹/ موطّا مالک ج۱ص۲۰ (مقدمہ)

۴۔ امالی صدوق ڈ۴۳/۱۳ الخصال ج۱ص۱۶۷۔

۵۔ اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ص۳۱۳۔

ایک اور نقل کے مطابق: منصور نے مالک سے کہا: "اپنی کتاب میں عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود کی شاذ نظریات کے ذکر سے گریز کریں:؛ مالک نے پہلے تو منصور کا حکم ماننے سے انکار کر دیا، لیکن جب منصور کا اصرار بڑھا تو قبول کیا۔٦

انہوں نے ایک لاکھ احادیث میں سے دس ہزار احادیث کو منتخب کیا اور روایات کی تنقیح کے لیے مکرر ان روایات کا ملاحظہ کیا اور قرآن و حدیث سے ان روایات کو پرکھا یہاں تک کہ روایات کم ہو کر تین ہزار رہ گئیں بعض محققان کے کہنے کے مطابق اگر مالک زندہ رہتے تو مکرر روایات کا ملاحظہ کرکے تمام روایات کو حذف کر دیتے۔٧

مالک نے اپنی کتاب کو لکھنے کے بعد مدینہ کے فقہا کے سامنے پیش کیا اور روایات کی تنقیح میں کافی کوشش کرنے کی وجہ سے کتاب کا نام " موطّا" رکھا جس کا معنی" منقّح، ممھّد، اور آمادہ " ہے٨ سیوطی نے مالک سے اس بات کو نقل کیا ہے:

کتاب کی تدوین کے بعد اسے مدینہ کے ٧٠ فقہا کے سامنے پیش کیا اور تمام فقہا کتاب کے مواد میں ہم خیال تھے لہٰذا اس کا نام " موطّا، " (متفق علیہ) رکھا۔٩

موطّا اہل سنّت کی سب سے قدیم کتاب حدیث ہے جو دوسری صدی میں لکھی گئی اور ہم تک پہنچا ہے حدیث کے ماہر ابوریّہ کے کہنے کے مطابق یہ کتاب ١٧٢٠ روایات پہ مشتمل ہے جس میں ٦٠٠ روایات مسند، ٢٢٢ حدیث مرسل ٦١٣ موقوف، ٢٨٥ اقوال تابعین ہے۔١٠

مالک نے اس کتاب میں سب سے پہلے روایت کو بیان کیا ہے اسکے بعد مدینہ کے فقہا کا فتوے بیان کیا ہے اور آخر میں اپنے نظریے کو بیان کیا ہے١١

اس کتاب کی قدمت اور استنساخ کی وجہ سے موطّا کے مختلف نسخوں میں اختلاف ہے اور ٣٠ نسخے تک بتایا گیا ہے سیوطی کے بقول جو کہ خود بھی موطّا کے شارح ہیں موطّا کے راویان کی تعداد چودہ ہیں نسخہ یحییٰ بن یحییٰ لیثی، نسخہ محمد بن حسن شیبانی، نسخہ ابو مصعب زہری، نسخہ ابن وہب، ان میں سے سب سے مشہور اور صحیح نسخہ یحیٰی بن یحیٰی لیثی، (م ٢٣٤) کا ہے۔١٢

---

٦ ۔ اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ص ٢١٣
٧ ۔ اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ص ٢١١/٢١٠
٨ ۔ روایان مشترک ج ٢ ص ٧٧۔
٩ ۔ موطّا مالک ج ١ ص ٤۔
١٠ ۔ اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ص ٣١١۔
١١ ۔ علم حدیث ص ٣٦۔

موطا، مالک بن انس کا اہل سنت کے درمیان علمی اور فقہی مقام و مرتبہ نیز کتاب کی تحریر میں احتیاط کی وجہ سے خاص احترام کا حامل ہے۔ شافعی اس بات کا قائل ہے کہ قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب موطا ہے ۱۳ اور جناب دہلوی موطا، مسلم و بخاری کی صحیحین کو معتبر ترین کتاب جانتے ہیں۔ ۱۴

اہل سنّت علما نے مالک کی موطا پہ مختلف شرحیں لکھی ہیں من جملہ: سیوطی کی مفصل و مختصر شروحات، کشف المغطا فی شرح الموطّا، تنویر الحوالک فی شرح موطا مالک، عبدالباقی زرقانی گیارہویں صدی کے مصر کے اہل سنت عالم۔

موطّا مرسل روایات کو بیان کرنے نیز نقلیت کی حمایت کرنے کی وجہ سے عراق کے عقلیت کی حمایت کرنے والوں نے ان پہ تنقید کیا ہے۔ ۱۵

مالک کے موطّا میں ۳۰۹۱ روایات ہیں اور دو جلدوں میں نشر ہو چکی ہے۔

۱۲ ۔ موطا مالک ج ا ص ۱۰-۱۶

۱۳ ۔ موطا مالک ج ا ص ۴۔

۱۴ ۔ اضواء علی السنۃ المحمّدیہ ص ۳۱۰۔

۱۵ ۔ علم حدیث ص ۳۴

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چونتیسواں سبق»

مسند احمد بن حنبل

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

مسند احمد بن حنبل (۲۴۱)

نسب کے لحاظ سے احمد بن حنبل خراسان کے شہر مرو کا شہری ہے ۱۶۴ہجری کو بغداد میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ ہجری کو اسی شہر میں وفات پاگئے[۱] انہوں نے شہر بغداد میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور مزید تعلیم کے لیے مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام، یمن وغیرہ سفر کئے اور وکیع، سفیان بن عینیہ، قاضی ابو یوسف، شافعی، جیسے اساتذہ سے استفادہ کیا،انہوں نے ۱۲۸۳ افراد سے علم حاصل کی ان کے اساتذہ میں احمد بن حنبل، ہشیم بن بشیر واسطی (م ۱۸۳) ابن ادریس شافعی، کا علم حدیث اور اجتہاد تک پہنچانے میں بہت اہم کردار ہے۔[۱] ان کے شاگردوں میں محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوداؤد سجستانی،ابوزرعہ رازی وغیرہ شامل ہیں [۲] ابن حنبل حدیث حفظ کرنے میں خاص مہارت رکھتے تھے یہاں تک کہ ابوزرعہ کے بقول ایک ملین حدیث زبانی یاد تھا ابن ندیم کے بقول ابن حنبل نے ۱۳کتابیں تحریر کیے جن میں سے المسند والعلل سب سے اہم ہیں [۳] احمد بن حنبل چار امام یعنی امام کاظمؑ (۱۲۸-۱۸۳ھ) امام رضاؑ (۱۴۸-۲۰۳ھ) امام جوادؑ (۱۹۵-۲۲۰ھ) امام ہادیؑ (۲۱۲-۲۵۴ھ) کے ہمعصر تھے آقای خوانساری انہیں امام کاظمؑ کے شاگرد اور شیخ طوسی انہیں امام رضاؑ کے اصحاب میں سے جانتے ہیں اور سید صدر اس بات کے قائل ہیں کہ ان کا شیعہ روایان سے تعلق اور رابطہ تھا۔[۴]

احمد بن حنبل علوم حدیث اور تحمّل حدیث میں علمی وسعت کی بناپر حدیث و فقہ کے بزرگوں میں شمار ہونے لگا لیکن نقلیت کی حکمرانی اور انتہا پسندی کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ان کی شخصیت خراب ہوئی یہاں تک کہ فقہ حنابلہ کے امام ہوتے ہوئے بھی قتیبہ دینوری نے العارف میں اور محمد بن جریر طبری نے اختلاف الفقہا میں انہیں صرف محدثین میں شمار کیا ہے اور فقہا کے ناموں میں ان کا نام نہیں لیا ہے۔

روایات کے مضمون کی صحت (اگرچہ سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو) اور بغیر کسی تفسیر و تاویل کے ظواہر پہ عمل کرنا، مکتب حدیث احمد بن حنبل کی خصوصیات میں سے ہے یہ سوچ باعث بنا کہ تجسّم، تشبیہ، تعطیل وغیرہ جیسے افکار وجود میں آئے۔

۱۔ مسند نویسی ص ۳۱۳

۲۔ تفصیل کے لیے رک: سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۱۸۰/۱۸۱

۳۔ الاعلام ج ۱ ص ۲۰۳

۴۔ نقل از الاعلام ج ۱ ص ۴۰۴/۴۰۵

آپ قرآن کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے مامون، بالخصوص معتصم عباسی کے دور میں جیل میں ڈالا گیا اور کوڑے مارے گئے۔ لیکن توکّل نے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالتے ہی معتزلہ کے علمی دور کا خاتمہ ہوا تو احمد بن حنبل کے عقائید اور فقہ کا دور دورہ شروع ہوا۔

دوسری صدی میں مسند پہ توجہ دی گیا اور سلیمان بن جارود طیالسی (م ۲۰۴) عبیداللہ بن موسیٰ (م ۲۱۳) عثمان ابن شیبہ (م ۲۳۹) نے مسند نویسی کی طرف رخ کیا؛ احمد بن حنبل نے روایات سے وسیع طور پہ آگاہی کی بنا پہ مسند کی تحریر کا آغاز کیا۔ انہوں نے مسند کی روایات کو ساتھ سو پچاس روایات میں سے منتخب کیا اور پہلے انہیں مختلف اوراق میں لکھا اور بہت بڑے حصے کو اپنے فرزند کے سامنے پیش کیا، احمد بن حنبل کا بیٹا کہتا ہے: میرے والد نے مجھے اور میرے بھائی صالح اور عبداللہ کو اکھٹا کیا ہمارے سوا کوئی اور نہیں تھا جو مسند کی روایات کو پڑھتا۔ ۵

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے صاحبزادے متفرقہ اوراق میں موجود روایات کو پڑھتے تھے اور آپ نظر ثانی کرتے تھے اس کے باوجود آپ خود باقاعدہ اس کتاب کو مدوّن نہیں کر سکا تھا اور آپ کے انتقال کے بعد آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے اس کام کی ذمہ داری اٹھالی اور اس پہ کچھ اور روایات کا اضافہ کیا، شیخ احمد بن عبدالرحمان کے مطابق صرف تین چوتھائی روایات کو عبداللہ نے اپنے والد سے بلاواسطہ سنا ہے باقی روایات، یا تو دیگر محدثین کی روایات ہیں یا قرائت یا خط کے ذریعہ تحمّل ہوئی ہیں اور ایسی روایات ہیں جو ان کے شاگرد عبداللہ، یعنی عبداللہ قطیفی نے فراہم کیے ہیں۔

احمد بن حنبل نے مسند کی روایات کو ۱۸۰۰ اصحاب سے نقل کیا ہے، موجودہ ایڈیشن کے مطابق مسند کے روایات کی تعداد ۲۷۵۱۹ ہیں۔ المسند الاحمد فیما یتعلّق بمسند احمد، ابن جزری، عقود الزبرجد علی مسند الامام احمد مسند احمد پہ انجام شدہ کام ہے۔

مسند احمد بن حنبل کی روایات کی ترتیب

جیسا کہ اس کتاب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے وہ روایات جو صحابہ کرام سے نسبت دی گئی ہیں ان کی بنیاد پہ یہ کتاب مرتب ہوئی ہے اگرچہ بعض مسانید میں صحابہ کا نام حروف تہجی کی بنا پر ہے لیکن احمد بن حنبل کی مسند میں صحابہ کی عظمت کی بنیاد پر گیارہ محور میں اس وضاحت کے ساتھ مرتب ہوا ہے:

۱۔ چودہ اصحاب کی مسندیں، جن میں یہ اصحاب شامل ہیں: ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر۔۔۔،

۵۔ مسند نویسی ص ۳۳-۳۵۔

۲۔ مسند اہل بیتؑ جن میں امام حسنؑ، امام حسینؑ، عقیل، جعفر، ابوطالب کے بیٹے، اور عبداللہ و جعفر،

۳۔ مسند بنی ہاشم۔ عباس بن عبدالمطلب اور ان کے بیٹے۔

۴۔ آٹھ صحابے جو کثرالنقل تھے جن میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عمرو عاص، ابورمثہ، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، انس بن مالک، جابر عبداللہ انصاری،

۵۔ مکہ والوں کا مسند شامل ۲۵۵ افراد

۶۔ مدینہ والوں کا مسند شامل ۱۳۵ افراد

۷۔ شام والوں کا مسند، شامل ۱۶۹ افراد

۸۔ کوفہ والوں کا مسند شامل ۱۴۹ افراد

۹۔ بصرہ والوں کا مسند شامل ۸۰ افراد

۱۰۔ انصار کا مسند شامل ۱۳۱ افراد من جملہ: ابی بن کعب، ابوزر، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، سلمان فارسی، مقداد، بلال۔۔۔

۱۱۔ خواتین کا مسند، ۷۱ روای جو خواتین تھیں۔

مسند احمد بنحنبل اہل سنت مفکرین نگاہ میں

تنقید کے باوجود اہل سنت بزرگوں میں سے کچھ نے اس کتاب کی تعریف کی ہیں ذیل میں ان تعاریف کو مختصرا بیان کریں گے:

حافظ ابو موسی مدینی (م ۵۸۱) یہ کتاب حدیث کے طالب علموں کے لیے نہایت عظیم اور محکم مرجع ہے، مصنف نے بڑے پیمانے پہ پھیلے ہوئے روایات میں سے ان روایات کو منتخب کیا ہے اور انہیں لوگوں کے لیے رہنما اور پناہ گاہ قرار دیا ہے تاکہ تنازعہ اور اختلاف کے دوران اسے اپنے لیے مستند قرار دیں۔۶

ذہبی (م ۷۴۷) کہتے ہیں: اس کتاب میں زیادہ تر احادیث نبوی ہیں اور بہت کم ایسی روایات ہے جس کی صحت و درستگی ثابت ہوئی ہو اور وہ اس کتاب میں نقل نہ ہوئی ہو۔۷

ابن کثیر (م ۷۷۴) اس بات کے قائل ہیں کہ: کوئی بھی مسند کثرت حدیث اور حسن سیاق میں مسند احمد کے ہم پایہ نہیں ہے۔۸

۶۔ خصائص المسند ص ۲۱

۷۔ مسند نویسی ص ۳۲۰۔

ابن جزری (م ۸۳۳) کہتے ہیں: روئے زمیں پر مسند احمد سے بڑھ کر حدیث کی کوئی کتاب نہیں ہے۔۹
تاج الدین سبکی اس بات کے قائل ہیں کہ: مسند احمد بن حنبل اس امت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔۱۰

۸۔ مسند نویسی ص ۳۲۰
۹۔ مسند نویسی ص ۳۲۰
۱۰۔ مسند نویسی ص ۳۲۰

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«پینسواں سبق»

مسند احمد کی تنقید

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

مسند احمد کی تنقید

احمد بن حنبل نے مسند سے دفاع کی ہے اور اس بارے میں کہتے ہیں: "میں نے اس کتاب کو مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے تحریر کیا ہے اگر لوگوں نے پیغمبر ﷺ کی سنت میں اختلاف کیا تو اس کتاب سے مراجعہ کیا جائے اور اگر اس میں موجود نہ ہو تو اسے باطل سمجھ لو۔"[1] لیکن اس کتاب پہ جو تنقید ہوئی ہے وہ یہ ہے:

۱۔ یہ کتاب مصنف کی زندگی میں ان کی نگرانی میں تدوین نہیں ہوئی ہے۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ کے اور شاگرد ابوبکر قطیعی کے زوائد اس بات کی دلیل ہے اور اس سے کتاب کی اتقان و صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے بالخصوص کہ یہ کہا گیا ہے قطیعی کے زوائد میں جعلی روایات شامل ہے۔[2]

۲۔ احمد بن حنبل خود واضح الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ میں نے حلال و حرام روایات کے علاوہ روایات فضائل میں تسامح سے کام لیا ہے اور صحت سند میں سخت نہیں لیا ہے[3] یہی کام جعلی روایات کے داخلے کا باعث بنا ہے۔

۳۔ مسند لکھنے والوں کے طریقہ کار کے برخلاف احمد بن حنبل کا ارادہ صحیح و ضعیف روایات کے مجموعے کو فراہم کرنا تھا تاکہ روائی میراث محفوظ رہ سکے اور صحیح و ضعیف روایات کا فیصلہ قارئین پہ چھوڑ دیا ہے اس بات کی دلیل یہ ہے کہ: جب انہیں اپنے صاحبزادے عبداللہ کی اعتراض کا سامنا پڑا کہ کیوں ضعیف روایات کو مسند میں بیان کیا ہے تو انہوں نے یہ جواب دیا:

"میرا مقصد مسند میں مشہور روایات کو جمع کرنا تھا لہٰذا اگر ان روایات کو جمع کرتا جنکی صحت پہ یقین تھا تو روایات کی تعداد بہت کم ہوتی اور تو اے میرے بیٹے! تم تو حدیث میں میرا طریقہ کار سے واقف ہو جہاں کسی روایت کے برخلاف کوئی اور روایت نہ ہو تو میں ضعف سند کی خاطر اس سے اختلاف نہیں کرتا۔"[4]

۱۔ خصائص المسند ص ۳۲۔

۲ ۔ مسند نویسی ص ۳۳۵، ۳۳۴/ مسند کی احادیث ۶ طریقوں سے فراہم ہوا ہے ان میں سے بعض طرق عبداللہ احمد بن حنبل کے صاحبزادے نے دوسروں سے سنا تھا، یا ابوبکر قطیعی نے اپنے استاد کے طرق کے علاوہ نقل کیا ہے اور یہ روایات مسند میں جمع ہو چکی ہیں۔

۳ ۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۳۴

۴ ۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۴۵۔

۴۔ مسند کی روایات کا مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی مقدار میں جعلی روایات اس کتاب میں بیان ہوئی ہیں۔ عسقلان، روایت بریدہ، حدیث برث وغیرہ جعلی روایات کے بعض نمونے ہیں۔

بہت ساری روایات جو دیگر کتب حدیث اور صحاح ستّہ میں بیان ہوئے ہیں اس کتاب میں بیان نہیں ہوئے یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ کتاب کی بنیاد صحیح روایات کو جمع کرنا نہیں تھا یا کم از کم تمام روایات قوی نہیں ہیں، کہا جاتا ہے کہ: دو سو کے قریب روایات جنہیں اصحاب نے نقل کیا ہے اس کتاب میں نقل نہیں ہوا ہے۔۵ مسند احمد بن حنبل کا نہ صرف محتوا پہ بلکہ بناوٹ اور ترتیب پہ بھی اعتراض ہوا ہے، ایک روایت کا کئی جگہوں پہ تکرار، ایک صحابی کے مسند کا دوسرے صحابی کے مسند کے ساتھ خلط ،ایک صحابی کے روایات کا چند متفرق جگہوں پہ تکرار، روایات کے اسناد میں خلط ملط، وغیرہ اس کتاب کی ضعف ساختار ہیں۔۶

اسی لیے بہت سارے اہل سنت علماء نے مسند احمد بن حنبل کی روایات کے اعتبار میں شک کیا ہے من جملہ ابن تیمیہ، ابوالفرج ابن جوزی، ابن کثیر، عراقی۷ ابن تیمیہ لکھتا ہے:

احمد بن حنبل نے بہت سے روایات جن کے ضعیف ہونے بلکہ جعلی ہونے پر علماء اتفاق رائے رکھتے ہے کو بیان کیا ہے اگرچہ آپ حافظ، ثقہ، کثیر الحدیث تھے لیکن محدثان کی پرانی عادت کے مطابق روایات سے آگاہ ہونے کے لیے ان روایات کو ذکر کیا ہے۔

بعض محققین نے واضح الفاظ میں بیان کیا ہے:

حقیقت تو یہ ہے مسند میں ضعیف روایات کی فراوانی ہے ان میں سے بعض اس طرح ہے کہ ان کا جعلی روایات میں شمار ہوتا ہے۔۸

ابو شامہ نے ابو خطاب سے یوں نقل کیا ہے: احمد کے پیروکار ان احادیث پہ عمل کرتے ہیں جنہیں انہوں نے مسند میں بیان کیا ہے حالانکہ ان میں سے اکثر روایات سے استناد درست نہیں ہے۹ ذہبی کہتے ہیں: مسند احمد میں جعلی احادیث کافی مقدار میں ہیں جنہیں نہ نقل اور ہی ان سے استناد کر سکتے ہیں۔۱۰

---

۵ ۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۳۴

۶ ۔ نقل از مسند نویسی ص ۳۳۹

۷ ۔ تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۷۱؛ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۴۲/۳۴۶

۸ ۔ تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۷۱؛ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۴۲/۳۴۶

ابن حنبل کا یہ دعوی "مسند کی تمام روایات کو حجت ہیں" کا جواب دیا گیا ہے: اگر اس دعوی کو صحیح سمجھ بھی لیں تو یہ خود احمد بن حنبل کے لیے حجت ہے نہ کہ ہمارے لیے کیونکہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ مسند میں جعلی روایات موجود ہیں۔۱۱

محمود ابوریّہ نے ماہرین کا مسند کے بارے میں نظریات کو بیان کرنے کے بعد اس طرح لکھتا ہے:

یہ سب مشہور علما اور ماہرین کے نظریات تھے جن کا یہاں مسند احمد کے بارے میں ذکر کرنا مناسب سمجھا اور اتنا ہی مسند کی اعتبار و عظمت کے لیے کافی ہے اور اس سے وہ چیز دیکھائی دیتی ہے جو مشہور کے برخلاف ہے اور یہ کہ اس کتاب پہ اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا نیز یہ دیگر مسانید کی طرح ہے۔۱۲

ان تمام اعتراضات کے باوجود بعض محدثان اس بات کے قائل ہیں کہ مسند احمد میں تین چار مورد کے علاوہ کوئی جعلی روایت نہیں ہے۔ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: مسند احمد میں بے بنیاد احادیث نہیں ہیں مگر تین یا چار مورد ان احادیث کی طرح: "عبد الرحمان عوف رینگتا ہوا جنت میں جائے گا" ۱۳ جلال الدین سیوطی نیز مسند کے تمام احادیث کو قابل استناد جانتے ہیں اور اس میں موجود ضعیف احادیث حسن احادیث کے برابر ہیں۔۱۴

---

۹ ۔ مسند نویسی ص ۳۸۷

۱۰ ۔ مسند نویسی ص ۳۸۷

۱۱ ۔ اضوا علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۴۷۔

۱۲ ۔ اضوا علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۴۷۔

۱۳ ۔ مسند نویسی ص ۳۸۰

۱۴ ۔ مسند نویسی ص ۳۸۰

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چھتیسواں سبق»

صحیح بخاری کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

صحیح بخاری کا تعارف

صحیح محمد بن اسماعیل بخاری (م۲۵۶)

صحیح بخاری صحاح ستّہ کی اہم اور سب سے معتبر اور پہلی جامع حدیث میں شمار ہوتا ہے جس طرح شیعہ؛ کتب اربعہ میں کافی کو سب سے اہم اور معتبر سمجھتا ہے۔ اسی لیے صحیح بخاری کی صحیح شناخت ہمیں اہل سنت جوامع حدیث کے بارے میں اہم نقطہ نظر سے آگاہ کرائے گا۔ اس سبق میں بخاری کے حالات زندگی کا مختصر جائزہ لیا جائے گا۔

محمد بن اسماعیل بخاری کی سوانح حیات

بخاری ۱۹۴ ہجری قمری کو بخارا میں ایران کے اہم شہر یعنی قدیم خراسان جو آج تاجکستان کا حصہ ہے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن ابراہیم مغیرۃ بن بوذریہ، بوذریہ؛ امام بخاری کا دادا فارسی اور مجوسی تھا لیکن ان کا بیٹا مغیرہ بخارا کے حاکم یمان جعفی کے ہاتھوں مسلمان ہوگیا لہذا بخاری کو جعفی بھی کہا جاتا ہے ا بخاری کے والد اسماعیل عالم تھے جنھوں نے حماد بن زید اور امام مالک سے سماع حدیث کیا اور عراقی راویان نے ان سے روایت نقل کی ہیں بخاری نے تاریخ کبیر میں انہیں ایک راوی شمار کیا ہے۔ ۲

عباسی خلفاء کی حکومت جب عروج پہ تھی اور ۱۸۳ میں ہارون الرشید نے اپنی موت سے عباسی حکومت کو اقتدار بخشی اور بغداد کو اپنا دارالحکومۃ اعلان کیا اس وقت بخاری پیدا ہوئے۔

انہوں نے تعلیم کا کچھ حصہ اپنے وطن میں حاصل کیا اس کے بعد چونکہ ان کے والد بہت مال و دولت چھوڑ گئے تھے انہوں نے اپنے معلومات میں اضافہ کرنے اور مشایخ حدیث سے حدیث سننے کے لیے مختلف شہروں کی طرف سفر کا آغاز کیا ۳

ذہبی اس بارے میں کہتے ہیں: بخاری نے بزرگوں اور محدثین سے حدیث استماع کرنے کے بعد ۲۱۰ ہجری کو گھر والوں کے ہمراہ خانہ خدا کی زیارت کے لیے مکہ گئے لیکن آپ کے گھر والے واپس آئے آپ واپس نہیں پلٹے۔ ۴

ا۔ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶، اعلام المساعین ص ۲۲،۲۱

۲۔ اعلام المساعین ص ۲۲۔

۳۔ تاریخ مدینہ دمشق ج ۵۲ ص ۵۰؛ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۹۲

۴۔ اعلام المساعین ص ۳۷

بخاری خود اس بارے میں کہتے ہیں: دو بار شام و مصر وجزیرہ گیا اور چار بار بصرہ گیا چھے سال حجاز میں رہا اور چند بار محدثین سے ملنے کوفہ و بغداد گیا ہوں۔۵

نیز یہ کہا گیا ہے کہ: آپ حدیث سننے کے لیے خراسان، بلخ، نیشابور، ری، مدینہ، واسط، دمشق، عسقلان، حمص و۔۔۔۔ سفر کیں اور احادیث کا کچھ حصہ ان شہروں میں لکھے ہیں۔۶

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بخاری کا کسب حدیث میں فرواں شوق و اشتیاق اور ذہین و قوی حافظے کی وجہ سے ایک گروہ ان کے گرد حدیث سننے کے لیے اکھٹا ہوئیں حالانکہ آپ اس وقت بہت جوان تھے۷ اسی دوراں حدیث کی تشخیص کا فیصلہ کرانے انکے پاس جایا کرتے تھے۔۸ خود بخاری سے نقل ہوا ہے: ایک لاکھ صحیح حدیث اور دولاکھ غیر صحیح حدیث کا حافظ ہوں۔۹

ان کا دعوی ہے کہ دس سال کی عمر میں حدیث ان پر الہام ہوئے ہیں۔۱۰

بخاری سے نقل ہوا ہے کہ خود کو کسی سے کم نہیں سمجھتے تھے صرف علی بن مدینی کے علاوہ۔۱۱

اور کہا جاتا ہے: سمرقند میں چارسو اساتذہ نے بخاری کا امتحان لینے کی خاطر روایات کی اسناد میں جابجائی یا اسناد کو حذف، سند و متن میں خلط ملط کیا اس کے باوجود انہوں نے روایات کی صحیح تشخیص کی۔۱۲

عمرو بن علی فلاس کہتے ہیں: "ہر وہ حدیث جسے بخاری نہ پہچان لیں وہ حدیث نہیں ہے" احمد بن حنبل اس بات کے قائل تھے "محمد بن اسماعیل بخاری جیسا کوئی نہیں ہے، جو خراسان میں ابھر کر سامنے آئے ہیں"۔ مکہ کے علما کہتے تھے: "محمد بن اسماعیل بخاری ہمارا امام و فقیہ اور خراساں کے فقیہ ہیں۔"

محمد بن ابی حاتم نقل از محمود بن نصر ابو سہل شافعی کہتے ہیں: بصرہ، شام، حجاز و کوفہ کے عالموں کے درمیاں جب بھی بخاری کا نام آتا تھا تو ان کو دوسروں پہ ترجیح دیتے تھے۔۱۳

۵۔ اعلام المساعین ص ۳۷

۶۔ اعلام المساعین ص ۳۷

۷۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۰۸، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ج ۱۱ ص ۴۵۶۔

۸۔ اعلام المساعین ص ۲۸۔

۹۔ اعلام المساعین ص ۴۷۔

۱۰۔ اعلام المساعین ص ۲۴۔

۱۱۔ تہذیب الکمال ج ۲۴ ص ۴۵۱

۱۲۔ اعلام المساعین ص ۴۹

ابو عیسی ترمذی، سنن کے مصنف اس بارے میں کہتے ہیں: علل حدیث، تاریخ (رجال)، اسانید کی شناخت میں تمام عراق اور خراساں میں کسی کو ان سے زیادہ عالم ودانا نہیں دیکھا ہے۔ ۱۴

بخاری کے شیوخ میں بڑے عالموں کا سامنا ہوتا ہے من جملہ: "اسحاق بن راہویہ، ابوزرعہ رازی، یحیٰی بن معین، علی بن عبداللہ مدینی، محمد بن یوسف فریانی، ابو مصعب زہری، احمد بن حنبل، بقول بخاری کے ۱۲۰۰ لوگوں سے حدیث سنا ہے اور وہ شیوخ جن سے " صحیح "میں روایات نقل کی ہیں کی تعداد ۲۸۹ افراد ہیں ۱۵۔

ان کے شاگردوں میں بھی بعض مشہور علما کا تذکرہ ملتا ہے من جملہ: مسلم بن حجاج قشیری، ابو عیسی ترمذی، ابو حاتم رازی، ابو زرعہ رازی، محمد بن یوسف فربری، ابو بکر ابن خزیمہ ان کے شاگرد ہیں۔

مذہب کے لحاظ سے شافعی مذہب ہیں جیسا کہ سبکی نے طبقات الشافعیہ اور صدیق حسن خان نے ابجد العلوم میں انہیں شافعی شمار کیا ہے کلامی لحاظ سے جبر و خلق قرآن کے قائل اور عقائید میں اشعری مسلک تھے جبر و رؤیت خدا اور اور صفات تجسیمی جو بعد میں مذہب اشاعرہ میں رائج ہوا اس قسم کی روایات کا صحیح بخاری میں بیان ہو نا تھا۔اور خلق قرآن کا عقیدہ ان کے اور اصحاب کے درمیان علیٰحدگی کا سبب بنا نیشابور کے محدثان کی بخاری سے دفاع کے باوجود ان سے بے زاری کا اظہار کیا اور ان پہ بدعت کا الزام لگادیا۔ ۱۶

بخاری کے صحیح کے علاوہ دیگر تصنیفات بھی ہیں:

۱۔ الادب المفرد در اخلاق آداب

۲۔۴۔ التاریخ الکبیر، التاریخ الاوسط، التاریخ الصغیر، بخاری کے بقول یہ کتاب مدینہ میں پیغمبر ﷺ کے روضہ مبارک میں چاندنی راتوں میں لکھا گیا ہے۔ یہ ایک رجالی کتاب ہے۔ ۱۷

۵۔ خلق افعال العباد والرّدّ علی الجھمیّۃ

۶۔ قرّۃ العنین فی رفع الیدین فی الصلوٰۃ

۱۳۔ منہج الامام بخاری ص ۷۴۔

۱۴۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ج ۱۱ ص ۵۸۴۔

۱۵۔ اعلام المساعین ص ۴۲۔

۱۶۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ج ۱۱ ص ۵۷۴۔

۱۷۔ اعلام المساعین ص ۳۸

۷۔کتاب الضعفاء الصغیر ۱۸

بخاری کی عبادت اور تعظیم کے بارے میں بھی سوانح حیات نگاروں کے کتب میں بہت مطالب بیان ہوئے ہیں من جملہ یہ کہ انہوں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی،۱۹انہیں خواب میں دیکھاکہ آپ پیغمبرﷺ کے قدم بہ قدم چل رہے تھے۲۰۔اپ قرآن کی کثرت سے تلاوت کرتے بالخصوص ماہ رمضان میں ہر روز ایک قرآن ختم کرتے تھے یا نماز تراویح کے بعد تین شب بعد ایک قرآن ختم کرتے تھے ۲۱ یا جسم کے سترہ جگہوں کو بیٹ نے کاٹاآپ نے اس پہ بناتوجہ کئے نماز جاری رکھا۲۲

بخاری مختلف شہروں میں سفر کرنے اور انہی سفروں میں " صحیح " کی تدوین کرنے کے بعد ۲۵۶ ہجری کو اپنے جائے پیدائش واپس لوٹے۔

ذہبی احمد بن منصور شیرازی سے نقل کرتے ہیں:

جب بخاری وطن واپس لوٹے تو شہر سے ایک میل فاصلے پہ خیمہ لگایا گیااور تمام اہل شہر ان کی استقبال کو گئےاور سونے چاندی سے ان کا استقبال کیا گیا۲۳

آخر کار بخاری ۲۵۶ہجری ۶۲سال کی عمر میں خرتنگ نامی گاؤں میں انتقال کر گیا۔ ۲۴

---

۱۸ ۔۔دائرۃالمعارف بزرگ اسلامی ج۱۱ص۴۵۷۔

۱۹ ۔تہذیب الکمال ج۲۴ص ۴۴۴

۲۰ ۔ تاریخ بغداد ج۲ص۱۰، تہذیب الکمال ج۲۴ص ۴۴۴۔

۲۱ ۔ سیر اعلام النبلاء ج۱۲ص ۴۳۸۔

۲۲ ۔۔سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ص ۴۶۲

۲۳ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ص ۴۶۲

۲۴ ۔تاریخ مدینہ دمشق ج ۵۲ص ۵۶،

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«سینتیسواں سبق»

صحیح بخاری کی تحریر کا محرک

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

صحیح بخاری کی تحریر کا محرک

بخاری کا مختلف شہروں کا سفر اور بزرگ اور محدثان سے ملاقات نیز احادیث کے حفظ اور جمع کرنے کا شوق کی وجہ سے علم حدیث کے مختلف علوم سیکھے، بخاری کی انفرادی خصوصیات نیز علماء کا حدیث سیکھنے کی خاطر ان کے پاس آنے سے علم حدیث میں انہیں مرجعیت ملی، نیز حدیث کی شدید ضرورت کے باوجود روایات کے جمع اور تدوین پہ کوئی خاص کام نہیں ہوا تھا، بخاری کے زمانے تک زیادہ تر محدثان نے مسند پہ کام کیا تھا اور مسند میں مصنف کا مقصد ایک صحابی کے تمام روایات کو جمع کرنا ہے لہٰذا روایات کے اسناد پہ توجہ نہیں دیا جاتا ہے اس لیے بخاری سے پہلے مختلف مسانید لکھے جانے کے باوجود یہ کتب اہل سنت کے قریب قابل اعتماد نہیں ٹھہرے لہٰذا صحیح کی تدوین کے لیے مناسب ماحول فراہم تھا۔ اسحاق بن راہویہ کا جامع صحیح کی تدوین کی طرف دعوت نے نے بخاری کے محرک کو مزید ہوا دی اور بخاری صحیح لکھنے میں مصروف ہوگئے آپ خود اس بارے میں کہتے ہیں:

ایک دن اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا (انہوں نے یا بعض حاضرین) نے کہا: کیا ہوتا اگر پیغمبر ﷺ کے سنن کے بارے میں ایک مختصر کتاب لکھی جاتی"، یہ بات میرے دل کو جا لگی اور صحیح کے لیے روایات جمع کرنا شروع کیا۔

مذکورہ کلام کے مطابق اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ق) کا مجلس درس، صحیح بخاری کی تالیف کا محرک بنا اور اس بات پہ توجہ کرتے ہوئے کہ ۱۶ سال اس کتاب کی تدوین میں وقت لگایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے یہ کتاب ۲۲۴ سے ۲۴۰ ہجری میں تحریر ہوئی ہے بالخصوص یہ کہا جاتا ہے کہ بخاری کے شاگرد (فربری) نے ۲۴۸ ہجری کو پہلی بار اس کتاب کی روایات کو اس کے مصنف سے سنا ہے۔۱

کتاب کی تالیف اور روایات کو جمع کرنے کا مقصد کے بارے میں کتب میں مختلف حکایات بیان ہوئی ہیں جن کا مقصد کتاب کو خاص قسم کی حرمت و عظمت بخشی ہے۔ مثال کے طور پہ یہ کہا جاتا ہے: میں نے پیغمبر ﷺ کو خواب میں دیکھا میرے ہاتھ میں پنکھا تھا جس سے آپ کو ہوا دے رہا تھا۔ میں نے خواب کی تعبیر کرنے والوں سے پوچھا تو بتایا: آپ حضور ﷺ سے جھوٹ کو دور کروگے۔ اسی خواب نے مجھے صحیح کی تدوین پہ مجبور کیا۔۲

۱۔ دائرہ المعارف بزرگ اسلامی ج۱۱ص۴۵۷

۲۔ فتح الباری ج۱ص۹ (مقدمہ)

فربری نے بخاری سے اس طرح نقل کیا ہے: "میں نے صحیح میں روایات کو بیان کرنے سے پہلے غسل کرتا تھا اور دو رکعت نماز پڑھتا تھا۔ ۳ یا کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو مسجد الحرام یا مدینہ میں پیغمبر ﷺ کی قبر و منبر کے درمیان بیٹھ کر تحریر کیا ہے۔

بہر حال اس تناقض کو حل کرنے کے لیے کہ کس طرح وہ ۱۶ سال مکہ یا مدینہ میں رہے حالانکہ سب کہتے ہیں انہوں نے اس کتاب کو بخارا اور دیگر شہروں میں تحریر کیا ہے اور مسلسل روایات اضافہ یا کم کرتا رہا ہے کہا جاتا ہے انہوں نے کتاب کا آخری مرحلہ مکہ یا قبر پیغمبر ﷺ کے قریب انجام دیا ہے۔ ۴

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ :کتاب کا نام " الجامع الصحیح " رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ : (۱) : یہ کتاب روایات کے ایک خاص گروہ سے مخصوص نہیں ہے اور احکام، فضائل، تاریخ،آداب وغیرہ سب اس میں بیان ہوئے ہیں۔ (۲) کتاب کی روایات مصنف کی رائے کے مطابق صحیح ہیں۔ اگرچہ کچھ روایات دوسروں کی نگاہ میں ضعیف ہیں۔ ۵

بخاری کی کتاب کو ان کے بعض شاگردوں نے ان سے سنا اور نقل کیا ہے۔ فربری اس بارے میں کہتا ہے: " ستر لوگوں نے بخاری کی کتاب کو ان سے سنا ہے" ۶ ظاہری بات ہے کہ یہ کلام مبالغہ اور غلو ہے۔

محمد بن طاہر مقدسی کہتے ہیں: صحیح بخاری کو ایک گروہ نے روایت کی ہے من جملہ: فربری، حمّاد بن شاکر، ابراہیم بن معقل، طاہر بن محمد بن مخلد۔ ۷

ابو نصر بن ماکولا لکھتے ہیں: آخری فرد جس نے صحیح کو بخاری سے نقل کیا ہے وہ ابو طلحہ منصور بن محمد علی بزدی ہے وہ ثقہ ہیں اور ۳۲۹ ہجری کو انتقال کر گئے۔ ۸

---

۳ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۹

۴ ۔ اعلام المساعین ص ۸۶، ۸۵۔

۵ ۔ اعلام المساعین ص ۸۴، ۸۳ نقل از شیخ طاہر جزائری

۶ ۔ اعلام المساعین ص ۴۲۔ ۴۳

۷ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۹۸

۸ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۳۹۸۔

صحیح بخاری کی حیثیت اہل سنت علما کی نگاہ میں

اہل سنت علما اور محدثان نے بخاری کی حیثیت کے لیے خود بخاری کی اس گفتار پہ عمل کیا ہے: میں نے اس کتاب کو ۱۶ سال میں ساٹھ ہزار روایات میں سے چنا ہے اور صرف ان روایات کو جو میرے اور خدا کے درمیان حجت ہیں کو بیان کیا ہے۔۹

ذہبی اپنے سند سے ابراہیم بن معقل سے بخاری سے نقل کیا ہے: میں نے اس کتاب میں صرف صحیح روایات کو نقل کیا ہے اور دیگر صحیح روایات کو کتاب کے طویل ہونے کے خوف سے نقل نہیں ہے۔۱۰

بخاری کا روایات کو منتخب کرنے میں وسوسہ، استخارہ کرنا، نماز پڑھنا، اور کتاب کا نام الجامع الصحیح رکھنا سب اہل سنت علما کے لیے قرائن اور نشانی ہے جو کتاب کی درستگی پر مصنف کی جانب سے پیش کیا جا سکتا ہے۔

دوسری طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ: بخاری نے کتاب کو تدوین کے بعد حدیث کے علما احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی مدینی، اور دیگر علما کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے چار روایت کے علاوہ باقی روایات کی درستگی کی گواہی دی ہیں۔

یہ تمام چیزیں نیز بخاری کی علمی و معنوی صلاحیت باعث بنا کہ اہل سنت علما بالاتفاق کہنے لگے: قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح اور بہترین کتاب صحیح بخاری ہے۔

قسطلانی کہتے ہیں:

صحیح بخاری حدیث کے بارے میں لکھی گئی سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے جو ہر عصر میں علما کی جانب سے مورد قبول ہے اور فنون واقسام میں سب سے زیادہ بہتر ہے۔

ذہبی کہتے ہیں:

صحیح بخاری سب سے زیادہ بہتر اور قرآن کے بعد سب سے زیادہ برتر کتاب ہے۔۱۱

شافعی کا کہنا ہے: صحیح بخاری سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے۔۱۲

ابن تیمیّہ کہتا ہے:

۹۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۰۲۔

۱۰۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۰۲، فتح الباری ج ۱ ص ۹ (مقدمہ)

۱۱۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۴۰۷

۱۲۔ معرفہ انواع علم الحدیث ص ۲۰

آسمان کے نیچے صحیح بخاری سے زیادہ صحیح کوئی اور کتاب نہیں ہے۔ ۱۳

اہل سنت علما ہمصدا ہو کر کہتے ہیں: قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری ہے اور امت نے ان دو کتابوں کو قبول کیا ہے بخاری صحیح مسلم کی بنسبت زیادہ صحیح اور زیادہ مفید ہے۔ ۱۴

صحیح بخاری کی درستگی کا عقیدہ اسقدر پختہ ہے کہ آج تک اہل سنت علما میں کسی نے اس کی ایک روایت کو بھی جعلی نہیں سمجھا ہے اور جنہوں نے اس کتاب میں ضعف سند یا متن کو قبول کیا ہے ان کی تعداد ۱۱۰ ہیں اور اگر رشید رضا یا ابوریّہ نے ہمّت کرکے بخاری کے بعض حصوں پہ تنقید کی ہے تو اہل سنت علما کے غصے کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

صحیح بخاری پہ توجہ کے عوامل

مندرجہ ذیل عوامل صحیح بخاری پہ توجہ اور اس کے معتبر جاننے کی اصل وجہ ہے:

۱۔ مصنف کی شخصیت: بخاری نے تمام زندگی میں حدیث کے علاوہ کوئی اور کام نہیں کیا ہے اور اہل سنت علما کی نگاہ میں اس قسم کی تحریر کے لیے مناسب شخص تھا انہوں نے بہترین مشائخ سے استفادہ کیا اور حدیث سننے کے لیے مختلف جگہوں پہ سفر کئے ان سب کے ساتھ مضبوط حافظہ رکھتے تھے (جو اس دور میں احادیث حفظ کرنے کے لیے بہت موثر تھا) دو لاکھ احادیث کا حافظ ہونا اس بات کی بہترین دلیل ہے۔

۲۔ کتاب کی قدمت: بخاری سے پہلے دو نمایاں کام احادیث کی تدوین کے سلسلے میں انجام پائے وہ موطّا مالک اور مسند احمد بن حنبل تھے۔ موطّا مالک جامع نہ ہونے اور اجتہادی رنگ میں رنگنے کی وجہ سے اور مسند احمد ضعیف و جعلی روایات کو نقل کرنے کی وجہ سے بخاری جیسی حیثیت حاصل نہ کر سکا۔ اسی لیے بخاری اہل سنت علما کی نگاہ میں سب سے زیادہ جامع اور متقن کتاب ہے جو سب سے پہلے یعنی تیسری صدی کے اوائل میں تدوین ہوئی ہے۔

۳۔ نگارش میں دقت اور احتیاط:

مصنف کی شخصیت اور کتاب کی قدمت کے علاوہ روایت کو چننے میں بخاری کی حد سے زیادہ احتیاط نے ان کی کتاب کو یہ احترام بخشا ہے

---

۱۳ ۔ اعلام المساعین ص ۸۷

۱۴ ۔ المنہاج علی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۴

جب وہ خود واضح الفاظ میں بتا رہے ہیں کہ ۶۰ ہزار روایات میں سے ۷ ہزار روایات کو منتخب کیا ہے بے شک اسقدر زیادہ روایات میں سے اس مقدار روایت کا انتخاب کرنے کے لیے زیادہ کوشش اور دقت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے علاوہ غسل و استخارہ و نماز اس بات کی دلیل ہے کہ بخاری علمی توجہ اور دقت کے علاوہ معنویات پر بھی توجہ رکھتے تھے اور یہ فطری طور پہ کتاب کو خاص حیثیت بخشتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کتاب کی تدوین کے بعد اس کتاب کو نشر کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیا بلکہ اس زمانے کے بڑے اساتذہ کے سامنے پیش کیا جیسا کہ ابن حنبل وغیرہ۔۔۔ تاکہ اس کتاب کی درستگی سے مطمئن ہو جائے۔ کتاب کی تدوین میں ۱۶سال کا عرصہ بھی اسی احتیاط کی دلیل ہے۔

۴۔ صحیح مواد و محتوا: وہ لوگ جو بخاری کو قرآن کے برابر یا قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب جانتے ہیں اس کتاب کی روایات کا ملاحظہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کی صحیح روایات وہی ہیں جن کے وہ طالب تھے ! اور نہ ہی احمد بن حنبل کے مسند کی طرح فضائل اہل بیتؑ اس میں ہے نہ ہی جار اللہ زمخشری کی طرح مذہب معتزلہ کی طرف مائل ہے۔ جب بخاری غسل و استخارہ و نماز کے بعد اسلامی تاریخ اور خلفاء کی تاریخ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے نیز خلفا کے طرفداروں کے پیشانی پہ بل نہ آئے تو ان کی کتاب پہلی کتاب کیوں نہیں ہوگی !

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«اڑتیسواں سبق»

صحیح بخاری پہ تنقید

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

صحیح بخاری پہ تنقید

اہل سنت عالموں کے صحیح بخاری سے سخت دفاع کے باوجود اس کتاب پہ بہت تنقید کی گئی ہے ان کو چند قسم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ ضعف ساخت

۲۔ ضعف سند

۳۔ ضعف محتوا

یہاں مختصرا بخاری پہ کیے گئے تنقید پر گفتگو کریں گے:

۱۔ صحیح بخاری کی ضعف ساختاری

صحیح بخاری کا ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب تین مختلف پہلو سے ساختی کمزوری کا شکار ہے:

۱-۱۔ مناسب نظم وترتیب کا فقدان

کتاب کافی کے تعارف میں بتایا گیا تھا کہ کافی میں مناسب ترتیب اور نظم دیکھائی دیتا ہے اور بتایا گیا تھا جناب کلینی نے کافی سے پہلے کتب حدیث کے فقدان کے باوجود اپنی کتاب کو صحیح نظم دی ہے اور کتاب کی پہلی دو جلدوں میں اخلاق و عقائید پھر فروعات میں داخل ہوئے ہیں، پہلی جلد میں خداشناسی کے مباحث کو بیان کرنے سے پہلے عقل و جہل و فضیلت علم بیان کیا ہے، فروع میں بھی مناسب ترتیب کی رعایت کرتے ہوئے نماز سے شروع کی ہیں اور دیات پہ ختم کی ہیں۔ اس کے مقابل صحیح بخاری میں کسی قسم کی خاص نظم وترتیب نہیں ہے۔

۲-۱۔ ذکر اسناد میں عدم یکجہتی

محیی الدین نووی صحیح بخاری پہ تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بخاری کا مقصد صرف روایات کو بیان کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد مورد نظر باب میں روایات سے استنباط اور استدلال کرنا تھا اسی لیے بہت سارے ابواب میں احادیث کے اسناد کو مکمل ذکر نہیں کیا ہے اور صرف یہ کہا گیا ہے کہ فلانی نے پیغمبرﷺ سے اسطرح نقل کیا ہے اور کبھی روایات کے متن کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔۔۔ا

نووی کے گفتار کی درستگی یا نادرستگی کو چھوڑ کے جو چیز پیش نظر ہے وہ یہ کہ روایات کے مکمل اسناد کے ذکر میں نظم و ترتیب نہیں ہے۔

۳-ا۔ نقل بہ معنی سے وسیع استفادہ

دینی رہنماؤں کی جانب سے نقل بہ معنی کے تمام شرائط و ضوابط کا رعایت کرتے ہوئے نقل بہ معنی کرنا جائز ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جن روایات میں نص معصوم موجود ہے ان پر نقل بہ معنا برتری رکھتی ہے! کیونکہ نقل بہ معنا میں لفظی قرائن ختم ہو جاتے ہیں یا راوی کی غلط فہم کی وجہ سے روایت غلط نقل ہو جاتی ہے اسی لیے نقل بہ معنا ایک کمزوری محسوب ہوتی ہے۔۲ جو کچھ صحیح بخاری کے بارے میں کہا گیا ہے اس دعوی کو ثابت کرتا ہے کہ بخاری روایات کو مکتوب کتب سے استناد کیے بنا اپنے حافظے پہ اعتماد کرتے ہوئے نقل کرتے اور نقل بہ معنی سے استفادہ کرتے تھے۔

خطیب بغدادی نے بخاری سے نقل کیا ہے:

بصرہ میں جو روایت سنتا تھا سے شام میں لکھتا تھا شام میں جو روایت سنتا تھا اسے بصرہ میں لکھتا تھا! ان سے کہا گیا: کیا روایت کو مکمل طور پہ لکھتے ہو؟ انہوں نے جواب میں خاموشی اختیار کی۔۔۔۳

اس قسم کی گفتار بخارا کے حاکم سے بھی نقل ہوئی ہے۔ محمد ازہر سجستانی کہتے ہیں: میں سلیمان بن حرب کے محفل درس میں حاضر تھا بخاری ہمارے ہمراہ تھے صرف سنتا تھا اور لکھتا نہیں تھا بعض حاضران مجلس نے پوچھا: بخاری کیوں نہیں لکھتا ہے؟ جواب دیا: جب بخارا واپس جائے گا تو اپنے حافظے سے لکھے گا۔۴

ا۔اعلام المساعین ص۱۰۵

۲۔رک: تدوین السنۃ الشریفہ ص۵۱۶،۵۰۸

۳۔اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص۳۱۵

۴۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص۳۱۵

بخاری کی خاموشی اور روایات کے نامکمل عکاسی کا ضمنی اعتراف کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مضبوط حافظہ رکھنے کے باوجود روایات کے تمام الفاظ کو نقل کرنے سے ناتوان تھے اور روایات کے بعض حصوں کو نقل بہ معنا کرتے تھے۔ اور یہ اسلوب کام کی پختگی کو نقصان پہنچاتا ہے نیز بخاری کے ساتھیوں کے لیے بھی حیرت کی بات تھی۔

۲۔ ضعف سند

ظاہری بات ہے اہل سنت؛ علم رجال کے اصول و معیارات ، شیعہ علم رجال کے اصول و معیارات سے کافی مختلف ہے مثال کے طور پر اہل سنت علما رجال کی نگاہ میں راوی کا شیعہ ہونا بلکہ شیعہ مذہب کی طرف مائل ہونا ایک قسم کی مذمت اور عیب شمار ہوتا ہے اور اس شخص کی روایات نا قابل استناد ہے حالانکہ شیعہ متاخر علما رجال کی نگاہ میں راوی کا شیعہ ہونا صحت حدیث کی شرط ہے، اگرچہ شیعہ علما رجال اہل سنت کی روایات کو اس صورت میں جب وہ ثقہ ہوں تو حدیث حسن و صحیح کے بعد موثق کے طور پہ قبول کیا جاتا ہے اسی لیے کہ ائمہؑ کے اصحاب: زرارۃ، محمد بن مسلم، ہشام بن حکم، یونس بن عبد الرحمان، ابو الصلت ہروی وغیرہ کی اہل سنت منابع رجال میں ذم کیا گیا ہے۔

فریقین کے علما رجال عدالت کو راوی میں شرط جانتے ہیں لیکن عدالت کے مفہوم کو معیّن کرنے میں ان کے درمیان اختلاف ہے اسی لیے مبانی اور معیارات سے علم حاصل کیے بغیر فریقین کے راویوں کی ذم یا انہیں مجروح نہیں سمجھا جاتا مگر یہ کہ وہ راوی اپنے مذہب کے اصول و مبانی کے مطابق ذم کیا گیا ہو۔

اس کے باوجود کچھ راوی فسق کے مرتکب ہونے یا بڑے بڑے جرائم کے انجام دینے کی وجہ سے یا بنی عباس و بنی امیّہ کے دربار سے نزدیک ہونے یا اہل بیتؑ سے دشمنی کی وجہ سے جرح و تعدیل کے معیارات سے پرے ہٹ کر ہیں اور شیعہ و سنّی علما رجال کی نگاہ سے نفرت کے قابل ہیں اور ان کی روایات بھی استناد کے قابل نہیں سمجھتے ہیں۔ من جملہ عمرو عاص، مروان بن حکم، مغیرۃ بن شعبہ وغیرہ لیکن اہل سنت علما عدالت صحابہ کے نظریے کو پیش کرتے ہوئے ان شخصیات کے بارے میں کسی قسم کی تنقید کو برداشت نہیں ہیں۔

ان کو تو چھوڑ دیں: عمران بن خطّاب جس نے امام علیؑ کے قاتل ابن ملجم کے بارے میں شعر پڑھا ہے اس شخص کا گناہ نا قابل بخشش ہے۔۵

۵۔ شعر کچھ یوں ہے:

صحیح بخاری کے دو اصلی راوی عروۃ بن زبیر اور زہری ہیں، زہری کی اہل بیتؑ سے دشمنی آفاقی شہرت کے حامل ہے، زہری ایک ایسا شخص ہے جسے تمام علمارجال نے دنیاپرستی اور ثروت افزودہ کرنے اور خلافت بنی امیّہ سے چپکنے کی وجہ سے مذمت کی ہیں۔

علامہ محمد حسین مظفر اپنی کتاب "الافصاح عن رجال الاحوال الصحاح" ۳٦٨ راویوں کا نام لیا ہے جنہیں کم سے کم دو اہل سنت علما رجال نے مذمت کی ہیں۔ ٦

اس کے علاوہ بعض دیگر اہل سنت علماء اس بات کے قائل ہیں کہ صحیح بخاری کے اسناد میں ضعیف راویان موجود ہیں۔ابن حجر کہتے ہیں: حفاظ نے بخاری کے ۱۱۰احادیث میں شک کیا ہے اور انہیں بغیر سند سمجھا ہے اور بخاری کے ۴۰۰ افراد میں سے ۸۰ افراد کا علماء رجال نے تضعیف کی ہیں۔۷

ابن حجر؛ صحیح بخاری کی شرح جلد نمبر ۲ میں میں بخاری کے ۴۰۰ روایان کو ضعیف جانتے ہیں اور علماء رجال کی نگاہ سے ضعف کا سبب بیان کیا ہے۔۸

حافظ زین الدین عراقی محمد بن طاہر کے کلام کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

"بخاری اور مسلم دونوں نے شرط کیے ہیں کہ صرف ان روایات کو جن کے راویان کی وثاقت پہ اتفاق نظر ہو اور مشہور صحابی تک متصل ہو کو نقل کیا جائے گا۔" کہتے ہیں: "یہ گفتار درست نہیں ہے کیونکہ نسائی نے بخاری و مسلم کے راویان کے ایک گروہ کو یا ان میں سے ہر ایک کے روایان کو تضعیف کیا ہے۔۹

بدرالدین عینی کہتے ہیں:

صحیح بخاری میں ایک ایسے گروہ کا ذکر ہوا ہے جن کو بعض متقدم علماء رجال نے تضعیف کیا ہے۔۱۰

یا ضربۃ من تقی ما آراد　　بھا الّا یبلغ من ذی العرش رضوانا

انّی لاذکرہ یوما فاحیۃ　　او فی البریّہ عنداللہ میزانا

اس باتقوا انسان نے کیا ضربت لگا یا اس ضربت کا مقصد اللہ کی رضا کے علاوہ کچھ نہ تھا ایک دن (ابن ملجم) کو یاد کیا اور میرے خیال میں سب سے زیادہ بھاری میزان اللہ کے پاس اس کا ہوگا۔ رک: المراجعات: ص ۴۱۵، النص والاجتھاد ص ۲۲۷، معالم المدرستین ج ۲ ص ۳۹، دراسات فی الحدیث والمحدثین ص ۱٦۱۔

٦ ۔ علم حدیث ص ۳۵۳

۷ ۔ فتح الباری ج ۱ ص ۸۱۔

۸ ۔ فتح الباری ج ۱ ص ۸۱۔

۹ ۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۲۳۵

۱۰ ۔ فتح الباری ج ۱ ص ۸۱۔

۳۔ ضعف محتوا

اگر لوگوں نے سنّت کو دین کی پہچان کا دوسرا سرچشمہ سمجھ لیا ہے تو یہ سب جوامع حدیث کی برکت سے ہے کیونکہ جوامع حدیث ہی ہیں جو سنّت کی نشاندہی کرتی ہیں لہٰذا جس حدتک یہ جوامع جعلی روایات سے پاک و صاف ہوگا، مذہب اور مذہبی تعلیمات کی تصویر حقیقیت کے زیادہ قریب ہوگی اور جتنا ان جوامع کی اہمیت اور حیثیت ہوگی اتنا زیادہ حساس اور زیادہ اہم کردار ادا کرے گی۔ یہاں سے سمجھ سکتے ہیں کہ صحیح بخاری اہل سنت علماء کی نگاہ میں قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح و معتبر کتاب ہے تو اس کتاب میں نقل شدہ روایات کا کسقدر اہم حساس کردار ہوگا اس حال میں اگر بخاری نے جان بوجھ کر یا اشتباہی عقائد کے حصے میں کسی ایسی روایت کو بیان کیا ہو جس سے دین کے خلاف یا دین کا ضد دیکھا یا گیا ہو تو بخاری کسقدر ذمہ دار ہوگا اور ان کا یہ کام جھوٹے رسول کی طرح ہوگا جس نے صدیوں سے انسانوں کو گمراہ کیے رکھا ہے اسقدر بھاری گناہ کے بوجھ کو کس طرح اٹھائے گا اور اتنے بڑے جرم کا کفارہ کیسے ادا کرے گا؟!

گیارہ صدیوں کے دوران صحیح بخاری کے بعد ہزاروں کی تعداد میں لکھے گئے تفسیر، حدیث، کلام کی کتابیں جو بلاواسطہ یا بالواسطہ بخاری کی کتاب سے متاثر ہوئے ہیں اس بات کی تائید کرتی ہے کہ نے ایک فکری مکتب کی تشکیل میں کیا کردار ادا کیا ہے۔ اسی طرح اہل سنّت کا اہل بیتؑ کی ولایت کو مسترد کرنے کا بھاری بوجھ بخاری کے کندھوں پہ ہے کیونکہ اس نے اہل بیتؑ کی شخصیت کی جو تصویر کشی اپنی کتاب میں کی ہے وہ پیغمبر ﷺ کے عام صحابی کی شان سے بھی کم ہے۔

اگر اس بات کو ثابت کیا جائے کہ مختلف فرقے من جملہ معطلہ، مجسّمہ، مشبّہ، مجبّرہ، وغیرہ کی پیدایش میں صحیح بخاری کا اہم کردار ہے اسی مذاہب کے انحرافی پیروکاروں کے برابر بخاری گھاٹے میں ہے۔

شاید لوگوں کی ہدایت و گمراہی میں علما کا اہم کردار ہی ہے جسے ان عبارات میں بیان کیا گیا ہے: "مداد العلماء افضل من دماء الشہداء، علماء کا قلم شہدا کے خون سے افضل ہے"[11] یا روایات میں بیان ہوا ہے خداوند عالم، عالم کے ایک گناہ کو بخشنے سے پہلے جاہل کے ستر گناہوں کو بخش دیتا ہے۔[12]

۱۱۔ یہ جملہ امالی صدوق میں بیان ہوئے ایک حدیث کا جملہ ہے رک: دراسات فی علم الدرایہ ص ۲۴۷

۱۲۔ کافی ج ۱ ص ۵۹ باب "لزوم الحجۃ علی العالم و تشدید الامر الیہ" عن ابی عبداللہ: قال: یا حفص! یغفر للجاہل سبعون ذنبا قبل ان یغفر للعالم ذنب واحد۔

اس تمہید پہ توجہ کرتے ہوئے اس حصہ میں اس بات کو ثابت کرنا چاہوں گا کیا بخاری نے عقائید کے باب میں نادرست روایات کو نقل کرکے اور حقیقت کو حذف کرکے اہل بیت علیہم السلام پہ جفا کیا ہے اور دین کا نادرست چہرہ لوگوں دیکھلا یا ہے یہاں پہ اختصار کی رعایت کرتے ہوئے صحیح بخاری کے ایک محتوائی کمزوری کو بیان کریں گے.

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«انتالیسواں سبق»

صحیح بخاری میں مذہبی اور تاریخی حقائق کی برطرفی

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

صحیح بخاری میں مذہبی اور تاریخی حقائق کی برطرفی

قرآن کسی کتاب کی صداقت کو پرکھنے کا معیار اس کتاب میں بیان شدہ حقائق جانتا ہے نیز ذاتی اور کسی خاص گروپ کے مفادات اور مفسدات کی بنا پہ عمل نہیں کرنا بھی ایک معیار ہے اسی لیے عصر نزول کے توریت و انجیل کی جو اہل کتاب کی طرف سے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جاتا تھا کی بنیادی کمزوری حقیقت کو بیان کرنے میں بے ایمانی ہے۔ قرآن میں یہودیوں سے خطاب کیا جاتا ہے:

"۔۔۔قل من انزل الکتاب الذی جاء به موسیٰ نورا و هدی للناس تجعلونه قراطیس تبدونها و تخفون کثیرا"1

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کی یہودی مکمل توریت کی عکاسی کے بجائے صرف اس کے بعض حصوں کو جن میں ان کے منافع پوشیدہ تھے کو بیان کرتے اور جن حصوں میں مسلمانوں کا فائدہ تھا (بالخصوص ظہور اسلام اور پیغمبر ﷺ کی بعثت سے متعلق حصے) اسے چھپاتے تھے۔

حقیقت کو کتمان کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت ہوئی ہے اور اللہ کے لعن کا مستحق ٹھہرایا ہے:

"ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات و الهدیٰ من بعد ما بیّناه للناس فی الکتاب اولئک یلعنهم الله و یلعنهم اللّعنون"2

راقم الحروف صحیح بخاری کا مطالعہ سے پہلے دیگر کتب کا مطالعہ کرنے سے یہ سمجھتا تھا کہ صحیح بخاری کی سب سے بڑی خامی ضعف محتوا اور ضعیف و جعلی روایات کو بیان کرنا ہے لیکن صحیح بخاری کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلا کہ سب سے بڑی خامی حقائق کو چھپانا ہے یہ کام اس قدر خوبصورتی اور دقت سے انجام دیا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ بخاری نے کس شخص کی تربیت و تعلیم کی بنا

۱۔انعام/۹۱

۲۔بقرہ/۱۷۴ارک: بقرہ/۱۵۹/مائدہ/۶۱

پہ حقائق کو اسقدر ماہرانہ انداز میں سنسر کیا ہے۔ یہ دعوی؛ بخاری کا حقائق سے برتاؤ کی کیفیت نیز صحاح ستّہ کا تقابلی جائزہ لینے سے سامنے آتا ہے۔

شاید بخاری سے سخت دفاع کرنے والے حضرات یہ کہیں: روایات کو نقل کرنے میں بخاری کے کچھ شرائط تھے لہٰذا جن روایات کو نقل نہیں کیا ہے وہ فاقد شرائط تھے یہ وضاحت دو وجوہات کی بنا پہ نادرست ہے:

اول یہ کہ: بخاری اہل سنت علماء کے کہنے کے مطابق ایک لاکھ روایات پہ عبور رکھتے تھے اور ان کو ترک کرنے کی وجہ خوف اطال (طویل ہونے کا خوف) تھا۔ ذہبی سیر اعلام النبلاء میں اپنے سند سے ابراہیم بن معقل سے اس کلام کو نقل کیا ہے:

ما ادخلت فی ھذا الکتاب الّا ما صحّ وترکت من الصحاح کی لا یطول الکتاب [۳]؛ اس کتاب میں بعض صحیح روایات کو نقل کیا ہے اور بعض صحیح روایات کو کتاب کے طویل ہونے کی وجہ سے نقل نہیں کیا ہے۔

یہ اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ جو روایات صحیح بخاری میں نقل نہیں ہوئی ہے نادرست روایات نہیں ہیں بلکہ صحیح روایات ہیں بخاری کے اس گفتار کو ان کے ایک اور کلام سے منسلک کیا جائے وہاں کہتا ہے:

مجھے ایک لاکھ صحیح حدیث اور دو لاکھ غلط حدیث زبانی یاد تھا اور اس کتاب (جامع صحیح) کو چھے لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے [۴]

اس گفتار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۴۰۰۰ احادیث جو کہ صحیح میں نقل ہوئی ہیں کے علاوہ ۹۶۰۰۰ احادیث تک رسائی رکھتے تھے لیکن ان روایات کو نقل نہیں کیا اور اس تعداد میں روایات کو صحیح جاننا اس لیے ہے کہ یہ روایات بخاری کے شرائط صحت کے مطابق تھیں لہٰذا یہ کہنا کہ جن روایات کو بخاری نے صحیح میں نقل نہیں کیا وہ ان کی شرائط صحت پہ پورا نہیں اترتی تھی درست بات نہیں ہے۔

کتاب کے طویل ہونے کا خوف صرف بہانہ ہے اور یہ جواز گناہ سے بھی بدتر ہے اس لیے کہ:

پہلی بات یہ ہے کہ: صحیح بخاری میں نصف کے قریب روایات مکرر روایات ہے مکررات کو حذف کرکے دیگر روایات کو نقل کر سکتے تھے۔

---

۳ ۔ فتح الباری ج ۱ ص ۹ (مقدمہ)

۴ ۔ اعلام المساعین ص ۷۴

دوسری بات: مسند احمد بن حنبل جو صحیح بخاری سے پہلے تحریر ہوئی ہے میں ۳۹ہزار روایات اور جامع المسانید میں ہزاروں کی تعداد میں روایات بیان ہوئی ہیں اور کسی نے بھی ان کتب کے طویل ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے اگر جناب بخاری ۲۰ یا ۳۰ ہزار روایات کو بیان کرتے پھر کہتے اختصار کی خاطر باقی روایات کو ذکر نہیں کیا تو یہ قابل قبول بات ہوتی۔

دوسرا نکتہ: اگر ہم مذکورہ وضاحت کو قبول کرلیں کہ واقعی بخاری باقی روایات کو ان کے شرائط صحت کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ہے تو کس طرح حقائق پہ پردہ ڈالنے اور موجودہ کتاب کے مختلف حصوں کی جابجائی کی وضاحت پیش کرسکتے ہیں؟! کیا اس قسم کے کاموں میں بھی انہیں حقائق پہ پردہ ڈالنے سے معذور جانتے ہوئے انہیں بے گناہ سمجھا جائے؟!

دعوی کو ثابت کرنے کے لیے چند مثالیں بیان کریں گے:

بخاری نے عمرو بن عاص سے روایت نقل کی ہے: جب پیغمبر نے مجھے لشکر ذات السلاسل کی سرداری کے لیے منتخب کیا تو میں حضورﷺ کی خدمت آیا اور عرض کیا: لوگوں میں سب سے زیادہ آپ کے قریب کون محبوب ہے؟ فرمایا: عائشہ۔ پوچھا: مردوں میں سے کون؟ فرمایا: ان کے والد (ابوبکر) پوچھا اور کون؟ اس کے بعد عمر بن خطاب، پھر چند دیگر لوگوں کا نام لیتے ہیں۔۵

پتہ نہیں یہاں پہ بخاری نے خاموشی کیوں اختیار کی اور دیگر مردوں کا نام لینے سے گریز کیا کیا یہاں پہ اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ ان مردوں میں علی بن ابی طالبؑ کا نام بھی ہوگا؟ شاید خلفا کے بعد ہی سہی!

بخاری عمر بن خطاب کا پیغمبرﷺ کے بستر کے کنارے آپؐ کی توہین اور اس چیز کی کتابت سے ممانعت جس سے امت مسلمہ گمراہی سے بچ جاتی اس ماجرے کو بار بار دہرانے کے باوجود جناب عمر کا نام لینے سے گریز کیا ہے۔٦

بخاری کی غدیر کی اہم حدیث سے غفلت

بخاری کا ایک اور غلط کام تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ یعنی غدیر خم سے غفلت اور کوتاہی ہے جو پیغمبرﷺ کے جانشین کو معین کرنے میں اہم کردار رکھتی ہے۔

۵۔ صحیح بخاری ج۴ ص۱۹۱

٦۔ رک: صحیح بخاری ج۱ص۳۷؛ ج۴ ص۳۱،٦٦؛ ج۷ ص۹ ج۸ ص۱٦۱

حالانکہ صحاح ستّہ کی دیگر کتب میں فضائل صحابہ میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہوا ہے اور پیغمبر ﷺ کی سخن کے کچھ حصے کو اہلبیتؑ اور علیؑ کے بارے میں نقل کیا ہے مثال کے طور پہ مسلم جو کہ بخاری کے شاگرد اور کچھ عرصہ ان سے تلمذ کیا ہے انہوں نے اس روایت کو مختلف طرق سے بیان کیا ہے٧ لیکن جناب بخاری نے اس بارے میں ایک روایت کو نقل کرنے سے بھی گریز کیا ہے، گویا تاریخ اسلام میں یہ واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو اور یہ فضیلت اہلبیت کے لیے ثابت ہی نہ ہوئی ہو۔

انہوں نے صرف ایک روایت بیان کی ہے جو تاریخ شناس شخص کی نگاہ میں غدیر کے واقعے پہ ناظر ہے:

عمر نقل کرتا ہے ایک یہودی نے ان سے سوال کیا اے امیر مؤمنان! تمہارے قرآن میں ایک آیت ہے جس کی تم تلاوت کرتے ہو اگر وہ آیت ہم یہودیوں پہ نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ عمر نے پوچھا کونسی آیت؟ یہودی نے کہا: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" عمر نے کہا ہم اس دن اور جگہ جہاں پیغمبر ﷺ پہ یہ آیت نازل ہوئی سے آگاہ ہیں اور وہ جمعہ کا دن تھا جب پیغمبر ﷺ میدان عرفہ میں کھڑے تھے۔"٨

بخاری نے اس حدیث کے لیے کسی قسم کی وضاحت بیان نہیں کیا ہے کہ اس آیت کے نزول اور پیغمبر ﷺ کا جمعہ کے دن عرفات کے میدان میں کیا رابطہ ہے؟ اور یہ کہ پیغمبر ﷺ آخری ایّام میں اور حجۃ الوداع کے موقع پہ ادھر تھے اور وہ کونسا اہم واقعہ ہے جس کی بنا پہ خدا اعلان کر رہا ہے آج دین کو مکمل اور نعمات کو تمام کیا اور اسلام کو تمہارے لیے دین چن لیا۔ دین کا وہ کونسا حصہ تھا جو اس دن تک مکمل نہیں ہوا تھا؟ اور اس دین مکمل ہوگیا؟

ہم اہل بیتؑ کی روایات کی بدولت جنہوں نے تاریخی اسرار سے پردہ اٹھایا ہے اور معلوم ہے کہ یہ آیت غدیر خم میں حضرت امیرؑ کی اعلان جانشینی کے بعد نازل ہوئی ہے اس دن کو شیعہ جشن مناتے ہیں اور کسی یہودی کے یاددہانی سے پہلے ہی اس دن کے عظمت کو جان چکے تھے۔

اصول کافی میں امام رضاؑ سے روایت نقل ہوئی ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت کو معیّن کرتی ہے اس روایت میں اس طرح بیان ہوئی ہے:۔۔۔۔ وانزل فی حجۃ الوداع وھی آخر عمرہ ﷺ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" وامر الامامہ من تمام الدین ولم یمض ﷺ حتّی یبیّن لامّتہ معالم دینھم۔۔۔ واقام لھم علیاؑ علما وامام؛ خداوند نے حجۃ الوداع

---

٧ ۔ صحیح مسلم ص ۱۰۴۳۔۱۰۴۴

٨ ۔ صحیح بخاری ج ٧ ص ١٦۔

پیغمبر ﷺ کے عمر کے آخری ایّام میں اس آیت کو نازل کیا" الوم اکملت۔۔۔۔۔"اور امر امامت تمام دین کا ایک حصہ ہے اور پیغمبر ﷺ اس دنیا سے نہیں گئے مگر یہ کہ امت کے لیے دین کی نشانیاں بیان کر گئے۔۔۔اور علیؑ کو نشانی اور امام معیّن فرمایا۔۹

۹۔ کافی ج۱ص ۲۸۴" باب نادر جامع فی فضل الامام و صفاتہ

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چالیسواں سبق»

صحیح بخاری کی شروحات سے آشنائی

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

صحیح بخاری کی شروحات سے آشنائی

اس لیے کہ صحیح بخاری اہل سنت کی سب سے اہم اور معتبر کتاب ہے اسی لیے سب سے زیادہ اسی پہ شروحات لکھی گئی ہیں من جملہ:

۱۔ الکواکب الداری، شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی (م ۷۸۶)، کرمانی بخاری کی تعریف کے بعد لکھا ہے: بلاد اسلامی میں ڈھونڈنے کے باوجود اس کتاب پہ مناسب شرح نہیں ملی شرح ابن بطال اور شرح مغلطای کو ناکافی سمجھتے ہیں اسی لیے اس کتاب کی شرح تحریر کی آپ بیان کرتے ہیں کہ حدیث، اور نحو کے مباحث، محدثان کی اصطلاحات، فقہی مسائل، روایات کی صحیح ضبط، بظاہر متعارض روایات کی جمع، وغیرہ پہ اس شرح میں توجہ دی ہے اور اس بات کے دعویدار ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ ہزار کتب یا بیشتر کے مطالعے سے بے نیاز کرتی ہے۔

۲۔ فتح الباری فی شرح البخاری، زین الدین ابوالفرج بن شہاب الدین بغدادی، مشہور بہ ابن رجب حنبلی (م ۷۹۵)۔ ابن رجب حنبلی آٹھویں صدی کے محدثان میں سے ہیں ۷۳۶ ہجری کو بغداد میں پیدا ہوئے اور علم حدیث کی تعلیم حاصل کرنے مصر، مکہ، مدینہ، بیت المقدس، گئے تدریس و تحریر کے علاوہ خطابت میں بھی مصروف تھے ان کے لیے ۸۰ کتب کا نام لیا گیا ہے من جملہ: احکام الخواتیم، جامع العلوم والحکم، تفسیر سورت اخلاص،۔۔۔۔ صحیح بخاری پہ تحریر کی گئی شرح بہترین شروحات میں شمار ہوتا ہے یہ شرح کتاب الجنائز تک لکھی گئی ہے باقی روایات پہ شرح لکھنے کی فرصت نہ ملی، یہ شرح ۱۰ جلدوں میں شایع ہو چکی ہے محدثان کے نظریات واقوال سے مزین اور علم رجال کے مباحث سے خالی ہے۔

۳۔ فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲)، ابن حجر اہل سنت کے مشہور اور انتھک کوشش کرنے والا شخص ہیں جو عربی لٹریچر، تاریخ، تفسیر، فقہ و حدیث، کے ماہر اور مختلف کتب کے مالک تھے۔ سخاوی نے ان کے لیے ۲۷۰ کتب کا نام لیا ہے، ابن حجر کی شرح مکمل شرح ہے جو صحیح بخاری پہ لکھی گئی ہے اور شروع سے ہی شرح کا خیر مقدم کیا گیا۔ وہ بخاری کی روایات کو نقل کرنے کے بعد رجال سند کی جامع انداز میں کتب رجال سے استفادہ کرتے ہوئے جائزہ لیتے ہیں اور درجہ حدیث

۱۔ الکواکب الدراری ج ۱ ص ۳-۵

کو بیان کرتے ہیں ، پھر احادیث کے متن کا جائزہ لینے کے لیے فقہ الحدیث (حدیث فہمی کے لیے لغوی مباحث، اصطلاحات حدیث، کلامی اور تاریخی مباحث کو بیان کیا ہے) یہ شرح ۱۵ جلدوں میں محمد فؤاد عبدالباقی کی تحقیق کے ہمراہ شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری؛ بدرالدین ابو محمد بن احمد عینی (م ۸۵۵) بدر الدین عینی، عینتاب نامی سرزمین میں پیدا ہوئے اور ۸۵۵ ہجری کو قاہرہ میں انتقال کر گئے انہوں نے علم حدیث کو زین الدین عراقی، سراج الدین بلقینی، نور الدین ھیثمی۔۔۔ جیسے اساتذہ سے حاصل کیا حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، میں خاص مہارت رکھتے تھے ۔ طبقات حنفیّہ، عقد الجمان، زین المجالس، شارح الصدور من جملہ کتب میں سے ہین۔ عینی نے کتاب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے : صحیح بخاری پہ شرح لکھنے سے پہلے، معانی الاخبار طحاوی اور ابو داؤد کی سنن پہ شرح تحریر کیا اور شرح صحیح بخاری کے خواہشمند افراد کے بے حد اصرار پہ اس کتاب پہ شرح لکھی ہے۔۲ عینی کی شرح مفصّل شروحات میں سے ہے جس میں شارح نے رجال اور اسناد روایات ، اختلاف راویان فقیہ کے درمیان اختلافی مباحث، حدیث فہمی سوال و جواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ عینی کی کتاب کی ترتیب کا طریقہ دلچسپ ہے روایات کو بیان کرنے کے بعد بیان رجالہ، بیان قصد موضعہ، من اخرجہ غیرہ، بیان اعرابہ، بیان المعانی والبیان، بیان استنباط المراد، جیسی عبارات کا استعمال کرتے ہوئے ان تمام مباحث پہ علیحدہ طور پہ بحث کیا ہے یہ شرح ۲۴ جلدوں میں شایع ہو چکی ہے۔

۵۔ ارشاد الساری فی شرح صحیح البخاری؛ احمد بن محمد شافعی قسطلانی، (م ۹۲۳) قسطلانی کتاب کے مقدمہ میں کہتے ہیں: آغاز جوانی ہی سے صحیح بخاری پہ شرح لکھنا چاہ رہا تھا اور آخر کار رکاوٹوں کو ختم کرکے شرح لکھنے میں کامیاب ہوا ۳ بحث کو شروع کرنے سے پہلے آپ پنچگانہ مقدمات میں بعض اہم مباحث کو بیان کیا ہے من جملہ مباحث: پہلا مقدمہ، اہل حدیث کی فضیلت، دوسرا مقدمہ تارخ حدیث اور پہلا مدوّن حدیث، تیسرا مقدمہ، اصطلاحات حدیث کی تشریح، چوتھا مقدمہ، صحیح بخاری سے دفاع اور اعتراضات کے جوابات، پانچواں مقدمہ، بخاری کے حالات زندگی۔ ۴

قسطلانی کی شرح ابن حجر عسقلانی کی شرح کی طرح علم رجال اور فہم الحدیث کے مباحث پہ مشتمل ہے۔ یہ شرح ۱۵ جلدوں میں محمد عبدالعزیز کی تحقیق کے ساتھ شایع ہو چکی ہے۔

---

۲ ۔ عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ج ا ص ۲-۹ (مقدمہ)

۳ ۔ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ا ص ۴۔

۴ ۔۔ ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ا ص ۶۴۔۶۵

٦۔ شرح صحیح بخاری، ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک، معروف بہ ابن بطال، ابن بطال کی شرح خطابی کی شرح کے بعد سب سے پرانی شرح ہے جس میں تفسیر قرآن کے بارے میں صحابہ و تابعان کی آرائ نیز احکام میں مذاہب سلف کی اختلاف آرائ کو بیان کیا ہے اور صحیح بخاری کے مشکل الفاظ کی تشریح کی ہے شارح نے مباحث فقہ میں مالکی مذہب پہ زیادہ توجہ دیا ہے اور آخری راوی اور متون روایات کو منتخب و مختصر بیان کیا ہے۔[۵] یہ شرح ١٠ جلدوں میں ابو تمیم یاسر بن ابراہیم کی تحقیق کے ساتھ نشر ہو چکی ہے۔

دیگر شروحات کے نام یہ ہے: اعلام التلویح فی شرح صحیح البخاری، ابو سلیمان احمد بن محمد خطابی (م٣٨٨) التلویح علاء الدین مغلطاي، التوشیح فی شرح الجامع الصحیح، جلال الدین سیوطی (م٩١١) لامع الدراری علی جامع البخاری، محدث گنگوہی۔

۵۔ شرح صحیح بخاری ابن بطّال ج١ص٩-١٠

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«اکتالیسوں سبق»

صحیح مسلم اور سنن ابی داود کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

صحیح مسلم اور سنن ابی داود کا تعارف

صحیح مسلم بن حجاج قشیری (م۲۶۱)

صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم اہل سنت جوامع حدیث کی دوسری اہم اور مستند کتاب ہے جو مسلم بن حجاج قشیری کے توسط سے تحریر ہوئی ہے بعض لوگوں نے اس کتاب کو صحیح بخاری پہ ترجیح دی ہے اس کتاب سے واقف ہونے کے لیے پہلے مصنف کے حالات زندگی سے باخبر ہوتے ہیں۔

مسلم بن حجاج قشیری کے حالات زندگی

ابو الحسین مسلم بن قشیری نیشابوری کی تاریخ پیدائش درست معلوم نہیں ہے۔ابن خلکان کہتے ہیں: "میں نے حفاظ تاریخ کو ان کی تاریخ پیدائش کو صحیح طرح سے ثبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔" کہا جاتا ہے ان کی ولادت ۲۰۲۰ یا ۲۰۴ ہجری کو ہے لیکن ۲۰۶ زیادہ درست ہے۔ کہا جاتا ہے آپ نے ایک علمی خاندان میں آنکھ کھولی اور پروان چڑھے ہیں اور ان کے والد کو مشائخ حدیث کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ا بے شک ان کے والد ہی نے آغاز راہ میں انہیں اسلامی علوم کا شوق دلایا ہے۔ ۲

نیشابور ان کی جائے پیدائش ہے اسی لیے انہیں نیشابوری کہا جاتا ہے لیکن آپ کا تعلق قشیری نامی ۳ (عرب میں مشہور) قبیلے سے ہے یا نہیں اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۴

اس زمانے میں نیشابور عالم اسلام اور علم حدیث کا اہم علمی مراکز میں شمار ہوتا تھا یاقوت حموی اس شہر کو علما کرام کا معدن جانتے ہیں، عبدالغافر فارسی اپنی کتاب منتخب من السیاق التاریخ نیشابور میں اس شہر کے ۱۶۷۸ علما کا نام لیا ہے۔ ۵

کہا جاتا ہے مسلم نے ۱۲ سال کی عمر سے یحیی بن بکیر تمیمی نیشابوری، (۲۲۶)، اسحاق بن راہویہ (۲۳۸) قتیبہ سعید (م۲۴۰) حدیث یاد کرنا شروع کیا۔ پھر مکمل تعلیم اور استماع حدیث کے لیے مختلف شہروں کی طرف رخ کیا من جملہ: خراسان، مکہ،

۱۔ صحیح مسلم ص ۱۱
۲۔اعلام المساعین ص ۲۳
۳۔ المنہاج فی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ب
۴۔ اعلام المساعین ص ۲۳
۵۔ اعلام المساعین ص ۲۳

مدینہ، کوفہ، بصرہ، بلخ، مصر، شام و ری۔ ان تمام شہروں کے علمی مراکز میں کچھ مدت رہے اور مشائخ حدیث سے استماع حدیث کیا کہا جاتا ہے مسلم کے رحلوں کو دو قسم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ حدیث یاد کرنے اور اسناد روایت کی راویان کی شناخت، کے لیے سفر کیا۔ ۲۔ تعلیم دینے، تحدیث، حدیث سکھانے اور احادیث کی نشر و اشاعت کے لیے کیے گئے سفر، مسلم کو اس قسم کی سفر کا اسقدر شوق و اشتیاق تھا کہ صرف ایک بار حج واجب کرنے گئے اور دیگر تمام سفر تحصیل یا تعلیم کی خاطر تھا۔۶

مسلم نے بہت سارے مشائخ حدیث سے استفادہ کیا صحیح مسلم کے مقدمہ میں ۲۱۵ مشائخ کا نام بیان کیا گیا ہے۷ اور یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے صحیح میں ۱۲۰ مشائخ سے حدیث نقل کیا ہے ۸، ان تمام افراد میں سے بعض لوگ مسلم کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت پہ خاص توجہ دیا ہے: ۱) محمد بن اسماعیل بخاری۔ ۲) احمد بن حنبل۔ ۳) اسحاق بن راہویہ۔ ۴) ابو زرعہ رازی ۵) قتیبہ بن سعید ۶) یحییٰ بن یحییٰ تمیمی منقری ۹

معلوم ہوتا ہے جن اساتذہ سے بخاری نے استفادہ کیا ہے انہیں سے مسلم نے بھی استفادہ کیا ہے کہا جاتا ہے مسلم کو بخاری سے خاص عقیدت تھی لہٰذا ہمیشہ ان کے ہمراہ ہوتے یہاں تک کہ جب بخاری کو خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے کہ وجہ سے نیشابور سے نکالا گیا مسلم نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا اگرچہ اس کام کی وجہ سے مسلم کو سزا بھی دی گئی۔۱۰

مسلم کے شاگرد کے عنوان سے ۳۵ افراد کا نام لیا گیا ہے من جملہ: ۱) ابو عیسی ترمذی؛ مشہور سنن کے مصنف، ۲) حافظ ابو عوانہ اسفرائنی (م۳۱۶) المستخرج علی صحیح مسلم کے مصنف، ۳) عبد الرحمان بن ابی حاتم رازی (م ۳۲۷) الجرح والتعدیل کے مصنف، ۴) ابراہیم بن محمد بن سفیان فقیہ اور صحیح کے راوی۔۱۱

مسلم کے صحیح کے علاوہ دیگر کتب بھی ہیں ان میں سے بعض موجود اور بعض کا کوئی اتا پتا نہیں ہے صحیح کے مقدمہ میں ۳۶ کتابوں کا نام لیا گیا ہے جو کتابیں باقی بچیں ہیں ان میں سے بعض کا نام یہاں ذکر کریں گے: ۱) الاسامی و الکنی ۲) اسماء

---

۶ ۔ صحیح مسلم، ص۱۵، /المنھاج فی شرح صحیح مسلم ج۱ صج

۷ ۔ صحیح مسلم ص۱۵ (مقدمہ)؛ المنہاج فی شرح صحیح مسلم ج۱ ص ج

۸ ۔ صحیح مسلم ص۱۱۶-۱۹؛ اعلام المساعین ص۶۱/۱۰۰

۹ ۔ المنہاج فی شرح صحیح مسلم ج۱ ص ب

۱۰ ۔ تاریخ بغداد ج۱۳ ص ۱۰۲، البدایہ والنہایہ ج۱۱ ص ۳۴؛ تاریخ مدینہ دمشق ج۱۶ ص ۷۰ ۴۔

۱۱ ۔۔ صحیح مسلم ص ۲۰-۲۱ المنہاج فی شرح صحیح مسلم ج۱ ص ب

الرجال ۳) التمییز ۴) الطبقات ۵) طبقات التابعین ٦) کتاب المحضرمین ۱۲ مسلم کے کتب کے عناوین سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حدیث، اسناد ورجال میں کافی مہارت رکھتے تھے۔

مسلم کے فقہی مذہب کے بارے میں اختلاف ہے ابن قیم ان کو فقہ حنبلی کے پیروکار، سمجھتے ہیں جیسا کہ ابن ابی یعلی طبقات الحنابلہ میں انہیں حنبلی جانتے ہیں۔ بعض لوگ انہیں احمد بن حنبل کے ساتھی اور شاگرد ہونے کی وجہ سے حنبلی اور بعض لوگ مالکی سمجھتے ہیں۔ ۱۳ ولی اللہ دہلوی اور ابراہیم بن عبداللطیف، حاجی خلیفہ اور صدیق حسن خان انہیں شافعی مذہب کے پیروکار جانتے ہیں۔ اگرچہ سبکی نے طبقات الشافیہ میں انہیں شافعی مذہب کے پیروکار نہیں سمجھا ہے۔ ۱۴

کلامی مذہب کے لحاظ سے آپ سلفی مذہب ہیں چونکہ آپ نے اس سلسلے میں بخاری وابن حنبل وابن راہویہ وابوزرعہ رازی جیسے اساتذہ سے استفادہ کیا ہے آپ سلفی مذہب کے پیروکار کی طرح اہل سنت ائمہ سے خاص عقیدت رکھتے ہیں اور اللہ کے مقام و مرتبے کا عقیدہ رکھتے ہوئے بخاری کی مانند خلق قرآن کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں جیسا کہ محمد بن یحییٰ ذہبی کے علمی محفل کو اسی وجہ سے چھوڑ دیا۔ ۱۵

کہا جاتا ہے مسلم علمی مصروفیات کے علاوہ کپڑوں کا کاروبار بھی کرتے تھے اور جو مال و دولت ان کے پاس تھے اس سے کھاتے پیتے تھے۔ ۱٦ آخر کار آپ ۲٦۱ ہجری کو رجب کے مہینے میں انتقال کر گئے اور اپنے وطن میں دفن ہو گئے۔

صحیح مسلم کا تعارف

مسلم بن حجاج قشیری کی کتاب اہل سنت حدیث کی دوسری معتبر کتاب ہے بخاری بعد مسلم کی کتاب کو قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب جانتے ہیں ایک گروہ نے مسلم کی کتاب کو بخاری کی کتاب پہ ترجیح دی ہے۔ مسلم نے اپنی کتاب کو بعض حدیث کے بزرگوں کی درخواست پہ اور جن کتب میں درست اور نادرست روایات بیان ہوئے ہیں ان کو منظّم کرنے کے مقصد سے تحریر کیا ہے۔

---

۱۲ ۔۔ صحیح مسلم ص ۲۲۔ ۲۴ مقدمہ)؛ المنہاج فی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص د

۱۳ ۔ اعلام الساعین ص ۴٦۔ ۴۷۔

۱۴ ۔ اعلام الساعین ص ۴۴۔ ۴۵

۱۵ ۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۱؛ تاریخ مدینہ دمشق ج ۱٦ ص ۴۷۲۔

۱٦ ۔ اعلام المساعین ص ۲۴

کہا جاتا ہے انہوں نے اس کتاب کو تحریر کرنے میں ۱۵ سال لگا دیئے ہیں ۱۷ حسین بن محمد ماسرجی کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے انہوں نے مسلم سے سنا ہے کہ:

میں نے اس صحیح مسند کو ۳۰۰ لاکھ مسموع (سنی ہوئی روایات) روایات کے درمیان میں سے انتخاب کیا ہے۔۱۸

مسلم نے کتاب کا نام وضاحت سے بیان نہیں کیا ہے اسی لیے ان کی کتاب کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے ایک گروہ من جملہ: فیروزآبادی، ابن حجر، بغدادی، حاجی خلیفہ، قنوجی اور کتانی نے اسے "الجامع" کا نام دیا ہے۔ ایک اور گروہ من جملہ: ابن اثیر، نووی، ابن خلکان، ذہبی، ابن کثیر، اور ابن عماد نے "الصحیح" کا نام دیا ہے۔ اور یہ نام زیادہ مشہور ہے۔۱۹

جو کچھ مسلم سے کتاب کے بارے میں نقل ہوئی ہے وہ المسند یا المسند الصحیح ہے ۲۰

مسلم نے واضح الفاظ میں بتا دیا ہے کہ ان کی کتاب کی تمام روایات درست ہیں اور ان کے اور اللہ کے درمیان حجت ہے۔ کہتے ہیں: میں نے اس مسند میں کسی روایات کو ذکر کیا ہے مگر استناد کے ساتھ اور کسی روایت کو رہا نہیں کیا مگر حجت کی بنا پہ ۲۱

نیز کہتے ہیں:

میں نے اپنی کتاب کو ابوزرعہ رازی کے سامنے پیش کیا انہوں نے جس روایت کو معلول (عیب) سمجھا میں نے اسے رہا کیا ہے اور جس روایت کو صحیح سمجھا اسے نقل کیا ہے۔۲۲

ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں کہ ابوزرعہ نے میرے کام کی تعریف میں یوں کہا ہے:

اگر اہل حدیث دو سو سال حدیث پہ کام کریں تو ان کا محور یہی مسند ہو گی ۲۳

۱۷۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۸۹، صحیح مسلم ص ۵ (مقدمہ)
۱۸۔ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۱ صحیح مسلم ص ۵ (مقدمہ)
۱۹۔ الامام مسلم و منہجہ فی صحیحہ ص ۱۰۲۔
۲۰۔ الامام مسلم و منہجہ فی صحیحہ ص ۱۰۲۔
۲۱۔ صیانۃ صحیح مسلم ص ۶۷
۲۲۔ صیانۃ صحیح مسلم ص ۶۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۰
۲۳۔ الامام مسلم و منہجہ فی صحیحہ ص ۱۰۲۔

کہا جاتا ہے مسلم کے شرائط بخاری کے شرائط کے عین مطابق ہے ایک استثنا کے علاوہ کہ بخاری نقل احادیث کے دوران راوی کا شیخ حدیث کے معاصر ہونے کے علاوہ شیخ حدیث سے ملاقات ضروری سمجھتا ہے لیکن مسلم صرف معاصر ہونے کو کافی اور ملاقات کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔

صحیح مسلم میں ۷۲۷۵ روایات ہیں حذف مکررات کے ساتھ ۳۰۳۳ روایات ہیں۔

صحیح مسلم اہل سنت دانشوروں کی نگاہ میں اور بخاری و صحیح مسلم کا تقابلی جائزہ

نووی صحیح مسلم اور اس کے مصنف کی تعریف میں یوں لکھتے ہیں:

جو کوئی صحیح مسلم کا گہرا مطالعہ کرے اور اس کی ترتیب اسناد او رحسن انتخاب اور جدید طریقہ کار نیز قیمتی تحقیقات محتاطانہ انداز روایات کو نقل کرنے میں ورع و تلخیص و اختصار، طرق و ضبط روایات، متفرقہ طرق وغیرہ پہ توجہ کرے گا نیز ان کی روائی معلومات کی کثرت اور دیگر خصوصیات و فضائل کو پیش نظر رکھے گا تو پتہ چلے گا کہ مسلم ایک ایسا رہبر و امام ہے ان کے بعد ان کے مقام تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا ہے اور بہت ہی کم ان کے معاصر ان کا ہم پایہ شمار ہوتے ہیں یا ان کے علمی مقام کے قریب پہنچے ہیں۔ ۲۴

آپ اسی طرح کہتے ہیں:

صحیح مسلم کی طرح نہ اس کتاب سے پہلے نہ اس کے بعد کوئی کتاب لکھی جاچکی ہے، چونکہ یہ کتاب حسن ترتیب، تلخیص طرق حدیث، بغیر کمی و اضافت کے اسناد احادیث میں بغیر جابجائی کے، مصنف کا سند اور متن کے اختلاف پہ توجہ (اگرچہ ایک حرف ہی کیوں نہ ہو) اور مدلّسین سے نقل شدہ روایات سے آگاہی بخشی اور دیگر خصوصیات جو کہ اس کتاب میں موجود ہیں۔ ۲۵

حافظ بن مَندہ کہتے ہیں: ابو علی نیشابوری حافظ کو کہتے ہوئے سنا کہ آسمان کے نیلے چادر کے نیچے مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی اور کتاب نہیں ہے" ۲۶ ذہبی نے اس بارے میں لکھا ہے: " صحیح مسلم ایک قیمتی کتاب ہے اور اپنے موضوع میں مکمل کتاب ہے جب حفّاظ نے اس کتاب کو دیکھا تو حیران رہ گئے" ۲۷

---

۲۴ ۔ المنہاج فی شرح صحیح مسلم ج ا ص د

۲۵ ۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۸۹،

۲۶ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۶۹

۲۷ ۔ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۳۳۔

وہ خصوصیات جو حسن ترتیب و ضبط درست اور اختلاف الفاظ پہ توجہ دینے کی وجہ سے صحیح مسلم کے لیے قائل ہو گئے ہیں اسی لیے بعض لوگوں نے صحیح بخاری پہ اس کتاب کو برتری دی ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: " مغاربہ اور ابو علی نیشابوری نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پہ برتری دی ہے "۲۸

" اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ صحیح مسلم میں صحیح بخاری کے برخلاف بہت کم تعلیقات ہیں اور ایک جگہ پہ اکھٹے روایات کو بیان کیا ہے اور بخاری کی طرح روایات کو مختلف ابواب میں تقطیع کیے بنا بیان کیا ہے (یہ دعوی درست ہے) لیکن بخاری کے صحیح کی خصوصیات یعنی اسناد کی مضبوطی اور صحیح کے اسناد کا انتخاب نیز ان کا معاصر ہونا اور استماع حدیث بخاری کے توسط سے ان خصوصیات کا صحیح مسلم مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔۲۹

اسی طرح ایک اور جگہ کہتے ہیں: اہل مغرب (آفریقا) کے ایک گروہ نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پہ فوقیت دی ہے من جملہ: حافظ ابو احمد بن حزم، کیونکہ مسلم نے خطبہ کے فوران بعد حدیث کو بیان کیا ہے بغیر کسی چیز سے خلط ملط کئے۔۔۔۔ اور حدیث کے تمام طرق کو ایک ہی جگہ بیان کیا ہے۔

نووی کہتے ہیں:

ابو عبدالرحمان نسائی سے بیان ہوا ہے انہوں نے کہا: " جو کچھ اس کتاب میں بیان ہوئی ہے بخاری کی کتاب سے بہتر ہے۔ "۳۰

ذہبی نے ابن عمرو حمدان سے اس طرح بیان کیا ہے:

ابن عقدہ سے پوچھا بخاری زیادہ حافظ ہے یا مسلم؟ انہوں نے جواب میں کہا: مسلم اور بخاری دونوں ہی عالم ہیں۔ میں نے سوال کو دوبارہ پوچھا، انہوں نے کہا: اہل شام کی نگاہ میں بخاری سے ۴ غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، کیونکہ بخاری نے ان سے ان کی کتب کو لینے کے بعد ایک جگہ راوی کو نام کے بجائے کنیت اور دوسری جگہ نام لیا گیا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ یہ دو افراد ہیں، لیکن مسلم بعض جگہوں پہ علل کا شکار ہوا ہے، کیونکہ مسانید تحریر کی ہے نہ مقاطیع اور مراسیل کو۔۳۱

فؤاد سزگین اس بات کے قائل ہیں:

---

۲۸ ۔ البدایہ والنہایہ ج۱۱ص ب

۲۹ ۔ البدایہ والنہایہ ج۱۱ص ب

۳۰ ۔النکت علی کتاب ابن الصلاح ج۱ص ۲۸۲؛ تاریخ بغداد ج۲ص ۹۔

۳۱ ۔الامام المسلم۔ شروط الائمہ السنہ ص۷۰۸

صحیح مسلم حسن ترتیب میں بخاری پہ برتری رکھتی ہے۔" ۳۲

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا تقابلی جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱۔ صحیح بخاری قدمت زمانی اور بخاری کی مسلم کی نسبت مقام تحدیث اور استادی کی وجہ سے نیز بخاری کی علمی وسعت کی بنا پہ اہل سنت نے بخاری کی صحیح کو مسلم کی صحیح پہ فوقیت دی ہے۔

۲۔ مسلم کی صحیح دو جہات سے یعنی سند اور ساخت کے لحاظ سے صحیح بخاری پہ فوقیت رکھتی ہے۔

۱۔۲) سندی برتری: جیسا کہ مسلم نے کتاب کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے روایات کو نقل کرنے میں راویان کی وثاقت اور ضبط پہ توجہ دی ہے۔ جیسا کہ ابن عقدہ نے بیان کیا ہے راویان کے ناموں کو ضبط کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔

۲۔۲) ساخت کی برتری: مسلم نے اپنی کتاب میں بخاری کے برخلاف ان نکات پہ توجہ دیا ہے:

الف: کتاب منظّم اور ترتیب بہتر ہے۔

ب: روایات کو ایک جگہ ذکر کیا ہے اور تقطیع کرنے سے پرہیز کیا ہے۔

ج: مسلم نے روایات کو ذکر کرنے کے بعد دیگر طرق اور سند اور متن کے اختلاف کو بیان کیا ہے۔

---

۳۲ ۔ تاریخ تراث العربی ج۱ ص ۲۶۴

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«بیالیسواں سبق»

صحیح تحریر کرنے کا محرک

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

صحیح تحریر کرنے کا محرک

مسلم کتاب کے آغاز میں ایک شخص (ممکن ہے یہ شخص خود بھی عالم اور محدث ہو) کی جامع روایات کتاب فراہم کرنے کی درخواست کے بارے میں بتاتے ہیں آپ کا کلام یہ ہے:

اما بعد تم نے یاددہانی کرایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل شدہ روایات دینی احکام و ثواب اور عقاب، تشویق اور تخویف اور دیگر موضوعات کے بارے میں ہیں ان اسناد کے ساتھ جو اہل علم کے قریب قابل قبول ہے سے مطلع ہونا چاہا، تم نے چاہا کہ ان روایات کو ایک کتاب میں بغیر مکررات کے جمع کروں ۔۔۔ کم تعداد میں روایات کا اتقان اور ضبط کے ساتھ نقل کرنا زیادہ روایات کے بیان کرنے سے بہتر ہے بالخصوص عوام کے لیے جو صحیح اور غلط احادیث کو علیحدہ نہیں کر سکتے ہیں۔۔۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ صحیح روایات نقل کی جائے اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو یہ کام زیادہ ضعیف روایات کے نقل سے زیادہ بہتر ہے۔ اور زیادہ اور مکرر روایات کا بیان صرف ایک خاص گروہ جو علم حدیث سے آشنا ہوں اور اسباب و علل حدیث سے آگاہ ہونے کے لیے مناسب ہے۔۔ لیکن عوام جو کہ خواص کے برخلاف اس سلسلے میں آگاہی نہیں رکھتے ہیں کثرت نقل حدیث ان کے لیے بے معنی ہے یہاں تک کہ عوام اسی صحیح اور کم روایات کی پہچان سے بھی ناتوان ہیں۔۔۔۱

مسلم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل شدہ روایات کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے روایات کو قبول کرنے میں اپنے معیارات بتاتے ہیں۔۲

مسلم کے اس کلام کا مخاطب کون ہے اور کس شخص نے ان سے جامع روایات کی درخواست کی معلوم نہیں ہے۔ لیکن دیگر موارد کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کی خواہشات اور درخواست زیادہ تر علما اور محدثین کی طرف سے کی جاتی ہے کیونکہ علمی کام کی ضرورت اور کام کی قسم کو معیّن کرنا جو کہ اس قسم کی درخواست میں زیادہ تر مشاہدہ کیا جاتا ہے صرف اس کام سے آشنا اور ماہر حضرات ہی کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ مسلم کے گفتار سے چند نکات حاصل کیے جا سکتے ہیں:

۱۔ صحیح مسلم ج۱ ص۴،۵۔
۲۔ صحیح مسلم ج۱ ص۴،۵۔

۱۔ مسلم کی صحیح پیغمبر ﷺ کی احادیث پہ نظارت کرتی ہے اور یہ صرف اس کتاب تک محدود نہیں ہے بلکہ اہل سنت کی تمام کتب حدیث میں پیغمبر ﷺ کی روایات ہیں۔ اور اگر صحابہ یا تابعی سے کوئی کلام بیان ہوا ہے تو وہ بھی باواسطہ یا بلا واسطہ پیغمبر ﷺ ہی کا کلام ہے۔ حالانکہ شیعہ جوامع حدیث میں ائمہؑ کی روایات کے عنوان سے ایک باب کھول دیا گیا ہے اور ہزاروں کی تعداد میں روایات موجود ہیں۔

۲۔ مسلم کی صحیح میں سنن واحکام کی روایات کے علاوہ دینی شناخت کی روایات بھی بیان ہوئی ہیں اسی لیے اس کتاب کو الجامع کا عنوان دیا گیا ہے۔

۳۔ مذکورہ شخص کی درخواست پہ مسلم کے لیے ضروری ہوا کہ روایات کو ان اسناد کے ساتھ ذکر کیا جائے جو اہل علم کے لیے شناختہ اور ان کے درمیان معمول ہو۔

۴۔ مسلم نے مقدمہ میں تاکید کیا ہے کہ ان کا صحیح لکھنے کا مقصد صحیح و غلط روایات کو جمع کرنا نہیں ہے۔ آپ اس بارے میں کہتے ہیں کہ اس قسم کا کام صرف علماء اور حدیث سے آشنا لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ وہ لوگ نقل شدہ تمام روایات کی شناخت کے ساتھ ساتھ صحیح اور غلط روایات کو معیّن کرسکتے ہیں۔ لیکن عوام چونکہ قدرت تشخیص نہیں رکھتے ہیں ان کے لیے یہ کام حیرانی اور گمراہی کا باعث بنے گا۔ اس لیے مسلم کا مقصد ان روایات کا بیان ہے جو ان کی نگاہ میں درست ہیں اس لیے ان کے کتاب کو الصحیح کا عنوان دیا گیا ہے۔

اس لیے کہ مسلم صحیح اور غلط روایات کو جمع کرنا عوام کے لیے بے کار سمجھتے ہیں نیز اسحاق بن راہویہ نے اپنے شاگردوں سے صحیح روایات کو جمع کرنے کی درخواست کی ان تمام باتوں سے نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ مسلم سے پہلے اس طرح کے کام مسند احمد بن حنبل کی طرح رائج تھا اور لوگ اس طریقہ کار کے بے معنی ہونے سے بھی آگاہ تھے۔

مسلم بن حجاج سے پہلے صحیح اور غلط روایات کو جمع کرنے کا مشہور طریقے کی ناکامی بھی ان عوامل میں سے ہیں جن کی بنا پہ مسلم نے روایات کو جمع کرنے کا نیا طریقہ ایجاد کی۔

مشہور حسن اس بارے میں کہتے ہیں:

صحیح کو تحریر کرنے والا دوسرا عامل صحیحین کی تدوین سے پہلے حدیث کو مرتب و منظّم کرنا تھا صحیح و غیر صحیح، قوی اور ضعیف احادیث میں خلط ملط تھا اور خاص لوگ ہی جوامع حدیث سے استفادہ کر سکتے تھے اور عوام اس سے فائدہ نہیں لے سکتے تھے۔ ۳

۵۔ ایک اور نکتہ جو مسلم کے کلام سے ملتا ہے: ان کا مکرر روایات کی طرف دھیان ہے اور یہی توجہ ان کی کتاب کو دیگر کتب پہ برتری دے گئی ہے۔

صحیح مسلم کی روایات کا میزان اعتبار

مسلم کی روایات پہ دو پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے:

۱۔ کیا صحیح مسلم کی تمام روایات درست ہیں؟ دوسری عبارتوں میں یوں کہا جائے: کیا صحیح روایات صحیح مسلم ہی میں محدود ہیں؟

۲۔ کیا مسلم کا نقل کردہ تمام روایات درست ہیں اور ان روایات میں ضعیف اور جعلی روایات نہیں ہیں؟

پہلے سوال کا جواب:

مسلم نے خود ہی اس سوال کا جواب دیا ہے: "لیس کل شیء عندی صحیح وضعت وصنعت ھاھنا، انما ھاھنا اجمعوا علیہ" اس کلام میں مسلم نے واضح طور پہ بتا دیا ہے کہ صحیح روایات ان کی نگاہ میں دو قسم کی ہیں:

۱) وہ روایات جن کی صحت پہ اجماع موجود ہے ۲) صحیح روایات جن پہ اجماع موجود نہیں ہے اور انہوں نے صرف پہلے گروہ کو بیان کیا ہے اور ان کا یہ کلام کہ "جو روایات میری کتاب میں نقل نہیں ہوئی ہیں وہ حجت الٰہی ہیں" ۴ اس نکتے کو بیان کرتا ہوگا کہ وہ روایات جو حجت الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ اجماع سے مطابقت رکھتی ہو۔

ڈاکٹر محمد عبد الرحمان طوالبہ اس بات کے قائل ہیں کہ مسلم کا یہ کلام "میں نے اس صحیح مسند کو تین لاکھ مسموع احادیث کے درمیان سے انتخاب کیا ہے" ۵ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلم کی کتاب میں تمام صحیح روایات بیان نہیں ہوئی ہیں۔ ۶ روایات کا مسموع ہونا ان کی صحت پہ دلالت کرتی ہے۔

۳۔ اعلام المساعین ص ۱۵۴

۴۔ الامام مسلم و منہجہ فی صحیحہ ص ۱۱۵

۵۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۵۷۱

۶۔ الامام مسلم و منہجہ فی صحیحہ ص ۱۱۵

ان توجیہات کے علاوہ یہاں یہ سوال پیش آتا ہے مسلم نے بقیہ صحیح روایات کو اپنی کتاب میں کیوں نقل نہیں کیا؟ کیا روایات کی صحت میں اہل سنت علما کی اجماع و اتفاق رائے سے مطابق ہونا ؛ شرط ہے؟ اگر اس طرح ہے تو اس تعریف کے مطابق صحیح حدیث کی ایک نئ تعریف اہل سنت کی دوسری اہم کتاب میں پائی جاتی ہے یہاں یہ سوال پیش آئے گا اگر اہل سنت اجماع سے مطابقت؛ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہوتا تو باقی علما نے اس شرط کو کیوں اضافہ نہیں کیا؟

دوسرے سوال کا جواب:

اہل سنت علماء نے نہایت ہی سخت الفاظ میں صحیح مسلم کی روایات سے دفاع کرنے کے باوجود اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات درست نہیں ہے۔ڈاکٹر طوالبہ اس بارے میں کہتے ہیں:

دہلوی کہتے ہیں: " محدثان کا اتفاق رائے ہے کہ مسلم کی تمام روایات متصل، مرفوع، اور صحیح ہیں" لیکن یہ باتیں عام باتیں ہیں اور ان کو تخصیص کی ضرورت ہے۔ اور درست بات وہی ہے جو سخاوی نے اس بارے میں کہی ہے: " جو کچھ مسلم و بخاری نے متصل اسناد کے ساتھ بیان کیے ہیں یقینا درست ہیں ان موارد کے علاوہ جہاں تنقید ہوئی ہے تعلیقات وغیرہ کے علاوہ" اور جو کچھ مسلم و بخاری پہ ہوئی تنقید کے جواب میں علما نے بیان کیا ہے جیسا کہ ابن حجر نے شرح بخاری میں، نووی نے شرح مسلم میں تکلف کے ہمراہ ہے سخاوی کی بات کا جواب نہیں دے سکتے ہیں"۔[۷]

بعض کتب جن میں صحیح مسلم پہ تنقید ہوئی ہے اور شاید ان کے جوابات بھی دیا گیا ہے۔[۸]

صحیح مسلم میں نقل روایات کا اسلوب

مذکورہ بات کو سمجھانے کے لیے باب فضائل الصحابہ میں فضائل علی بن ابی طالب کو نمونہ کے طور پہ بیان کریں گے:

مسلم، پہلی روایت میں یحیٰی بن یحیٰی، سعید بن مسیب، عامر بن سعد ابی وقاص کی اسناد سے پیغمبر ﷺ نے علیؑ کو خطاب کرکے فرمایا: " انت منّی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ، الّا لا نبی بعدی"۔[۹]

۷۔ الامام مسلم ومنہجہ فی صحیحہ ص۱۱۵

۸۔ صحیح مسلم ص۱۰۴۱ حدیث ۲۴۰۴

۹۔ صحیح مسلم ص۱۰۴۱ حدیث ۲۴۰۴

پھر اس بارے میں لکھتے ہیں: "سعید (بن مسیب) کہتا ہے میں اس روایت کو خود سعد (بن ابی وقاص) سے سننا چاہتا تھا لہذا سعد سے ملاقات کی اور اس کے بیٹے نے جو روایت میرے لیے نقل کیا تھا اس روایت کو دوبارہ بیان کیا تو سعد نے کہا میں نے یہ حدیث سنا ہے میں نے پوچھا کیا تو نے یہ حدیث سنا ہے؟ اس نے ہاتھوں کو کانوں پہ رکھا اور کہا: "ہاں" پھر چپ ہو گیا۔" ۱۰

مسلم اسی روایت کو مزید تشریح کے ساتھ ابوبکر بن ابی شیبہ سے اس نے مصعب بن سعد بن ابی وقاص (سعد کے دوسرے بیٹے) سے وہ اپنے والد سے اس طرح نقل کرتے ہیں: پیغمبر ﷺ نے علیؑ کو مدینہ میں اپنے جانشیں کے عنوان سے چھوڑ گئے۔ علی نے کہا: اے رسول خدا! مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ کے جا رہے ہو؟ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: "اما ترضی ان تکون منیّ بمنزلۃ ہارون من موسیٰ؟ غیر انّہ لا نبی بعدی" ۱۱

پھر کہتے ہیں: عبید اللہ بن معاذ نے ابی شیبہ سے اسی سند سے ہمارے لیے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

آپ ایک اور روایت کو قتیبہ ابن سعید و محمد بن عباد (دونوں روایات لفظ کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں) سے وہ عامر بن سعد بن ابن ابی وقاص اپنے والد سے اس طرح نقل کرتے ہیں: "معاویہ بن ابی سفیان نے سعد کو بلایا اور اس سے کہا: ابا تراب (حضرت علیؑ) کو لعنت کیوں نہیں کرتے ہو؟ کہا: میں نے تین جملے رسول اللہ ﷺ کو علی سے فرماتے ہوئے سنا تھا اس وجہ سے کبھی بھی علی کو لعنت نہیں کروں گا۔ اگر ان میں سے ایک جملہ میرے بارے میں ہوتا تو سرخ بال والے اونٹوں سے میرے لیے بہتر ہوتا میں نے سنا: اس وقت جب ایک جنگ میں آپ کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے علیؑ نے ان سے کہا: اے رسول خدا! مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ کے جا رہے ہیں؟ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اما ترضی ان تکون منیّ بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الّا انّہ لا نبوۃ بعدی۔۔۔ ۱۲

پھر اس بارے میں ایک اور روایات کو ابوبکر بن ابی شیبہ سے وہ سعد بن ابراہیم سے وہ ابراہیم بن سعد سے وہ سعد (ابن ابی وقاص) سے پیغمبر ﷺ علی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "اما ترضی ان تکون منیّ بمنزلۃ ہارون من موسیٰ"۔ ۱۳

۱۰۔ صحیح مسلم ص ۱۰۴۱ حدیث ۲۴۰۴

۱۱۔ صحیح مسلم ص ۱۰۴۱، ۱۰۴۲۔

۱۲۔ صحیح مسلم ص ۱۰۴۲۔

۱۳۔ صحیح مسلم ص ۱۰۴۱۔

مسلم نے حدیث منزلت کو پانچ طرق سے مختلف الفاظ جو کہ ایک دوسرے سے قریب ہے سے نقل کیا ہے۔اور جہاں پہ روایات کے الفاظ ایک ہیں تیسری روایت کی طرح صرف طریق کے تفاوت کی طرف اشارہ کیا ہے اور روایت کے متن کو نہیں بیان کیا ہے آپ نے اسی طرح روایت کے اتقان و اعتبار پہ دلالت کرنے والے نکات کو بیان کیا ہے جیسا کہ پہلی روایت کو سعد بن مسیب سے نقل کرنے کے بعد کیا ہے۔

صحیح مسلم کی شروحات

صحیح مسلم کی بعض شروح کاذیل میں تعارف بیان کیاجائے گا:

ا۔المنہاج فی شرح صحیح مسلم ابن الحجاج؛ یحیٰی بن شرف الدین نووی (۶۷۶ یا ۶۷۷) نووی ساتویں صدی کے مشہور اہل سنت محدث ہیں۔آپ ۶۳۱ ہجری کو دمشق کے شہر نوا میں پیدا ہوئے اور علم حدیث کے مشہور اساتذہ ابراہیم بن عیسی مرادی، ابو اسحاق واسطی، ابو الفرج ابن قدامہ مقدسی وغیرہ سے مستفید ہوئے ان کے کتب کی تعداد ۲۶ بتائی جاتی ہے الروضہ، ریاض الصالحین، التبیان، الارشاد، من جملہ کتابیں ہیں۔

عبد الغنی دقر نے شرح نووی کی تعریف میں لکھا ہے:

کسی نے نووی کی صحیح مسلم پہ شرح کی طرح مکمل و مضبوط اور مختصر شرح کا مشاہدہ نہیں کیا ہے انہوں نے قارئین کے کسی سوال کو بغیر جواب کے نہیں چھوڑا ہے چاہے وہ سند اور لغت کی بحث ہوں یا مجہول راویوں کے نام معیّن کرنا،احادیث کے معنا بیان کرنے ہو یا مطالب کو استنباط کرنا ہو۔۔۔۔۔۔۔[۱۴]

نووی نے کتاب کے مقدمہ میں کتاب کی خصوصیات اور اسلوب تحریر کو مکمل بیان کیا ہے۔اہل سنت علماء حدیث کی نگاہ میں نووی کی شرح صحیح مسلم کی سب سے بہترین اور معتبر شرح ہے۔اٹھارہ جلدوں پر مشتمل یہ شرح ۹ جلدوں چھاپ ہوئی ہے۔

۲۔اکمال اکمال المعلم؛ محمد بن خلیفہ رستانی ابّی کی شرح مکمّل اکمال الکمال، محمد بن محمد یوسف سنونی حسینی؛ اکمال المعلم کو قاضی عیاض (م ۵۴۴) نے صحیح مسلم پہ شرح لکھا ہے لیکن یہ شرح ہم تک نہیں پہنچی ہے اکمال اکمال المعلم محمد بن خلیفہ ابن عمر تونسی ابّی کی قاضی عیاض کی شرح کی تحشیہ ہے یہ کتاب قاضی عیاض ،ابّی اور سنوسی کی صحیح مسلم پہ شروحات پر مشتمل ہے۔

۳۔الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، جلال الدین سیوطی (۹۱۱) کی شرح

---

۱۴ ۔ صحیح مسلم ص ۱۰۴۱۔

عبد الرحمان ابو بکر جلال سیوطی اہل سنت کے انتھک محنتی اور بہت زیادہ تصانیف کے مصنف اور محدث ہیں۔ ۸۴۹ ہجری کو مغرب میں پیدا ہوئے آپ خود اپنے حالات زندگی میں کہتے ہیں کہ سات علوم کے ماہر ہیں: تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع۔ ۱۵

سیوطی الدیباج کے آغاز میں کہتے ہیں: صحیح بخاری پہ التوشیح نامی شرح لکھنے کے بعد صحیح مسلم پہ اسی طرح شرح لکھنے کا ارادہ کیا اور اس شرح میں مشکل الفاظ کی تشریح اور احادیث کے اختلافات کو بیان کیا ہے یہ شرح ۹ جلدوں میں ابو اسحاق الجوینی الاثری کی تحقیق کا ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۱۵۔ جامع الاحادیث ج ۱ ص ۹-۱۲۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«تینتالیسواں سبق»

سنن ابی داؤد کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com

research@almustafaou.com

تفصیل

سنن ابی داوٗد سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵)

ابی داوٗد کی سوانح حیات

سلمان بن اشعث بن شداد عمرو بن عامر ۲۰۲ ہجری کو سجستان؛ مغربی ہرات (کھجور و ریتلی سرزمین) میں پیدا ہوئے اور حدیث کی تعلیم کے لیے اس زمانے کے مرکز حدیث: خراساں، مکّہ، کوفہ، حلب، حران، دمشق و بغداد کی جانب سفر کیا۔ مکّہ میں قعنبی، سلیمان بن حرف، مسلم بن ابراہیم، کوفہ میں حسن بن ربیع، احمد بن یونس، دمشق میں صفوان بن صالح، ہشام بن عمار، خراساں میں اسحاق بن راہویہ، بغداد میں احمد بن حنبل، بلخ میں قتیبہ بن سعید، مصر میں احمد بن صالح سے حدیث سنا۔ا

اسحاق بن راہویہ، احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحیٰی بن معین کاان کی تعلیم وتربیت میں بڑا اہم کردار تھا۔حاکم نے ابی داوٗد کے بیٹے سے اس طرح نقل کیا ہے: "میں نے بہت محدثان کو دیکھا لیکن ابن معین جیسا حافظ اور حدیث سے مکمل آگاہ کسی اور کو نہیں پایا علل حدیث میں علی بن مدینی سے زیادہ کوئی اور آگاہ نہ تھا اسحاق (ابن راہویہ) حدیث سے واقف ہوتے ہوئے بھی احمد بن حنبل کو خود پہ برتری دیتے تھے اور ان کے علمی مقام کے قائل تھے۔۲ ابی داوٗد کے شاگردوں میں اہل سنت کے حدیث کے مشہور شخصیات ابوعیسی ترمذی، نسائی، سنن کے مصنفین، ابوعوانہ اسفرائینی، احمد بن ابراہیم بن اشنانی، احمد بن علی بن حسن بصری، ابوسعید بن اعرابی، سنن کے راویان وغیرہ شامل ہیں۔

اہل سنت علمانے ابی داوٗد کو عظمت سے یاد کیا ہے موسی بن ہارون کہتا ہے: "ابو داوٗد دنیا میں حدیث کے لیے پیدا ہوئے ہیں" ۳

ابن حبان کہتا ہے: " ابو داوٗد دنیا میں فقہ، علم و حفظ حدیث اور عبادت کے سلسلے میں دنیا والوں کے لیے امام ہیں، انہوں نے حدیث کو جمع اور سنت دفاع کیا ہے" ۴

ابو عبداللہ حاکم نیشابوری کہتا ہے: "ابو داوٗد بغیر تنازعہ کے اپنے عصر کے امام حدیث تھے۔" ۵

ا۔تاریخ مدینۃ دمشق ج ۲۲ ص ۱۹۶، البدایہ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۶۵

۲۔ سنن ابی داوٗد ص ۷ (مقدمہ)

۳۔ سنن ابی داوٗد ص ۷ (مقدمہ)

۴۔ سنن ابی داوٗد ص ۵ (مقدمہ)

۵۔ سنن ابی داوٗد ص ۵ (مقدمہ)

ابن اسحاق صاغانی کہتا ہے: "حدیث اس طرح ابی داؤد کے لیے نرم ہوئی جس طرح لوہا حضرت نوح کے لیے"۔٦
ایک اور جگہ ان سے اور ابراہیم حربی سے نقل کیا ہے: ابو داؤد نے جب سنن تحریر کیا تو حدیث ان کے لیے یوں نرم ہوئی جس طرح لوہا حضرت داؤد کے لیے۔٧

احمد بن محمد یاسین کہتا ہے: "ابو داؤد حدیث رسول ﷺ کے حافظ ، علم اور علل حدیث سے واقف، فراواں عبادت کرنے والے تھے۔"٨

ابو داؤد علم حدیث کے علاوہ علم فقہ میں بھی عالی مقام کے حامل تھے اور سنن تحریر کرنے کا ایک مقصد روایات فقہ سے استفادہ کی راہ ہموار کرنا تھا۔ ذہبی اس بارے میں کہتا ہے: "ابو داؤد حدیث اور فنون میں پیشوا ہونے کے علاوہ فقیہ بھی ہیں اس دعوی کی دلیل ان (سنن) کی کتاب ہے۔آپ احمد بن حنبل کے منتخب اصحاب میں سے تھے اور کچھ عرصہ ان کے محفل درس سے مستفید ہوئے اور اصول و فروع کے اہم مسائل کو ان سے پوچھا۔"٩

سنن کے علاوہ ابو داؤد کی بارہ اور کتابیں ہیں من جملہ :

- المسائل التی خالف علیہا الامام احمد بن حنبل
- کتاب المراسیل
- کتاب فی الرجال
- کتاب القدر١٠

ابو داؤد ٢٧٥ ہجری کو بصرہ میں انتقال کر گئے۔

---

٦ ۔ سنن ابی داؤد ۵ (مقدمہ)
٧ ۔ سنن ابی داؤد ص٦ (مقدمہ)
٨ ۔ سنن ابی داؤد ص٦ (مقدمہ)
٩ ۔ سنن ابی داؤد ص٨،٧ (مقدمہ)
١٠ ۔ سنن ابی داؤد ص،٨٧ (مقدمہ)

سنن ابی داؤد کا تعارف

ابو داؤد کا سنن صحاح ستّہ کی تیسری مستند کتاب ہے جسے اہل سنت علماء نے قبول کیا ہے ابو داؤد ایسے احادیث کو جمع کرنا چاہتے تھے جو فقہاء کے استنباط اور استدلال کے کام آئے اسی لیے ان کی کتاب احادیث فقہ سے مخصوص ہے اور آپ پہلے شخص ہیں جس نے جامع یا مستند کے بجائے سنن کی تحریر پہ توجہ دیا ہے۔ ابو بکر بن داسہ سنن کا ایک راوی ابو داؤد سے اس طرح نقل کرتا ہے:

"رسول اللہ ﷺ کی پانچ سو احادیث کو لکھا اور ان میں سے ۴۸۰۰ روایات کو انتخاب کیا صحیح اور قریب بہ صحیح روایات کو نقل کیا ہے۔"[۱۱]

ابن داسہ نے ایک اور جگہ ابو داؤد سے نقل کیا ہے: سنن میں صحیح اور قریب بہ صحیح روایات کو نقل کیا ہے اور ان میں کوئی مشکل تھی ان کو بیان کیا ہے۔[۱۲]

نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کتاب تحریر کرنے کے بعد اپنے استاد احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا اور احمد بن حنبل نے کتاب کو پسند کیا۔[۱۳]

ابو داؤد نے مکہ والوں کے نام ایک خط میں کتاب کی خصوصیات کو اس طرح بیان کیا ہے:

- دو صحیح احادیث میں سے جس حدیث کا راوی حفظ میں مقدم تھا اس کی حدیث کو نقل کیا ہے۔
- حدیث کی ابوابیات (اختصار کی خاطر) کم ہے۔
- ضروری مواقع پہ احادیث کو دوبارہ بیان کیا ہے۔
- احادیث مختصراً بیان ہوئی ہیں۔
- مراسیل سے بھی احتجاج کیا گیا ہے۔
- احادیث غور و فکر شدہ ہیں۔
- وہن (سستی) حدیث کو بیان کیا ہے۔

۱۱۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۹؛ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۶۴

۱۲۔ سنن ابی داؤد ص ۶

۱۳۔ سنن ابی داؤد ص ۶

❖ متروک الحدیث شخص سے روایت نقل نہیں کیا ہے۔

ابو داؤد کے سنن کو مختلف راویان نے نقل کیا ہے اور ابن کثیر کے کہنے کے مطابق ان کی روایات میں فرق ہے ان راویان میں سے ۴ راوی بہت مشہور ہیں :

۱. ابو بکر بن محمد عرف ابن داسہ (م۳۴۶)؛
۲. ابو سعید، احمد بن زیاد عرف ابن عربی (م۳۴۰)؛
۳. ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤئے بصری (م۳۳۳)؛
۴. ابو عیسی اسحاق بن موسیٰ سعید رملی (۳۲۰)۔

ان میں سے ابن داسہ کی روایات زیادہ مکمل ہیں رملی کی روایات قریب بہ مکمل لؤلؤی کی اصح (زیادہ درست) ہیں۔۔شاہ عبد العزیز دہلوی کہتا ہے: "لؤلؤی کی روایات مشرق میں اور ابن داسہ کی مغرب میں مشہور ہے اور دونوں کی روایات ایک جیسی ہیں اور صرف تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے کم اور زیادہ نہیں ہے ابن عربی کی روایات کے برخلاف کیونکہ اس کی روایات کی تعداد کم ہیں۔ ۱۴

سیوطی کے نقل کے مطابق ابو داؤد کی روایات بنقل ابو بکر بن داسہ ۴۸۰۰ روایات ہیں لیکن دوسری ایڈیشن میں ۵۲۷۴ احادیث ہیں۔

شرح عینی کی تمہید کے مطابق اس کتاب پہ ۱۶ شرح لکھے جاچکے ہیں ۱۵ سنن کی تمہید میں ان کتب کا نام ذکر ہوا ہے ان میں سے کچھ شروحات ہیں اور کچھ حاشیے اور تعلیقے اور تلخیص ہیں۔ ۱۶

اہل سنت دانشوروں کی نگاہ میں سنن ابی داؤد کا مرتبہ

اہل سنت علماء کی نگاہ میں سنن ابی داؤد صحیح مسلم کے بعد تیسری مستند اور اہم کتاب ہے یہ مصنف کے علمی مقام اور کتاب کے مستند ہونے پہ ان کی توجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہاں اہل سنت علماء کی ایک بڑی تعداد کے کلام کو بیان کریں گے :

---

۱۴ ۔ سنن ابی داؤد ص ۱۲ (مقدمہ)
۱۵ ۔ شرح ابی داؤد ص ۲۸،۲۷۔
۱۶ ۔ سنن ابی داؤد ص ۸۔

حافظ ابو بکر خطیب کہتا ہے:

"ابو داوٗد کا سنن ایک عظیم کتاب ہے اسلامی علم میں اس کی مانند کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے اور عوام و فقہاء نے فقہی اختلافات کے باوجود اس کتاب کو قبول کیا ہے عراقی و مصری، دور دراز علاقوں کے رہنے والے، اور مختلف اسلامی شہروں میں اسی پہ انحصار کرتے ہیں، ابی داوٗد سے پہلے علماء جوامع، مسانید وغیرہ لکھتے تھے اور ان کتب میں سنن اور احکام کے علاوہ واقعات، قصے، نصیحات، آداب بھی بیان ہوتے تھے، ابی داوٗد سے پہلے کسی عالم نے سنن سے مخصوص کتاب نہیں لکھی اسی لیے سنن کی کتاب دانشوران حدیث کے لیے حیرت انگیز تھا۔۱۷

ابن عربی (سنن کا ایک راوی اور ابی داوٗد کا شاگرد) کہتا ہے:

"اگر حصول علم کے لیے کسی کے پاس قران اور ابی داوٗد کی سنن کے علاوہ کوئی اور کتاب نہ ہو پھر بھی اسے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں ہوگی۔۱۸

خطابی ابن عربی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد اس کلام سے دفاع کے سلسلے میں کہتا ہے:

"ابی داوٗد نے اپنی کتاب میں علم کے بنیادی اصول، احکام و سنن کے اصول ان سے پہلے اس کام کی مثال نہیں ملتی کو بیان کیا ہے۔۱۹

نووی اس بات کے قائل ہیں:

"جو کوئی فقہ اور دوسرے علوم میں مصروف ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ابی داوٗد کی سنن کا مکمل مطالعہ کرے کیونکہ احکام سے متعلقہ ضروری روایات وہاں ملے گی بالخصوص اس کتاب میں ان روایات تک رسائی نہایت آسان اور احادیث کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے مصنف صاحب ذوق تھے اور روایات کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے۔۲۰

حاکم نیشابوری کہتا ہے:

---

۱۷ ۔ سنن ابی داوٗد ص۹

۱۸ ۔ سنن ابی داوٗد ص۹

۱۹ ۔ سنن ابی داوٗد ص۹

۲۰ ۔ سنن ابی داوٗد ص۹۔

"زبیر بن عبداللہ بن موسیٰ نے محمد بن مخلد کو کہتا ہوا سنا: " ابو داؤد نے ایک لاکھ احادیث سیکھا جب سنن کو تحریر کیا اور لوگوں کے سامنے پیش کا تو ان کی کتاب لوگوں کے لیے قرآن کی مانند بن گئ اور اس کی پیروی کرتے اور اس کتاب کے برخلاف کام نہیں کرتے اور ان کے ہم عصر علما نے اس کام میں ان کی سبقت کا اقرار کیا۔" ۲۱

حافظ ذکریا ساجی کہتا ہے:

" اللہ کی کتاب اصل اسلام اور ابی داؤد کی کتاب عہد اسلام ہے" ۲۲

ساجی کا مطلب یہ ہوگا کہ ابی داؤد کی سنن میں احکام اسلامی بیان ہوئی ہے اور ان پہ عمل کرنا عہد اسلام کی مانند ہے۔

ان باتوں سے (بعض باتیں مبالغہ آمیز ہیں) یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے:

۱. ابو داؤد پہلے شخص ہیں جس نے احکام شرعی سے متعلق کتاب حدیث تحریر کی ہے۔
۲. احادیث فقہ اس کتاب میں تلخیص اور متن وسند تنقیح شدہ ہے۔
۳. ابی داؤد کی کتاب میں احادیث فقہ عام طور پہ ایک خاص مذہب میں رغبت کے باوجود تمام اہل سنت مذاہب کے لیے قابل قبول ہے۔

نقل روایات کا اسلوب

یہاں اسلوب نقل روایات سے واقف ہونے کے لیے، کتاب ۲۳ نمبر ۳۵ "کتاب المہدی" سے چند روایات کو بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں، آپ نے اس کتاب میں ۱۳ روایات کو ذکر کیا ہے۔

پہلی روایت میں عمرو بن عثمان نے جابر بن سمرۃ سے اس طرح نقل کیا ہے "رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: " لا یزال ھذا الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفہ کلھم تجمع علیہ الامّۃ"۔ ۲۴ یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بارہ خلیفے تم پہ حکومت نہ کرے۔

---

۲۱ سنن ابی داؤد ص ۵

۲۲ ۔ سنن ابی داؤد ص ۶

۲۳ ۔ یہاں کتاب سے مراد باب ہے (مترجم)

۲۴ ۔ سنن ابی داؤد ص ۶۷۱۔

پیغمبر ﷺ نے کچھ اور بھی فرمایا لیکن میں نے نہیں سنا میں نے اپنے والد سے پوچھا پیغمبر ﷺ نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا: فرمایا: " کلّھم من قریش " سب قریش سے ہیں۔

دوسری روایت میں موسی بن اسماعیل نے جابر بن سمرہ سے اس طرح نقل کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ سے سنا: "لایزال ھذا الدین عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ" یہ دین بارہ جانشین تک عزیز رہے گا"۔ کہتا ہے لوگوں نے اس کلام کو سنا تو تکبیر کی آواز بلند کی اور شور و غل ہوا، پھر پیغمبر ﷺ نے آہستہ سے کچھ فرمایا، میں نے اپنے والد سے پوچھا پیغمبر ﷺ نے کیا فرمایا؟ کہا: فرمایا: کلّھم من قریش" ۲۵

تیسری روایت میں طریق روایت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جب پیغمبر ﷺ گھر لوٹے تو قریش ان کے پاس آئے اور کہا: ان کے بعد (بارہ خلفاء) کیا ہوگا" آپ ﷺ نے فرمایا: اسکے بعد جنگ و لڑائی ہو گی"۔۲۶

ابو داوٗد نے اس باب کے لیے جو عنوان منتخب کیا ہے اور بارہ خلفا سے متعلق روایات کو بیان کیا ہے صحیح طرح سے سمجھ گئے ہیں کہ یہ روایات (اثنا عشر خلیفۃ "جو ہے مہدی علیہ السلام سے متعلق ہے حقیقت میں وہ اقرار کرتے ہیں کہ مہدی علیہ السلام بارہویں جانشیں اور قریش سے ہونگے۔

یہ بات توجہ طلب ہے۔انہوں نے تین احادیث کو تین مختلف طرق سے مسلسل بیان کیا ہے اور ان میں موجود فرق اور اختلاف کو بیان کیا ہے، جہاں پہ متن مشترکہ ہے متن کو ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ چوتھی حدیث کو پانچ طریق سے " لو لم یبق من الدنیا الا یوم "اس طرح بیان کیا ہے:

پہلی طریق: مسدد بن عمرو بن عبید نے عاصم سے اس نے زرّ سے اس نے عبداللہ سے اس نے پیغمبر ﷺ،

دوسری طریق: مسدد نے محمد بن علا سے ابو بکر ابن عیاش سے عاصم سے زراز سے عبداللہ سے پیغمبر ﷺ سے۔

تیسری طرق: مسدد نے یحیٰ سے سفیان سے۔

چوتھی طریق: احمد بن ابراہیم سے عبید اللہ بن موسیٰ سے زائدہ سے عاصم سے زر سے۔

پانچویں طریق: احمد بن ابراہیم سے عبیداللہ بن موسیٰ سے فطر سے عاصم سے ۔۔۔۔ابو داوٗد سے کہتا ہے: " ان تمام افراد نے پیغمبر ﷺ سے نقل کیا ہے: " لو لم یبق من الدنیا الّا یوم۔۔۔۔" حدیث زائدہ (چوتھی طریق) میں اس طرح نقل ہوئی ہے: "

---

۲۵ ۔ سنن ابی داوٗد ص ۱۷۶

۲۶ ۔ سنن ابی داوٗد ص ۱۷۶

لطول اللہ ذلک الیوم" اور تمام طرق اس لفظ میں متفق ہیں: " حتی یبعث اللہ فیہ رجلا منی او من اھل بیتی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی" حدیث فطر میں (پانچویں طریق) یہ جملہ آیا ہے: "یملاء الارض قسطا و عدلا کماملئت ظلما و جورا"۔

اور حدیث سفیان میں (تیسری طریق) یہ جملہ آیا ہے: " لا تذہب او لا تنقضی الدنیا حتّی یملک العرب رجل من اھل بیتی یواطیء اسمہ اسمی"۔۲۷

پھر اس طرح بیان کیا ہے: قال ابو داؤد: " عمر (پہلی طریق) وابی بکر (دوسری طریق) کے الفاظ سفیان (تیسری طریق) کے ہو بہو ہے۔۲۸ یہی ایک مثال یہ سمجھانے کے لیے کافی ہے کہ ابی داؤد نے مختلف طرق کو بیان کرتے ہوئے ایک روایت کے مشترکہ نکتات اور اختلافی نکات کو بیان کیا ہے۔

---

۲۷ ۔ سنن ابی داؤد ص ٦٧١

۲۸ ۔ سنن ابی داؤد ص ٦٧١۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چوتالیسواں سبق»

سنن ترمذی کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

سنن ترمذی کا تعارف

محمد بن عیسی ترمذی (م۲۷۹) کا سنن

ابو عیسی، محمد بن عیسی ترمذی ۲۰۹ ہجری کو شہر ترمذ دریائے جیحون کے کنارے بوغ نامی گاؤں میں پیدا ہوئےانہوں نے علل حدیث، رجال اور دیگر فنون میں خراساں کے بڑے علماء بالخصوص بخاری کی سربراہی میں تعلیم حاصل کی، حاکم کہتا ہے: عمر بن علّك کو کہتے ہوئے سنا: " بخاری انتقال کر گیااور خراسان میں کسی کو علم، حفظ، ورع، زہد، میں بجائےابو عیسی ترمذی کسی اور کو نہیں چھوڑ گئے۔۱

ترمذی سے نقل ہوا ہے کہ: " علل حدیث، تاریخ اور شناخت اسانید کے لیے نہ عراق میں نہ خراساں میں کسی کو محمد بن اسماعیل بخاری سے زیادہ دانا نہیں دیکھا۔"۲ ترمذی اور بخاری کا ہم عصر ہونے نیز ترمذی کی علم و دانش کی وسعت سے بخاری نے بھی بہت کچھ ترمذی سے سیکھا ہے۔جیسا کہ نقل ہوا ہے بخاری نے ترمذی سے مخاطب ہو کر کہا: " جو کچھ میں نے تجھ سے سیکھا ہے وہ تو نے مجھ سے جو سیکھا ہے سے زیادہ ہے"۔

آپ نے حصول علم کے لیے عراق ومکہ ومدینہ مہاجرت کی اور قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راھویہ، ابو مصعب زہری، یحیٰ بن اکثم وغیرہ سے تعلیم حاصل کیا، ان کے شاگردوں میں احمد بن اسماعیل سمرقندی،احمد بن علی مقری، احمد بن یوسف منفی وغیرہ ہیں۔۳

ترمذی کا صحیح تلفظ ت اور م پہ کسرہ ہے (تِرمِذی) ہے بعض نے تُرمذی اور تَرمذی بھی پڑھا ہے۔ترمذی نابینا تھے بعض کہتے ہیں پیدائشی نابینا تھے بعض کہتے ہیں بہت رونے کی وجہ سے نابینا ہوگئے لہٰذا ضریر کا لقب دیا گیا ہے۔۴ ترمذی کے اور بھی کتابیں ہیں: ۱) کتاب العلل، ۲) قصمیۃ اصحاب رسول اللہ ﷺ ۳) کتاب الزہد ۴) تاریخ ۵ من جملہ ترمذی کے کتب کے نمونے ہیں۔

۱۔ سنن ترمذی ص۷، ۸

۲۔ سنن ترمذی ص۱۴۸۸

۳۔ سنن ترمذی ص۷، ۸، تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۶۳۶، تہذیب الکمال ج۲۶ ص۲۲۵، سیر اعلام النبلاء۲۷۰

۴ ۔ سیر اعلام النبلاء ج۱۳ص۲۷۱

۵ ۔ سنن ترمذی ص۷، ۸، اعلام المساعین ص۱۱۳، ۱۱۲۔

اہل حدیث مذہب سے تعلق رکھتے تھے۶ ترمذی کو دو کاموں کے موجد سمجھا گیا ہے: ۱) کہا جاتا ہے ترمذی پہلا شخص ہے جس نے مقارن فقہ اور تقابلی فقہ کو قائم کیا سنن کے آغاز سے اختتام تک یہ بات قابل مشاہدہ ہے متروک مذہب فقہ بھی ان کی کتاب سے برآمد ہو جاتا ہے ۷ ۲) اہل سنت محدثان کا متفق علیہ قول ہے کہ ترمذی پہلا شخص ہے جس نے صحیح و ضعیف کے ساتھ "حسن" اصطلاح کو ایجاد کیااور حدیث کی بنیادی دو تقسیمات کو تین پہ تقسیم کیا۸، ان کی تعریف کے مطابق حدیث حسن وہ حدیث جو صحیح اور ضعیف کے درمیان میں اور شرائط صحت کے ساتھ ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ راوی خفیف الضبط ہے۔ ترمذی کے زمانے سے آج تک اس نظریے پر عمل ہو رہا ہے۔

صحاح ستّہ کے دیگر مصنفان کی طرح ترمذی کی بھی تعریف ہوئی ہے اور علم رجال کے تمام علماء نے انہیں "ثقہ"؛ "متفق علیہ"؛ "امام فی النقد والجرح"؛ جیسے الفاظ میں یاد کیا ہے۔ ذہبی نے انہیں "ثقة مجمع علیہ"؛اور خلیلی نے "ثقہ متفق علیہ"؛اور ابن حجر نے "ثقہ حافظ" سے یاد کیا ہے۔ ذہبی کا عقیدہ ہے جامع ترمذی، ان کی امامت اور فہم کی بہترین دلیل ہے۔ابن خلکان کہتا ہے: آپ علم حدیث کے امام و رہبر ہیں اور ان کی اقتداء کی جاتی ہے حدیث کو حفظ کرنے میں ان کی مثال دی جاتی ہے، بعض لوگوں نے ترمذی کو صرف ناقل نہ ہونے اور روایات کی فہم اور دلائل کی چھان بین کہ وجہ سے تعریف کی ہے۔۹

ترمذی حدیث کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے آخر کار وطن واپس لوٹے اور سنن کو تحریر کیا۲۷۹ ہجری کو انتقال کر گئے۔

سنن ترمذی کا تعارف

سنن ترمذی فقہ وآداب و سنن کے روایات میں انحصار کی خاطر سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کی طرح ہونے کی بجائے صحیح بخاری اور مسلم کی طرح ہے اس لیے مناسب تھا سنن کے بجائے جامع کا عنوان دیا جاتا، جیساکہ سمعانی، مزی، ذہبی، عسقلانی نے اسی نام کو زیادہ مناسب سمجھا ہے۔۱۰ ابوابیات اور روایات میں وسعت اور احادیث فقہ سے پرے ہٹ کے آداب و سنن کی روایات کا

---

۶ ۔اعلام المساعین ص۹۰

۷ نظرات فی الحدیث للندوی ص۱۵۸،۱۵۷، نقل از اعلام المساعین ص۸۹۔

۸ ۔اصول الحدیث ص۳۳۱، اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص۳۴۴۔

۹ ۔ سنن ترمذی ص۱۰،۹، اعلام المساعین ص۱۷۱۔

۱۰ ۔درسنامہ علم حدیث ص۱۰۸

ذکر ہمارے دعوی کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ البانی کے نظریے کے مطابق الجامع کا عنوان اس لیے اس کتاب کے لیے مناسب ہے کہ اس میں ایسے علوم بیان ہوئے ہیں جو صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب میں نہیں ہے۱۱حلبی نے کشف الضنون میں اور احمد شاکر نے الجامع الصحیح کا نام دیا ہےاگرچہ بعض ضعیف روایات کی موجودگی کی وجہ سے اس عنوان کو تنقید کا نشانہ بنایاہے۔۱۲

ابن طاہر کہتا ہے: ابو اسماعیل شیخ الاسلام کو کہتے ہوئے سنا: "ترمذی کی کتاب جامع بخاری اور مسلم کی کتاب سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ ان دو کتابوں سے صرف ماہر عالم ہی استفادہ کر سکتا ہے لیکن ترمذی کی کتاب سے ہر کوئی استفادہ کر سکتا ہے۔۱۳

ابو نصیر عبد الرحیم بن عبدالخالق کہتا ہے: "ترمذی کی کتاب جامع کی روایات ۴ قسم کی ہیں: ۱۔وہ روایات جن کی صحت یقینی ہیں ۲۔وہ روایات جو ابو داؤد اور نسائی کے شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔ ۳۔وہ روایات جو دیگر روایات سے تعارض رکھتی ہیں اور دیگر روایات کی علت (یعنی چھپا ضعف) کو معیّن کیا ہے۔ ۴۔وہ روایات جو ابی داؤد کے اقرار کے مطابق کسی فقیہ نے ان پہ عمل نہیں کیا ہے۔ ۱۴

ترمذی سے نقل ہوا ہے کہ کہا: "جب اس کتاب کو تحریر کیا تو اسے حجاز، عراق، خراسان کے علما کے سامنے پیش کیا اور انہوں نے اسے پسند کیا اور جس کسی کے گھر میں یہ کتاب ہو گی گویا اس کے گھر میں ایک پیغمبر ہے جو تکلم کرتا ہے۔"

ابو بکر ابن عربی نقل کرتا ہے:

" سنن ترمذی میں ۱۴علوم بیان ہوئے ہیں جو عمل کرنے کے لیے بہت مفید ہے: انہوں نے اسناد کو ذکر کیا ہے اور صحت و ضعف کو بیان کیا ہے اور روایات کے مختلف طرق کو ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ راویان کی جرح و تعدیل، اور ان کی کنیت و نام کو ذکر کیا ہے نیز اتصال یا ارسال کو بھی بیان کیا ہے۔ عمل شدہ روایات اور متروک روایات کو معیّن کیا ہے اور علماء کے نظریے کو روایات کو قبول کرنے نہ کرنے اور تاویل و جواز میں اختلاف کو بیان کیا ہے اور یہ تمام علوم بنیادی اور اصلی علوم ہیں۔ ۱۵

---

۱۱ ۔ضعیف سنن الترمذی ص۱۸۔
۱۲ سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ص ۲۷۴
۱۳ ۔ سنن ترمذی ص۱۰
۱۴ ۔ سنن ترمذی ص۱۰
۱۵ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ص ۲۷۴

سنن ترمذی میں ۲۹۵۹روایات ہیں۔ اس کتاب پہ ۱۲ شرحیں لکھی جا چکی ہے من جملہ: عارضہ الاخودی فی شرح ترمذی، ابو بکر بن عربی معافری (م ۵۴۳)، حسین بن مسعود بغوی (م ۵۱۰) کی شرح، قوت المعتذی، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱) کی شرح، شیخ خلیل مامون شیحا نے صفحات کے پچھلے حصے میں ترمذی کی روایات اور صحاح ستّہ کی روایات کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور مشترک روایات کو بیان کیا ہے۔

نقل روایات میں ترمذی کا اسلوب

ترمذی کی روایات " حدثنا" سے شروع ہوتی ہے اور مکمل اسناد کو بیان کرنے کے بعد " قال ابو عیسیٰ" کے بعد سند اور متن کے قابل ملاحظہ نکات کا ذکر ہوتا ہے سنن نسائی کے برخلاف اس میں نسائی کے نکات بہت ہی کم بیان ہوئے ہیں۔ سنن ترمذی میں تقریباً ہر حدیث کے اختتام پہ نکتہ آیا ہے یہ کام صحاح ستّہ کے کسی مصنف نے نہیں کیا ہے اور ترمذی اس سلسلے میں منفرد ہے کیونکہ صحاح ستّہ کے کسی بھی مصنف نے اس طرح روایات پہ تبصرہ نہیں کیا ہے نیز سنن ترمذی میں احادیث فقہ کے ساتھ آداب و اخلاق کی احادیث بھی بیان ہوئی ہیں لہٰذا یہ تبصرے علم حدیث کے سلسلے میں قیمتی تعلیمات سے نوازتے ہیں اور ان تعلیمات کی توسیع تیسری صدی تک جاری رہا اور اس دور کے محدثان نے ان علوم پہ توجہ دیا ہے۔

ترمذی کے اسلوب سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان کے سنن سے بعض احادیث کو بطور نمونے بیان کریں گے۔

سنن کی پہلی روایت "ابواب الطہارۃ" میں یوں بیان کیا ہے:

حدثنا قتیبہ بن سعید قال: حدثنا ابو عوانہ، عن سماک بن حرب، و حدثنا ھنّاد، حدثنا وکیع عن اسرائیل عن سماک عن مصعب بن سعد عن ابن عمر عن النبیّ ﷺ قال: "لاتقبل صلاۃ بغیر طھور و لا صدقہ من غلول؛ نماز بغیر طہارت کے صدقہ چوری کے مال سے قبول نہیں ہے۔" قال ھنّاد فی حدیثہ: "الّا بطھور؛ ھنّاد کی حدیث میں غیر طھور کی جگہ الّا بطھور آیا ہے۔

قال ابو عیسیٰ: ھذا الحدیث اصحّ فی ھذا الباب و احسن و فی الباب: عن ابی الملیح عن ابیہ و ابی ہریرہ و انس۔ و ابو ملیح بن اسامہ اسمہ عامر و یقال: زید بن اسامہ بن عمیر الھذلی"۔ ۱۶

---

۱۶ ۔ سنن ترمذی ص ۱۷

ترمذی نے مذکورہ روایات کو تین طرق سے نقل کیا ہے: ۱) ابو عوانہ نے سماک بن حرب سے ۲) ھنّاد نے سماک سے ۳) وکیع نے اسرائیل اور اسرائیل نے سماک سے۔ ان تین طرق کو بیان کرنے کے لیے حدثنا کا تین بار ذکر کیا ہے۔

اور سماک نے مصعب بن عمر نے عبداللہ بن عمر نے پیغمبر ﷺ سے روایت کو نقل کیا ہے۔ نقل روایت کے بعد اس نکتے پہ توجہ کرتے ہیں کہ ھنّاد نے "غیر طھور" کی جگہ "الّا طھور" ذکر کیا ہے، یعنی متن اور الفاظ میں موجود فرق کو بیان کیا ہے اور روایت کے آخر میں اپنے نظریے کو بیان کیا ہے کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور بہترین حدیث ہے۔ اس حدیث کے لیے چوتھے طریق کا بھی ذکر کیا ہے جسے ابو الملیح نے اپنے والد سے انھوں نے پیغمبر ﷺ سے یا ابو ہریرہ اور انس سے انس نے پیغمبر ﷺ سے ابو ہریرہ اور انس کو الگ الگ حساب کرنے سے روایت کے لیے تین طریق بنتے ہیں پھر ابو الملیح کا تعارف پیش کیا ہے۔

دوسری روایت وضو کی فضیلت کے بارے میں ہے اس روایت کی سند میں اس طرح بیان ہوا ہے:

حدثنا اسحاق بن موسیٰ الانصاری قال: "حدثنا معن بن عیسیٰ (القزاز) قال: حدثنا مالک بن انس و حدثنا قتیبہ عن مالک عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرہ قال: ۔۔۔"

ترمذی نے اس سند کے بارے میں پانچ نکات کو ذکر کیا ہے:

۱. اس حدیث کو "حسن" جانتے ہیں یہ نکتہ علم درایہ سے متعلق ہے۔
۲. ابو صالح سمٰعیل ابو صالح سمّان کے والد ہیں جن کا نام ذکوان ہے۔ یہ علم رجال سے متعلق ہے۔
۳. ابوہریرہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کچھ لوگوں نے عبد شمس اور کچھ لوگوں نے عبداللہ بن عمر۔ اسماعیل بن بخاری کا یہی نظریہ ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ یہ نکتہ علم رجال سے متعلق ہے۔
۴. صنابحی نے ابو بکر صدیق سے روایت کی ہے کہ پیغمبر ﷺ سے روایت نہیں سنا اور اس کا نام عبدالرحمان بن عسیلہ اور کنیت ابو عبداللہ ہے اس نے پیغمبر ﷺ کی طرف حرکت کیا اور راہ پیغمبر ﷺ میں مر گیا۔ یہ نکتہ بھی علم رجال سے متعلق ہے۔۱۷

کتاب تفسیر میں سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۱۵ کی تفسیر میں اس روایت کو بیان کیا ہے:

---

۱۷ سنن ترمذی ص ۱۸، ۱۷۔

حدثنا محمود بن غیلان، قال: حدثنا وکیع، قال: حدثنا اشعث السمان عن عاصم بن عبیداللہ، عن عبداللہ بن عامر بن بیعہ عن ابیہ، قال: کنّا مع النبی ﷺ فی سفر فی لیلۃ مظلمۃ فلم ندر این القبلہ فصلی کل رجل منا علی حیالہ، فلما اصبحنا ذکرنا ذلک للنبی ﷺ فنزل:۔۔۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔۔۔" ہم ایک تارک رات کو پیغمبر ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے اور قبلہ کس سمت میں ہے معلوم نہیں ہوا سب نے جس طرف جی چاہا منہ اٹھا کر نماز ادا کی صبح اس ماجرا کو پیغمبر ﷺ کے سامنے بیان کیا یہ آیت نازل ہوئی: جس طرف بھی منہ کرو اللہ اسی سمت ہے"۔۱۸

ترمذی کہتا ہے: یہ حدیث غریب ہے اور اسے صرف اشعث سمان ابی الربیع نے عاصم بن عبیداللہ سے نقل کی ہے اور اشعث حدیث میں ضعیف ہے۔ اس کے باوجود بہت سارے علما (فقہاء) نے اسی حدیث کو قبول کیا ہے اور کہتے ہیں: جب بھی کوئی شخص ابر آلود موسم میں نماز پڑھے اور قبلہ کی صحیح سمت معلوم نہ ہو اور نماز کے بعد پتہ چلے نماز قبلہ کی سمت میں نہیں پڑھی تو یہی نماز اس کے لیے کافی ہے۔ سفیان و ابن مبارک احمد و اسحاق اسی رائے پہ ہیں۔۱۹

اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ سنن ترمذی میں تعلیمات حدیث کے علاوہ تعلیمات فقہ پر بھی توجہ ہوئی ہے اسی انہیں فقہ مقارن (تقابلی فقہ) کا موجد سمجھا گیا ہے۔

سنن ترمذی کی باب علل سے واقفیت

سنن ترمذی، دیگر صحاح ستّہ کے مقابلہ میں ایک منفرد خصوصیت رکھتی ہے وہ یہ کہ کتاب کے آخر میں فضائل و مناقب کے ابوابیات کے بعد باب "علل" کا بیان ہے۔ ترمذی اس باب میں جو کہ زیادہ طویل بھی نہیں ہے علم رجال اور سند احادیث کے بارے میں اپنا منتخب بنیادی اصول اور معیارات جسے کتاب سنن میں اختیار کیا ہے اسے بیان کیا ہے۔

آپ کہتے ہیں: اس کتاب کے تمام روایات پہ عمل ہوا ہے اور کافی تعداد میں علماء نے اس پہ توجہ کیا ہے صرف دو حدیث کے علاوہ جنہیں باب علت و ضعف میں بیان کیا ہے، پھر واضح کیا ہے کہ فقہاء کے نظریات کو کن منابع اور کن طرق سے بیان

---

۱۸ ۔ سنن ترمذی ص ۱۱۴۱۔

۱۹ ۔ سنن ترمذی ص ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲

کیا ہے جو کچھ شافعی سے بیان کیا ہے وہ حسن بن محمد زعفرانی کا طریق ہے۔۲۰ اور علل احادیث ، تاریخ اور رجال کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ تاریخ کی کتابوں سے استخراج کیا ہے اور ابوزرعہ و بخاری سے اس بارے میں مباحثہ کیا ہے۲۱ نیز کہتے ہیں کہ: اس کتاب میں علل احادیث و اقوال فقہاء کو بیان کیا ہے تو اس لیے کہ ہم سے اس بات کی درخواست ہوئی تھی باوجود اس کے اس کام کو انجام دینے میں کچھ مدت تامل کیا پھر ان مطالب کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ عوام کے لیے مفید ہے۔۲۲

پھر اس مسئلہ پہ بحث کی ہے کہ روایان کی جرح و تعدیل؛ ان کے ورع و تقواکے برخلاف نہیں ہے کیونکہ تابعی بزرگوں نے بھی یہ کام کیا ہے دین کی حفاظت اور مسلمانوں کے فائدے کی خاطر یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ترمذی کی نگاہ میں وہ راوی جو متھم ہو یا غفلت اور کثرت خطا کی وجہ سے تضعیف ہوا ہو یا حدیث صرف اسی طریق میں محدود ہو تو اس سے استناد نہیں کیا جاسکتا ہے۔۲۳

ابان بن ابی عیاش کو آپ اس قسم کی روایان میں سے جانتے ہیں، آپ حفظ و تثبیت اور سماع حدیث میں محدثان کی فضیلت اور برتری پہ تاکید کرتے ہوئے بعض محدثان من جملہ: شعبہ، محمد بن سیرین وغیرہ کو اس میدان میں پیش قدم جانتے ہیں۔ اس کے بعد تحمل کی اقسام و اسلوب اور ان کا رتبہ مثلاً کتابت، سماع، اجازہ کے بارے میں بحث کی ہے۔۲۴ آپ اس بات پہ تاکید کرتے ہیں کہ مرسل احادیث قابل عمل نہیں ہیں۲۵ پھر ماہر رجال حضرات کا روایان کی تضعیف اور تعدیل میں اختلاف پر اعتراض کیا ہے۔۲۶

اس کے بعد آپ حسن کی تعریف اپنے معیار کے مطابق کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

---

۲۰ ۔ سنن ترمذی ص۱۱۴۸۸

۲۱ ۔ سنن ترمذی ص۱۱۴۸۸۔

۲۲ ۔ سنن ترمذی ص۱۱۴۸۸

۲۳ ۔ سنن ترمذی ص۱۴۹۰۔

۲۴ ۔ سنن ترمذی ۱۴۹۶،۱۱۴۹۵

۲۵ ۔ سنن ترمذی ص۱۴۹۹

۲۶ ۔ سنن ترمذی ص۱۴۹۹؛۱۵۰۱۔

ہر وہ حدیث جس کے سند میں کذب سے متھم راوی نہ ہو اور حدیث شاذ نہ ہو اور دیگر طرق سے بھی بیان ہوئی ہوں تو یہ حدیث حسن ہو گی۔ ۲۷

پھر وضاحت کرتے ہیں کہ غریب احادیث کی اصطلاح کو اپنی کتاب میں استعمال کیا ہے اس سے مراد حدیث مختلف ہے۔ ۲۸ مثال کے طور پہ کبھی حدیث کو ایک طریق سے نقل ہونے کی وجہ سے غریب جانا گیا ہے اور کبھی ایک خاص راوی کا سلسلہ سند میں موجودگی کی وجہ سے غریب کہا گیا ہے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے ترمذی نے اپنے اصول و معیارات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ علم رجال و درایہ کے سلسلے میں قابل توجہ نکات کو ذکر کیا ہے۔

سنن ترمذی اور تنقیدات

ترمذی کی تعریف کے ساتھ ساتھ باب فضائل کی روایات میں سستی کی وجہ سے ان پہ تنقید کی گئی ہے۔ ذہبی اس عبارت میں جسے ہم اس سے نقل کیا تھا ترمذی کی تعریف کرنے کے بعد ان کی کتاب میں موہوم و سست روایات جن میں سے بعض جعلی ہیں نقل کرنے کی خاطر ترمذی کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے نکہ انہوں نے اس کام سے اپنی کتاب کو مبہم کیا ہے۔ ۲۹ حافظ رجب ترمذی کے علل کی شرح میں بیان کرتا ہے کہ ترمذی نے صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف، غریب، اور منکر احادیث کو بیان کیا ہے بالخصوص باب الفضائل میں۔

دور حاضر کے محقق محمد ناصر البانی اس مشہور جملے : جس کے گھر میں سنن ترمذی ہو گویا پیغمبر ناطق اس گھر میں ہے۔ کو نقل کرنے کے بعد اسے ناممکن سمجھا ہے کہ ترمذی نے یہ بات کہی ہو؛ کیونکہ خود ترمذی نے اقرار کیا ہے کہ سنن کی بعض روایات منکر و ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل نقل نہیں ہیں۔ ۳۰ ذہبی اس بات کے قائل ہے کہ ضعف سند اور متن کی خاطر سنن پر الجامع الصحیح کا عنوان درست نہیں ہے جسے حاکم نیشابوری، خطیب بغدادی اور دیگر بعض لوگوں نام دیا ہے کیونکہ منکر، احادیث کی موجودگی اور مصنف کی اس بات کا اقرار صحیح اس کتاب کو صحیح کا عنوان دینا درست نہیں ہے۔ ۳۱

---

۲۷ ۔ سنن ترمذی ص۱۴۹۹

۲۸ ۔ سنن ترمذی ص۱۴۹۹۔

۲۹ ۔ سیر اعلام النبلاء ج۳ ص۲۷۴

۳۰ ۔ ضعیف سنن الترمذی ص۱۸

۳۱ ۔ ضعیف سنن الترمذی ص۲۱۔

البانی نے ضعیف سنن الترمذی میں کتاب کے موارد ضعف پہ بحث کی ہے اور کتاب کی تمہید میں کہتے ہیں کہ: ترمذی کے احادیث کے بارے میں تبصرے کے باوجود ترمذی سے تقلید نہیں کیا ہے اور وہ روایات جو ترمذی کے معیارات کے مطابق درست تھیں ان کی رائے کے مطابق ضعیف یا جعلی سمجھا گیا ہے۔ ۳۲

۳۲ ۔ ضعیف سنن الترمذی ص ۱۵، ۱۶

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«پینتالیسواں سبق»

سنن احمد بن شعیب نسائی

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

سنن احمد بن شعیب نسائی(م ۳۰۳)

ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی ۲۱۵ ہجری کو قدیم خراساں کے نساء نامی شہر میں پیدا ہوئے یہ شہر سرخس اور مرو کے درمیان ہے اور خوش آب و ہوا کے لحاظ سے مشہور ہے عثمان کے حکومت کے دوران عبداللہ بن عامر کے ہاتھوں فتح ہوا ا۔ نسائی نے تعلیمی زندگی کا آغاز ۱۵ سال سے کیا اور خراسان میں قتیبہ بن سعید سے تعلیم حاصل کیا مزید تعلیم کے لیے مصر، عراق و شام گئے آخر کار مصر میں مستقل شفٹ ہو گئے ان کی خاص سوچ اور نظریات کی وجہ سے مصر میں مشہور ہو گئے آپ کے بعض دیگر مشائخ حدیث اور اساتذہ یہ ہیں:

یحییٰ بن موسیٰ(م ۲۳۰)؛ ہشام بن عمار(م ۲۴۵)؛ اسحاق بن راہویہ(م ۲۳۸)؛ علی بن جعفر(م ۲۴۴)؛ عمرو بن فلاس(م ۲۴۹)۔آپ کے شاگردوں میں ابوبشر دولابی، ابو جعفر طھاوی، ابوعلی نیشاپوری، کا نام لیا جاتا ہے۔ ۲

ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عبادات، اداب و سنن پہ زیادہ توجہ دیتے تھے اور حاکم کے دربار جانے سے گریز کرتے تھے۔ سنن کبری اور سنن صغیر کے علاوہ ان کی کتابیں الخصائص، فضائل الصحابہ، والضعفاء، ولمتروکین وغیرہ بھی ہیں ۳۔ اگرچہ یہ کتب موجود نہیں ہیں۔

نسائی کا فقہی مذہب شافعی ہے گرچہ سید محسن امین اعیان الشیعہ میں انہیں شیعہ جانتے ہیں، شیخ آغا بزرگ تہرانی ان کی خصائص نامی کتاب کو علماء شیعہ کی کتب میں شمار کیا ہے۔ اس بات کی دلیل نسائی کا وہ کلام ہے نسائی کہتا ہے: جب دمشق گیا اور لوگوں کو علیؑ سے منحرف دیکھا تو خصائص (علیؑ کی فضائل کے بارے میں کتاب) نامی کتاب لکھا ۴۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ بات صرف نسائی کی مولا علیؑ سے محبت کی حکایت کرتی ہے اور ہر گز نسائی کا، مذہب تشیع سے تعلق کو نہیں پہنچاتی ہے۔ ۵

تاریخی واقعات بتاتی ہے کہ شامیوں کو جب کتاب خصائص کے بارے میں اطلاع ملی تو انہوں نے نسائی سے درخواست کی کہ

۱۔ تذکرہ الحفاظ ج ۲ ص ۷۰۱، سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۲۵، السنن الکبری ج ۱ ص ۱۸۔

۲۔ السنن الکبری ص ۶، ۵،۔

۳۔ السنن الکبری ص ۲۲، ۲۱، خصائص امیر المؤمنین ص ۲۲

۴۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۲۹

۵۔ خصائص امیر المؤمنین ص ۳۴، اعیان الشیعہ ج ۸ ص ۴۴۸

معاویہ کے فضائل کے بارے میں کتاب لکھے لیکن نسائی نے انہیں یوں جواب دیا: اس شخص جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا اشبع اللہ بطن معاون"؛ خدا معاویہ کے شکم کو ہرگز سیر نہ کرے"۔ شامیوں نے جب یہ بات سنی تو نسائی کو خوب مارا پیٹا اور انہیں شہر سے نکال دیا آپ اس حادثے کے بعد بہت بیمار ہوئے اور ۳۰۳ ہجری کو انتقال کر گئے اور صفا و مروہ کے درمیان دفن ہو گئے۔۶ بعض لوگ کہتے ہیں آپ رملہ میں انتقال کر گئے اور آپ کے جسد کو فلسطین لے گئے اور وہی دفن ہو گئے۷ اس سلسلے میں پہلا نظریہ فوقیت رکھتی ہے۔ اسی حادثے کی وجہ سے انہیں شہید کہا جاتا ہے۔

تمام اہل سنت محدثان نے نسائی کی تعریف کی ہے ابن حجر کہتے ہیں: بے شک نسائی حدیث کے امام ہیں۔ حاکم نیشابوری کہتے ہیں: علی بن عمر حافظ سے سنا کہتا ہے: "ابو عبدالرحمان نسائی اپنے زمانے کے تمام محدثان پہ فوقیت رکھتے ہیں۔ ذہبی اور سبکی نے انہیں مسلم سے زیادہ حافظ جانتے ہیں، ذہبی نسائی کے بارے میں کہتے ہیں: آپ بصیرت و فہم تنقید رجال، حسن تالیف علم کے دریا ہیں اور حافظان ان کی سمت کوچ کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ان کی مانند کوئی حدیث شناس نہ تھا۔

ذہبی انہیں مسلم، ابوداؤد، ابوعیسی ترمذی پہ فوقیت دیتے ہیں اور اس بات کے قائل تھے کہ انہیں بخاری اور ابوزرعہ کے لائن میں کھڑا کیا جائے۔

ابو الحسن دار قطنی کہتے ہیں: " نسائی اپنے تمام معاصر محدثان پہ فوقیت رکھتے ہیں۔ دار قطنی کے نظریے کے مطابق نسائی اپنے زمانے میں مصر کے تمام مشائخ حدیث سے زیادہ عالم تھے۔۸

سنن نسائی کا تعارف

نسائی ایسے زمانے میں زندگی بسر کر رہے تھے جس میں محدثان نے جامع کے بعد سنن (احادیث فقہ) لکھنا شروع کیا تھا نسائی سے پہلے ابو داؤد نے سنن تحریر کیا تھا۔ انہوں نے سنن الکبر کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث احکام، آداب، سنن کو تحریر کیا۔ اس کتاب میں بارہ ہزار روایات ہیں کتاب تحریر کرنے کے بعد اسے رملہ کے حاکم کے سامنے پیش کیا، رملہ کے حاکم نے ان سے سوال کیا: "کیا سنن کی تمام احادیث درست ہیں؟ نسائی نے جواب دیا: اس کتاب میں صحیح احادیث، حسن، اور قریب بہ صحیح و حسن کو بیان کیا

۶۔ سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۳۳/ تہذیب الکمال ج ۱ ص ۳۳۸

۷۔ خصائص امیر المؤمنین ص ۴۰۔

۸۔ تفصیل کے لیے رک: خصائص امیر المؤمنین ص ۶،۵، سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۱۲۵، سنن نسائی ص ۷۔

ہے"۔امیر رملہ نے نسائی سے خواہش کیا کہ صحیح احادیث کو ایک الگ کتاب میں جمع کیا جائے۔۹اسی لیے سنن کا اصل نام "السنن المجتبی" (منتخب سنن) ہے۔اور صحاح ستّہ میں شمار ہوتا ہے السنن المجتبی کو سنن صغیر بھی کہا جاتا ہے۔السنن الکبری ابن حیوۃ بن احمر اور ابن قاسم سے سنن صغیر ابن سنی کے طرق سے نقل ہوئی ہے۔

سنن کبری اور سنن صغیر میں مندرجہ ذیل فرق موجود ہے:

ا۔ سنن کبری کی ۲۱کتاب کا (باب) سنن صغیر میں ذکر نہیں ہوئی ہے۔۲۔ سنن کبری میں احادیث کے طرق بیان ہوئے ہیں۔۳۔ سنن کبری میں روایات کے سند اور متن مکمل طور پہ بیان ہوئے ہیں اور سند اور متن میں موجود اختلاف کی طرف اشارہ ہوا ہے۔۴۔ روایات سے متعلق بعض تشریحات اور وضاحتیں سنن مجتبی میں ذکر ہوا ہے اور سنن کبری میں نہیں۔۵۔ سنن مجتبی کی بعض روایات سنن کبری میں بیان نہیں ہوئی ہیں۔۱۰

سنن کبری کی منفرد خصوصیات میں سے ایک خصائص نامی کتاب کا علیؑ کی فضائل کے بارے میں ہے نسائی دیگر محدثان کی طرح کتاب فضائل صحابہ، میں علیؑ، ابوبکر، عمر عثان کی فضیلتوں کو بیان کرتے ہیں، اور احساس کرتا ہے کہ اتنی مقدار میں فضیلت علیؑ کی علمی روحانی مقام کو بیان کرنے کے لی کافی نہیں ہے اسی لیے ایک الگ اور مستقل کتاب میں بہت سے ایسی روایات کو جو اسلامی تاریخ کے حقائق سے پردہ اٹھاتی ہے اور خلافت کے ماجرا سے متعلق ہے اور دیگر صحاح ستّہ نے ان روایات کو بیان نہیں کیا ہے کو بیان کیا ہے، یہ کتاب مستقل طور پہ حاج محمد ہادی امینی کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ سنن میں ۵۷۶۹ روایات ہیں اس کتاب پہ بعض لوگوں نے شرح لکھی ہیں، زہر الربی علی المجتبی، جلال الدین سیوطی من جملہ اس کتاب کی شرح ہے۔

اہل سنت محدثان کی نگاہ میں سنن نسائی کا مقام و مرتبہ

حافظ ابو الفضل بن طاہر کہتے ہیں: سنن ابی داوٗد اور سنن نسائی میں تین قسم کی روایات ہیں:

۱) صحیح احادیث جو صحیحین میں بھی بیان ہوئی ہیں ۲) مسلم و بخاری کے شرائط کے مطابق احادیث ۳) وہ احادیث جن کی درستگی کا یقین نہیں ہے، لیکن سب نے ان احادیث سے احتجاج کیا ہے"۔۱۱

۹۔ سنن نسائی ج ا ص ا

۱۰۔ السنن الکبری ج ا ص ۸

۱۱۔ زہر الربی علی المجتبی ص ۲۔

ابو عبداللہ بن مندہ کہتے ہیں: نسائی اور ابوداؤد کے شرائط ایک جیسے ہیں اور وہ یہ ہے ان اشخاص کے احادیث کا اخراج ہے جن کے احادیث کے ترک پہ اجماع نہ ہوا ہو اور حدیث سند کے لحاظ سے متصل ہو مرسل نہ ہو۔" ۱۲

کہا جاتا ہے کہ بہت سے ایسی احادیث جنہیں ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن نسائی نے اسے نہیں نقل کیا ہے۔ اسی لیے کہاجاتا ہے نسائی کے شرائط مسلم و بخاری سے زیادہ سخت ہے نسائی سے نقل ہوئی ہے کہ کہتے ہیں: " جن روایات کے بارے میں شک ہوتا تھا استخارہ کیا اور برا آیا تو انہیں نقل نہیں کیا"۔ ۱۳

ابو عبداللہ رشید کہتے ہیں: " نسائی کی کتاب (سنن مجتبی) سنن کے بارے میں شاندار اور منظّم کتاب ہے ان کی کتاب مین مسلم و بخاری کے طریق میں جمع کیا ہے اور علل حدیث کے بارے میں قیمتی آرائے بیان ہوئے ہیں۔" ۱۴

اسی لیے نسائی کی کتاب کو بخاری اور مسلم کے بعد سب سے کم جعلی اور مجروح روایات پہ مشتمل جانتے ہیں۔ ۱۵

نسائی خود کہتے ہیں:

سنن کی تمام روایات صحیح اور بعض روایات معلول (علت) ہیں علت کو بیان کیے بغیر لیکن سنن مجتبی کی تمام روایات درست ہیں۔ ۱۶

ان تعاریف کی بنا پہ تاج الدین سبکی نے سنن مجتبی کو صحاح ستّہ میں شمار کیا ہے

یہاںتک کہ مغرب (شمالی آفریقا) کے بعض علماء نے نسائی کی کتاب کو بخاری پہ فوقیت دی ہے۔ ۱۷

لیکن سنن نسائی کے مقام کو ابوداؤد کے سنن کی مانند یا اس کے بعد قرار دیا ہے۔ ان تعاریف کے باوجود ابن کثیر کا کہنا ہے سنن نسائی میں جعلی راویان نیز ضعیف و معلل و منکر روایات موجود ہیں ۱۸ من جملہ اعتراض یہ ہے کہ مکرر روایات کی تعداد زیادہ ہے مثال کے طور پہ نیت کی روایت ۱۶ بار تکرار ہوئی ہے۔

۱۲۔ زہر الربی علی المجتبی ص ۲۔
۱۳۔ زہر الربی علی المجتبی ص ۲۔
۱۴۔ سنن نسائی ج ۱ ص ۴
۱۵۔ سنن نسائی ج ۷ ص ۱
۱۶۔ سنن نسائی ج ۱ ص ۴
۱۷۔ سنن نسائی ج ۱ ص ۴
۱۸۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۳۳۵

نقل روایات میں نسائی کا اسلوب

نسائی کا سنن کے آغاز سے اختتام تک چند موارد کے علاوہ یہ طریقہ ہے کہ عنوان کو بیان کرنے کے بعد۔ ہر باب کے مناسب روایات کو "اخبرنا" یا "اخبرنی" کے عبارت سے اسناد بیان کرتا ہے بہت کم جگہوں پہ ضعف سند یا متن کے حوالے سے گفتگو کی ہے مثال کے طور پہ؛ قیام اللیل و تطوع النہار کے باب میں نماز شب کی کیفیت کے بارے میں اس طرح بیان کیا ہے:

اخبرنا محمد بن بشّار قال: حدثنا محمد بن جعفر و عبدالرحمان قالا: حدثنا شعبہ عن یعلی بن عطاء انہ سمع علیّا الازدی انہ سمع ابن عمر یحدچ عن النبی ﷺ قال: "صلاۃ الیل و النہار مثنی مثنی۔ نماز شب و روز دو دو رکعتیں ہیں۔ پھر اس طرح ذکر ہوا ہے: " قال: ابو عبدالرحمان: ھذاالحدیث عندی خطا واللہ تعالی اعلم۔ ابو عبدالرحمان نسائی کہتا ہے: یہ حدیث میرے نزدیک غلط ہے۔ ۱۹

کفارہ نذر کے باب میں حدیث نبوی کو ذکر کرنے کے بعد " لا تذر فی معصیۃ و کفارتہا کفارۃ یمین " نذر گناہ درست نہیں ہے اور اس کا کفارہ، قسم کے کفارے کی طرح ہے۔ اس حدیث کے سند میں سلیمان بن ارقم ہے وہ نقل کرتا ہے:

قال ابو عبدالرحمان: سلیمان بن ارقم متروک الحدیث واللہ اعلم و خالفتہ غیر واحد من اصحاب یحیٰی بن ابی کثیر فی ھذا الحدیث، سلیمان بن ارقم متروک الحدیث ہے اور یحیٰی بن اکثم کے اکثر اصحاب نے اس سے اس حدیث میں مخالفت کی ہیں۔ ۲۰

اسی طرح حدیث نبوی میں " لا نذر فی غضب و کفارتہ یمین؛ غصہ کی حالت میں نذر درست نہیں ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے "اس حدیث کی سند میں محمد بن زبیر ہے اور محمد بن زبیر ضعیف ہے اور یہ حدیث حجت ہے۔" ۲۱

باب جمعہ میں عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ، نے عمر سے روایات کیا ہے سے نقل کرنے بعد کہا ہے کہ عبدالرحمان نے عمر سے حدیث نہیں سنا ہے۔ ۲۲

کتاب سہو کے باب سلام میں ایک روایت کو ذکر کرنے کے بعد جس کے سند میں عبداللہ بن جعفر ہے " اس عبداللہ بن جعفر سے اس حدیث کو منسوب کرنا کوئی مشکل نہیں ہے لیکن عبداللہ بن جعفر بن نجیح، علی بن مدینی کا والد متروک الحدیث ہے۔" ۲۳

---

۱۹ ۔ سنن نسائی ص ۲۹۰

۲۰ ۔ سنن نسائی ج ۷ ص ۶۲۶

۲۱ ۔ سنن نسائی ج ۱۷ ص ۶۲۶

۲۲ ۔ سنن نسائی ج ۱۷ ص ۲۴۴

نسائی نے بعض جگہوں پہ ایک فقیہ کی مانند روایات کے دائرے سے خارج ہو کر عملی طور پہ مسائل کا حل بتلایا ہے جیسا کہ کتاب مزارعہ میں مزارعہ نامہ کو منظّم کرنے کی کیفیت بیان کی ہے[۲۴] اور باب مکاتبہ اور تدبیر غلام و کنیز میں بھی اسی کام کو انجام دیا ہے۔[۲۵]

۲۳ ۔ سنن نسائی ج۱۷ ص۲۲۶۔

۲۴ ۔ سنن نسائی ج۱۷ ص۶۳۸، م۶۳۹

۲۵ ۔ سنن نسائی ج۱۷ ص۶۲۴، ۶۲۳

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«چھیالیسواں سبق»

سنن ابن ماجہ قزوینی

M.O.U
www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

سنن ابن ماجہ قزوینی (م ۲۷۳)

ابو عبداللہ محمد بن یزید ربعی قزوینی ۲۰۷ یا ۲۰۹ ہجری کو قزوین میں پیدا ہوئے، ماجہ ایک فارسی کلمہ ہے اور ان کا لقب ہے آپ نے تعلیم کا آغاز علی بن طبافسی اور ابو محمد عمرو بن رافع سے کیا، اس کے بعد تعلیم مکمل کرنے کوفہ، بصرہ، واسط، بغداد، دمشق، حمص، اور مصر گئے۔ آپ کے اہم مشائخ اور اساتذہ یہ ہیں: ابوبکر کریب محمد بن علاء، محمد بن بشار بندار، زھیر بن حرب، صعب بن عبداللہ زھری اور ان کے شاگرد علی بن ابراہیم قطان، محمد بن عیسی صفار ابھری، اسحاق بن محمد قزوینی وغیرہ ہیں۔ سنن کے علاوہ قرآن کی تفسیر میں ایک کتاب اور قزوین کی تاریخ کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہیں، ۲۷۳ ہجری کو قزوین میں انتقال کر گئے۔۱

اہل سنت ماہرین رجال اور حدیث نے ابن ماجہ کی تعریف کی ہیں ابن خلکان اس بارے میں لکھتے ہیں: " ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی حافظ، مشہور، سنن کے مصنف، حدیث اور علوم حدیث کے امام و ماہر ہیں، آپ نے مختلف شہروں کی سمت حدیث سننے کے لیے سفر کیا۔۔۔ سنن کی کتاب صحاح ستّہ کی ایک کتاب ہے۔۲

ابن جوزی نے بھی مذکورہ نکات کو بیان کرنے کے بعد انہیں حدیث و سنن کے عالم سمجھا ہے ذہبی کہتے ہیں: "آپ سنن، تفسیر و تاریخ کے مصنف ہیں۔۔۔۔ محمد بن عبداللہ بن نمر اور جبارہ بن مفلس۔۔۔۔ سے استماع حدیث کیا۔۳

ابویعلی خلیلی اس بارے میں کہتے ہیں: " ابن ماجہ، ثقہ، بزرگ، متفق علیہ اور قابل احتجاج اور علم و معرفت کے حامل تھے۔۔۔" ۴

شذرات الذہب میں اس طرح نقل ہوا ہے: "ابن ماجہ عالی شان تھے۔۔۔ آپ حافظ، ثقہ اور کبیر ہیں۔۔۔" ۵

۱۔ رک: سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۷۸، ۲۷۷، الاعلام ج ۷ ص ۱۴۴، سنن ابی ماجہ ص ۷، ۶۔، دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی ج ۴ ص ۵۵۶، ۵۵۷

۲۔ وفیات الاعیان ج ۳ ص ۴۰۷۔

۳۔ سنن ابن ماجہ ص ۸ بہ نقل از المنتظم ج ۵ ص ۹۰۔

۴۔ سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۶۱، بہ نقل از شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۶۴

۵۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۰

سنن ابن ماجہ کا تعارف

سنن ابن ماجہ اہل سنت صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے اور اس کتاب میں احادیث فقہ ، ابوابیات فقہ کی بنا پہ طہارت سے دیات تک مرتب ہوئی ہے اور اس کتاب کے اعتبار کے حوالے سے صحاح ستّہ کی آخری کتاب شمار کیا ہے۔

بہت سارے محدثین ، سنن ابن ماجہ کو ضعیف اور موہوم روایات پہ مشتمل جانتے ہیں اسی لیے نووی کہتا ہے کہ محدثین کے ایک گروہ نے صحاح ستّہ کو پانچ کتب میں محدود کیا ہے اس صورت میں سنن ابن ماجہ کا صحاح ستّہ میں شمار نہیں ہوگا"۔٦

مالکی مذہب کے پیروکاروں نے سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا مالک کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب میں شمار کیا ہے۔ بعض دیگر لوگ من جملہ ابن اثیر جوزی نے موطا مالک اور بعض دیگر سنن دارامی کو ابن ماجہ کے سنن پہ فوقیت دی ہے۔٧

ذہبی نے اس کلام کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے: " سنن کی کتاب کو ابوزرعہ کے سامنے پیش کیا انہوں نے کتاب کو دیکھا اور کہا: اگر یہ کتاب عوام کو ملے تو جوامع کی زیادہ تعداد بند ہو جائے گا"۔٨ اس کے باوجود مزید کہتا ہے سنن ابن ماجہ میں ٣٠ روایات کی اسناد ضعیف ہیں۔

ابویعلی خلیلی ابن ماجہ کی کتاب کو ایک اچھی کتاب جانتے ہوئے اس بارے میں مزید کہتا ہے: البتہ اگر وہ اپنی کتاب کو خیالی احادیث سے نہ بھرتے تو۔٩ ابن طاہر اس کتاب کے بارے میں اس طرح رائے کا اظہار کیا ہے: " سنن ابن ماجہ جامع اور اچھی اور کافی زیادہ ابوابیات اور غرائب پہ مشتمل ہے اور اس میں کافی تعداد میں ضعیف احادیث ہیں یہاں تک کہ سرّی سے سنا کہتا ہے: جب بھی ابن ماجہ کسی حدیث میں منفرد ہوگا اس کا مطلب ہے وہ حدیث ضعیف ہے۔ البتہ یہ دعوی بطور مطلق درست نہیں ہے لیکن مجموعی طور پہ جعلی احادیث کا تعداد زیادہ ہے۔"١٠

انہوں نے مزید کہا ہے کہ:

---

٦ ۔ سنن ابن ماجہ ص١١

٧ ۔ سنن ابن ماجہ ص١١۔١٢؛ اصول الحدیث ص٣٢٧

٨ ۔ تذکرہ الحفاظ ج٢ص١٨٠

٩ ۔ سنن ابن ماجہ ج٢ص١۴٥٩

١٠ ۔ سنن ابن ماجہ ج٢ص١۴٥٩

جو کوئی بھی سنن ابن ماجہ کا دقت سے مطالعہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ مصنف کا مقام حسن تالیف، ابوابیات کی کثرت، قلّت احادیث اور حذف مکررات پائے گا اس میں روایات کی اسناد، مرسل و مقطوع اور مجروحین سے روایت بیان نہیں ہوئی ہے مگر اس قدر جس کا ابوزرعہ نے اشارہ کیا ہے۔١١

ابوالحجاج مزّی کا عقیدہ ہے ہر وہ حدیث جسے صرف ابن ماجہ نے نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے ١٢۔

ذہبی سیر اعلام النبلاء میں ابن ماجہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: " منکر اور بعض جعلی روایات جو سنن ابن ماجہ میں نقل ہوئی ہے نے ابن ماجہ کی شان کو گھٹایا ہے۔۔۔ اور اگر ابوزرعہ کی بات درست ہو اور ان کا مطلب ٣٠ ہزار مطروح و ساقط احادیث ہے کیونکہ وہ احادیث جو حجیت نہیں رکھتی ہیں کافی زیادہ اور شاید ہزار کی تعداد میں ہیں۔ ١٣

سنن ابن ماجہ میں ۴٣۴١ روایات ہیں جو ٣٧ کتاب اور ١۵١۵ ابوابیات میں منتشر ہوچکی ہے ان میں سے ٣٠٠٢ روایت صحاح ستہ کی دیگر کتب میں بھی نقل ہوئی ہیں اور باقی روایات یعنی ١٣٣٩ روایات میں سے ۴٢٨ حدیث کے راوی رجال ثقہ اور درست ہیں اور ١٩٩ روایات حسن، ٦١٣ روایات ضعیف، ٩٩ احادیث واہی الاسناد، منکر یا مکذوب ہیں۔ ١۴

ابن ماجہ کے سنن پہ ١٣ شرح لکھے جاچکے ہیں ان میں سے سیوطی کی شرح مصباح الزجاجہ اور سندی کی شرح کفایۃ الحاجہ، ان کے شروح کے نمونے ہیں۔

سنن ابن ماجہ چھٹی صدی تک چھاپ کے تین صدی بعد تک صرف ایران اور قزوین میں مشہور تھا ابن ماجہ نے اپنی کتاب کو اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کیا، ان میں سے قطان کی روایت زیادہ مشہور ہے کہا جاتا ہے ابن ماجہ کی ٩١ سال عمر اور ان کے شاگرد عبدالرحمان بن احمد قزوینی کے کوششوں کی وجہ سے سنن شایع ہوچکی ہے اس کے بعد سنن کی تشہیر کا کام ابوزرعہ مقدسی کے ہاتھوں انجام پایا۔

---

١١ ۔ سنن ابن ماجہ ص ١٠

١٢ ۔ سنن ابن ماجہ ج ٣ ص ١۴۵٩

١٣ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ٩ ص ۵٣١

١۴ ۔ سیر اعلام النبلاء ج ٩ ص ۵٣١

نقل روایات میں ابن ماجہ کا اسلوب

سنن کی روایات کا آغاز "حدثنا" کی عبارت سے ہوتا ہے اور اسناد کو ذکر کرنے کے بعد متن روایات کو بیان کیا ہے، مصنف بعض موارد میں مختلف طرق اور روایات کے دیگر الفاظ کو بیان کیا ہے بہت کم مواقع پہ اظہار رائے بھی کیا ہے۔

مثال کے طور پہ کتاب کفارات کے وفاء بہ نذر کے باب میں ابو بکر بن ابی شیبہ، مروان بن معاویہ سے وہ عبداللہ بن عبد الرحمان طائفی سے وہ میمونہ پیغمبر ﷺ کی زوجہ سے وہ پیغمبر ﷺ سے، وفا بہ نذر متذکر ہوئے ہیں کہ ابو بکر شیبہ نے ایک اور طریق سے بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے۔[15]

اسماعیل بن بہرام نے پیغمبر ﷺ سے روایت نقل کیا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا: "اعظم الناس همّا، المؤمن الذی یهم بامر دنیاه وامر آخرته، جو مؤمن دنیا اور آخرت کے کاموں کی فکر میں رہے گا تمام لوگوں سے زیادہ غم واندوہ میں ہوگا" اس حدیث کے ساتھ یہ اضافہ کیا ہے کہ "یہ حدیث غریب ہے اور صرف اسماعیل بن بہرام نے اسے نقل کیا ہے۔[16]

دجال اور اس کے فتنوں کے بارے میں ایک طویل روایت کو بیان کرنے کے بعد اس طرح بیان کیا ہے:

ابو عبداللہ (ابن ماجہ) کہتا ہے: ابوالحسن طنافسی نے عبدالرحمان محاربی سے سنا کہتا ہے کہ: یہ حدیث اس کے مستحق ہے کہ اسے اساتذہ کو دیا جائے تاکہ وہ بچوں کو اس حدیث کی تعلیم دیں۔"[17]

سنن ابن ماجہ کی روایات پیغمبر ﷺ کی سنت کی پیروی کے وجوب سے آغاز پھر فضائل صحابہ اور فضیلت علم کو بیان کیا جاتا ہے پھر ابوابیات فقہ کی بنا پر کتاب کے آخر میں، کتاب الطب، کتاب اللباس، کتاب الادب، کتاب الدعا، کتاب الفتن کا ذکر ہوا ہے۔

۱۵۔ سنن ابن ماجہ ص ۳۴۱۔

۱۶۔ سنن ابن ماجہ ص ۳۴۴

۱۷۔ سنن ابن ماجہ ص ٦٦۴۔

مطالعات قرآنی

شیعہ و سنی مصادر حدیثی کا تعارف

«سینتالیسواں سبق»

اہل سنت کے دیگر جوامع حدیث کا تعارف

M.O.U

www.i-MOU.com
research@almustafaou.com

تفصیل

اہل سنت کے دیگر جوامع حدیث کا تعارف

۱۔المسند الصحیح، ابن حبّان (م ۳۵۴)

ابو حاتم محمد بن حبان جو ابن حبان کے نام سے مشہور ہیں آپ مورّخ، ماہر جغرافیہ، اور محدث تھے آپ سجستان کے شہر بست میں پیدا ہوئے اور خراساں، شام، مصر، عراق، جزیرہ وغیرہ گئے، کچھ عرصہ سمرقند میں قاضی رہے وہاں سے نیشابور پھر اپنے شہر واپس لوٹے۔ آپ نہایت ہی محنتی مصنف ہیں۔ یاقوت کہتا ہے: "علم حدیث میں جو کچھ انہوں نے مہیا کیا ہے وہ کسی اور کے بس کا کام نہیں ہے، آپ اپنی تحاریر کو مکمل کرنے خراساں چلے گئے۔

ان کی بہت ہی اہم کتابیں ہیں، من جملہ علل اویام اصحاب التواریخ دس مجلدات میں، الصحابہ پانچ جلدوں میں، التابعین بارہ جلدوں میں، غرائب الاخبار بیس جلدوں میں۔ ۱

المسند الصحیح ان کی تصنیف ہے جو صحیح ابن حبان کے نام سے بھی مشہور ہے۔

ابن حبّان نے اس کتاب میں روایات کو پانچ کلی موضوعات میں: اوامر، نواہی، اخبار، اباحات اور افعال پیغمبر ﷺ میں درجہ بندی کیا ہے اور اسی درجہ بندی کی وجہ سے ان کی کتاب کو الانواع والتقاسیم بھی کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا نظریہ ہے کہ ان کی کتاب ابن ماجہ کی کتاب پہ فوقیت رکھتی ہے۔ ۲

۲۔الالزامات، دار قطنی (م ۳۸۵)

ابو الحسن علی بن عمر بن احمد جو دار قطنی کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے علوم حدیث کے بارے میں ۴۰ سے زیادہ کتب تالیف کئے ہیں من جملہ: التصنیف فی الحدیث، کتاب الحرج والتعدیل، کتاب العلل فی الحدیث۔ ۳

دار قطنی الالزامات علی الصحیحین مین مسلم و بخاری کے شروط کے مطابق وہ روایات جو صحیحین میں بیان نہیں ہوئی کو نقل کیا ہے۔

۱۔ الاعلام ج ۶ ص ۷۸۔

۲۔ ہدیۃ العارفین ج ۱ ص ۶۸۳

۳۔ دیۃ العارفین ج ۱ ص ۶۸۳

۳۔المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشابوری(م ۴۰۵)

ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشابوری، حاکم نیشابوری اہل سنت محقق محدث ہیں ، ۳۲۱ کو نیشابور میں پیدا ہوئے، نیشابور میں ایک ہزار مشایخ اور اساتذہ سے سماع حدیث کے بعد دیگر شہر خراسان، عراق، ماوراء النہر چلے گئے۔

ان کے اساتذہ میں ابو علی حافظ، ابواحمد حاکم، محمد بن صفار، علی بن فضل ستوری۔۔۔وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے۔خطیب بغدادی نے ان کی تعریف کی ہے ذہبی انہیں شیخ محدثان جانتا ہے ابن خلکان انہیں اپنے دور کے اہل حدیث کے امام جانتا ہے جن کی کافی تعداد میں تصنیفات تھیں جنہیں ان سے پہلے کسی نے تحریر نہیں کیں۔ ۴

ان کے لیے ۲۳ کتب کا نام لیا گیا ہے جن میں سے الاربعین، الاسماء والکنی، الامالی، علل الحدیث، فضائل طہ ان کے نمونے ہیں۔ ۵

حاکم آزانہ سوچ، اہل بیتؑ کے فضائل، حدیث طیر، حدیث " من کنت مولاہ " کو بیان کرنے کی وجہ سے اہل سنت علماء کی طرف سے تنقید کے مستحق قرار پایا ہے ابن طاہر مقدّسی نے انہیں رافضی خبیث کہا ہے۔۶ سید حسن صدر ایک شیعہ عالم نے اپنی کتاب تاسیس الشیعہ میں انہیں شیعہ عالم سمجھا ہے لیکن اصطلاحی معنی کے لحاظ سے آپ شیعہ نہیں ہیں، لیکن یہ کہ آپ محب اہل بیتؑ اور تعصب سے عاری تھے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔۷

حاکم نے مستدرک کے مقدمہ میں کہا ہے کہ بخاری اور مسلم نے صحیح روایات نقل کئے ہیں، لیکن یہ نہیں کہا ہے کہ دیگر روایات صحیح نہیں ہیں اسی لیے بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحیح روایات کی تعداد دس ہزار بھی نہیں ہیں، اسی لیے مستدرک کو تحریر کیا ہے تاکہ دیگر صحیح روایات کو خود کے نظریے کے مطابق جمع کروں اور اس اعتراض کا جواب دوں۔۸

انہوں نے مستدرک میں تین قسم کی روایات کو نقل کیا ہے:

۱۔ وہ احادیث جو مسلم و بخاری کے شرائط کے مطابق صحیح ہیں لیکن صحیحن میں نقل نہیں ہوئی ہیں؛

۲۔ وہ احادیث جو ان دونوں میں سے کسی ایک کے شرائط کے مطابق صحیح ہیں لیکن ان کی کتاب میں نقل نہیں ہوئی ہیں؛

۳۔ وہ روایات جو مصنف (حاکم) کے نظریے کے مطابق صحیح ہیں ۹ مستدرک میں مجموعی طور پہ ۹۰۰۰ احادیث نقل ہوئی ہیں۔

---

۴ ۔ تفصیل کے لیے: رک: المستدرک علی الصحیحین ج۱ص۷-۱۰

۵ ۔ تفصیل کے لیے: رک: المستدرک علی الصحیحین ج۱ص۷-۱۰

۶ ۔ تفصیل کے لیے: رک: المستدرک علی الصحیحین ج۱ص۱۵

۷ ۔ تاسیس الشیعہ ص۲۹۴، رک: اصول الحدیث واحکامہ ص۱۱،۱۰

۸ ۔ المستدرک علی الصحیحین ج۱ص۴۱-۴۲

۴۔ مصابیح السنۃ، فرّاء بغوی (م ۵۱۶)

حسین بن مسعود شافعی جو فرّاء بغوی کے نام سے مشہور ہے، بغوی نے اس کتاب میں صحاح ستہ، موطا مالک، سنن دارمی وغیرہ کی روایات کو حذف اسناد اور جدید اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپ اپنے مقدمہ میں کہتے ہیں: روایات کی اسانید کو اختصار کی خاطر یا اصلی منابع میں ان کی موجودگی کی وجہ سے بیان نہیں کیا ہے، انہوں نے کتاب کی احادیث کو دو قسم میں تقسیم کیا ہے۔ صحیح احادیث سے مراد مسلم و بخاری کی احادث ہے اور حسن سے مراد دیگر کتب کی احادیث ہے۱۰ اس کتاب کی تصنیف کے بعد محمد بن عبداللہ مشہور بہ خطیب تبریزی (۷۴۰) نے بغوی کی کتاب پہ ایک اور باب کا اضافہ کیا ہے جس میں ضعیف روایات ہیں نیز راویان کو معین کرنے اور روایات کے منابع کو معین کرتے ہوئے مشکاۃ المصابیح کو تحریر کیا جو بغوی کی کتاب کی بنسبت زیادہ خیر مقدم کیا گیا اور بیضاوی نے اس پہ شرح تحریر کیا ہے کتاب مصابیح کی ۴۳ شروحات ہیں۔

۵۔ جامع الاصول من احادیث الرسول، ابن اثیر جزری (م ۶۰۶)

ابو السعادت مبارک بن محمد، جو ابن اثیر جزری کے نام سے مشہور ہیں، ابن جزری نے اپنی کتاب کو التجرید الصحاح الستّہ، احمد بن رزین کی کتاب کے مطابق تحریر کی ہے۔ اتنا فرق ہے کہ صحاح ستّہ کی روایات پہ اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ دیگر روایات کو بھی مرتب کیا ہے۔ جامع الاصول کی ابوابیات اور روایات حروف تہجی کی ترتیب پہ ہے مصنف نے روایت کے آغاز میں جس کتاب سے نقل کیا ہے کا نام بیان کیا ہے اسناد روایات کو آخری راوی کے عکاوہ حذف کیا ہے مصنف نے بعض مشکل الفاظ کی تشریح بیان کی ہے۔ ابن اثیر نے کتاب کے آخر میں تمام راویان کا نام حروف کی ترتیب سے ذکر کیا ہے، جامع الاصول کا محدثان نے بہت ہی پسند کیا۔ ابن الربیع شیبانی (م ۹۴۴)، شیخ صلاح الدین دمشقی (م ۷۶۱)، ابن بارزی حموی نے کتاب کا خلاصہ کیا ہے۔ شیخ عبدربہ سلیمان، جو قیلوبی کے نام سے مشہور ہیں نے اس پہ شرح لکھی ہے جس کا نام جامع المعقول والمنقول ہے۔

۶۔ جامع المسانید والسنن الهادی لاقوم السنن، ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴)

اسماعیل بن کثیر جو ابن کثیر دمشقی مشہور ہیں نے اس کتاب میں صحاح ستّہ، مسند احمد بن حنبل، مسند ابوبکر بزاز، مسند ابویعلی موصلی، معجم کبیر طبرانی، مجموعی طور پہ دس کتب سے احادیث کو اکھٹا کیا ہے، انہوں نے مسانید کے اسلوب کے مطابق صحابہ کی محوریت پہ حروف تہجی کی ترتب پہ مرتب کیا ہے، اس طرح آپ پہلے صحابہ کے حالات زندگی اور جرح و تعدیل کو مختصرا پھر

۹۔ تدریب الراوی ج ۱ ص ۸۰

۱۰۔ مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۱۱۰

روایات کو بیان کرتے ہیں، مصنف کا مقصد تمام روایات کو جمع کرنا تھا صحیح روایات پہ اکتفا نہیں کیا ہے اور حسن، ضعیف اور جعلی روایات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی روایات کی تعداد تقریبا ایک لاکھ کے قریب ہے یہ کتاب ۳۱ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے یہ کتاب علم رجال کے نکات اور روایات کی درستگی کو پرکھنے کے لیے ایک مکمل کتاب ہے۔

۷۔ جامع الجوامع، جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱)

عبد الرحمان بن ابی بکر، جو جلال الدین سیوطی مشہور ہیں۔ اس کتاب میں سیوطی نے صحاح ستّہ، مسند احمد بن حنبل، موطا مالک اور دیگر ستر سے زائد کتب سے روایت نقل کی ہے توسیع کے لحاظ سے اس کتاب (دور حاضر میں اہل سنت کی سب سے بڑی کتاب شمار کی جاتی ہے) کو جامع الکبیر کا نام دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں جامع المسانید کی مانند صحیح اور ضعیف روایات نقل ہوئی ہیں؛ کیونکہ مصنف کا مقصد تمام روایات کو جمع کرنا تھا۔ سیوطی نے اس کتاب میں احادیث کو بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور انہیں دو حصوں میں پیغمبر ﷺ کے افعال اور اقوال، اقوال کو حروف تہجی کے ترتیب سے اور افعال کو صحابہ کے روایات کی اسانید کی بنا پہ مرتب کیا ہے۔

سیوطی نے المختصر الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر کو تحریر کرتے ہوئے اپنی کتاب کی تلخیص و تنقیح کی راہ میں قدم اٹھایا اور احادیث ضعیف کو اس کتاب سے دور کرنے کی کوشش کی۔

عبد الرؤف مناوی کی فیض الغدیر فی شرح جامع الصغیر اور علی بن احمد عزیزی شافعی کی السراج المنیر، جامع صغیر سیوطی کی شروحات ہیں۔ متقی ہندی نے منہج العمال فی سنن الاقوال جامع صغیر کی روایات کو مرتب اور منقح کیا ہے عباس احمد صفر اور احمد بن عبد الجواد نے الجامع الکبیر اور الجامع الصغیر اور ان کے زوائد کو جامع الاحادیث نامی ۲۱ جلدوں والی کتاب میں جمع اور شائع کیا ہے۔

۸۔ کنز العمّال فی سنن الاقوال والافعال، متقی ہندی (م ۹۷۷)

علاء الدین علی بن حسام جو متقی ہندی کے نام سے مشہور ہیں (م ۹۷۵، یا ۹۷۷)؛ متقی ہندی نے کتاب کی تمہید میں بیان کیا ہے کہ جلال الدین سیوطی کی الجامع الصغیر اور اس کے زوائد الجامع الکبیر کا خلاصہ اور حروف تہجی کی ترتیب پہ مرتب ہے اور مناسب کتاب ہے لہٰذا انہیں ابوابیات فقہ کی ترتیب پہ الجامع الکبیر کے بقایا روایات کو نقل کرتے ہوئے منہج العمال فی سنن الاقوال کے نام سے شائع کیا اس کے بعد الجامع الکبیر کے دیگر روایات کو اضافہ کرتے ہوئے الاکمال لمنہج العمال کو تحریر کیا اور مذکورہ کتب کو جمع کرتے ہوئے غایۃ العمال کو پیش کیا؛ اور جامع الکبیر سے افعال النبی کی روایات کو اضافہ کیا اور کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال

کو تدوین کیا ان کا کہنا ہے کہ سیوطی کی کتاب الجامع الصغیر کی تبویب اور ترتیب کے دوران ان روایات کو جو جامع الکبیر میں بیان نہیں ہوئی ہیں کو اس کتاب میں ذکر کیا ہے، حقیقت میں کنز العمال الجامع الکبیر، الجامع الصغیر، اور الجامع الصغیر کے زوائد پہ مشتمل ہے۔

۹۔ التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول، منصور علی ناصف (دور حاضر)

شیخ منصور علی ناصف دور حاضر کے اہل سنت عالم ہیں اس کتاب میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داود، سنن ترمذی، سنن نسائی کو بیان کیا ہے، انہوں نے مکرر روایات اور اسناد کو آخری راوی کے علاوہ حذف کیا ہے ہر روایت کے کنارے پہ منبع کو آسانی کے لیے ذکر کیا ہے۔ اس کتاب کی روایات ابوابیات فقہ کی ترتیب پہ منظّم ہوئی ہے آپ کتاب کی تمہید میں کہتے ہیں، کتاب کو بزرگوں اور محققوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کتاب کا خیر مقدم کیا اور ان سے درخواست کی احادیث فہمی کی خاطر احادیث کی تشریح بیان کروں، اسی لیے مصنف نے ہر صفحہ پہ روایت کی وضاحت بیان کی ہے۔

۱۰۔ المسند الجامع، بشّار عوّاد (دور حاضر)

المسند الجامع لاحادیث الکتب الستّہ و مولفات اصحابھا الاخری و موطا مالک و مسانید الحمیدی و احمد بن حنبل و۔۔۔۔ اس کتاب کے عنوان سے واضح ہے کہ اس کتاب میں صحاح ستہ اور روایات کی دیگر کتب موطا مالک، مسند حمیدی، مسند احمد بن حنبل، مسند عبد حمید، سنن دارمی، صحیح ابن خزیمہ مجموعی طور پہ ۲۱ کتب کی روایات کو صحابہ کی محوریت پہ جمع کیا ہے اور ہر باب میں صحابہ کی روایت کی ترتیب کے لیے سنن کی کتب کے اسالیب سے استفادہ کیا ہے یعنی ابوابیات فقہ کی ترتیب پہ مرتب کی ہے اس کتاب میں مقطوع، مرسل، معلّق، روایات بیان نہیں ہوئی ہیں اور مجموعی طور پہ ۱۷۸۰ روایات ۱۲۳۷ اصحاب سے نقل ہوئی ہیں۔